حیات سرور کائنات

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

جلد دوم

تصنیف

مولانا حامدی دہلوی

Marfat.com

فہرست مضامین

58627

حیاتِ سرورِ کائنات جلد دوم

پیش لفظ	۳
پیش کش	۴
سرورِ کائنات صلعم کی معاشرت	۵
سرورِ کائنات صلعم کی گھریلو زندگی	۴۲
نبی اور نبی کے قول وعمل کا مقام	۷۶
رسول اور اولوالامر	۱۱۲
غزوات اور سرایا پر ایک نظر	۱۳۱
غلامی کا انسداد	۱۵۹
اسلامی نظامِ معیشت	۱۷۹
سرورِ کائنات صلعم کی جہانبانی	۲۰۰
سرورِ کائنات صلعم کے معجزات	۲۳۰
اسلام اور عورت	۲۵۹
اسلام اور فرقہ بندی	۲۷۸
اسلامی اصولِ تبلیغ	۲۹۸
امر بالمعروف ونہی عن المنکر	۳۱۰
ختمِ نبوت	۳۲۴
رحمۃ للعالمین صلعم	۳۴۱

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حیاتِ سرورِ کائناتؐ، جلد اوّل میں حضورؐ (روحی فداہٗ) کی ولادت سے وفات تک کے تمام نمایاں واقعات آگئے ہیں، بلکہ ولادت کے وقت اور بعثت سے قبل دنیا کا جو حال تھا وہ بھی مختصراً لکھ دیا ہے، خصوصاً عرب کا حال۔ جلد دوم میں واقعات پر اور حضورؐ کی تعلیمات پر تبصرہ کر رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے غور و فکر کی صلاحیت اور کاغذ کی مہنگائی سے نمٹنے کی طاقت باقی رکھی تو تبصرے کا سلسلہ آئندہ اور چلے گا۔ جلد سوم اور جلد چہارم اور بہت سی جلدیں پیش کی جائیں گی۔ واقعات محدود ہیں، تبصرے کی کوئی حد نہیں ہے۔ میں اب اسی کام کے لئے وقف ہوں اور حیاتِ سرورِ کائناتؐ کے مضامین لکھتے لکھتے مرنا چاہتا ہوں۔ براہ کرم اس تمنا اور دعا کو پڑھ کر آمین کہئے۔ نیز تبصرے میں کہیں غلطی یا لغزش دیکھئے تو مطلع فرمایئے تاکہ اگلا ایڈیشن اصلاح کے ساتھ شائع کیا جا سکے۔ اگلا ایڈیشن میرے سامنے چھپے یا میرے بعد چھپے اصلاحیں نوٹ کر دوں گا۔

حیاتِ سرورِ کائناتؐ، حصہ دوم کی تیاری کے دوران میں وہی تمام کتابیں پیش نظر رہی ہیں جو حیاتِ سرورِ کائناتؐ، حصہ اول کی تیاری کے وقت پیش نظر تھیں۔ صرف ترجمان السنہ، مصنفہ مولانا بدر عالم مہاجر مکی کا اضافہ ہوا ہے اور ایک مضمون، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، حضرت امام غزالی کی کتاب کیمیائے سعادت کی مدد سے لکھا ہے۔

واحدی

۱۱ر شوال المکرم ۱۳۷۶ ہجری

۱۲ر مئی ۱۹۵۷ عیسوی

Marfat.com

پیش کش

علامہ اقبالؒ کی دو دعائیں مجھے بہت پسند ہیں۔ میں نے انہیں روز کا ورد بنا لیا ہے۔

عطا اسلاف کا جذب دروں کر — شریک زمرۂ لایحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں — مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

(۲)

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر — روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگزیر — از نگاہِ مصطفےٰ پنہاں بگیر

خرد کی گتھیاں سلجھانے والا مصرع تو چھوڑ دیجئے۔ باقی تین مصرعوں میں جو کچھ مانگا گیا ہے وہ میں بھی مانگتا ہوں ــــ اور دوسری دعا کا چوتھا مصرع کہ اے ستار "اے غفار! حساب لیجو تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چھپا کر لیجو" بالکل میرے دل کی بات ہے۔ کون سے خوش کرنے کے کام کئے ہیں کہ حضورؐ کو منہ دکھائیں۔ مگر ہاں اے اللہ! تو اگر اتنا کام کر دے کہ جہاں حیات سرور کائنات لکھنے کی توفیق عطا کی ہے وہاں اسے حضورؐ سے پسند بھی کرا دے۔ توبہ۔ توبہ۔ بڑی جرأت کر رہا ہوں۔ ذرا سی چیز کے سہارے بہت اونچا جانا چاہتا ہوں۔ لیکن تو نکتہ نواز ہے۔ تو دلوں کی کیفیت جانتا ہے۔ اس کتاب کو مجھ گنہگار ہی سے نسبت نہیں ہے۔ اس ذات گرامی سے بھی نسبت ہے۔ اسی کے صدقے میں میری یہ درخواست منظور کر لے۔

واحدی

Marfat.com

سرورِ کائنات کی معاشرت

روزمرّہ کے جستہ جستہ واقعات۔ اخلاق۔ عادات اور معمولات

ایک مرتبہ حضرت امام حسینؓ نے حضرت علی مرتضیٰؓ سے حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عادات وخصائل دریافت کئے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ حضورؐ خندہ جبین۔ نرم خُو اور مہربان طبع اور فیاض تھے۔ کبھی کوئی بُرا کلمہ حضورؐ کی زبان پر نہیں آتا تھا۔ نتیجہ خیز اور کارآمد باتیں کیا کرتے تھے۔ فضول بولنا اور ضرورت سے زیادہ بولنا یا بحث مباحثے میں پڑنا حضورؐ سے ہمیشہ بعید رہا۔ کبھی کسی کو بُرا بھلا نہیں کہتے تھے۔ کبھی کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ نہیں لگاتے تھے۔ دوسرا بولنے لگتا تو اُسے دل کھول کر بولنے دیتے تھے۔ اُس کی بات درمیان میں نہیں کاٹتے تھے۔ کوئی بیباک گستاخانہ گفتگو کرتا تو حضورؐ کا تحمل دیکھنے کے قابل ہوتا تھا۔ کوئی کسی احسان کا شکریہ ادا کرتا تو سُن لیتے۔ لیکن اپنی تعریفیں سننی پسند نہیں فرماتے تھے۔ لوگ باتیں کرتے کرتے ہنستے تو حضورؐ بھی مسکرا دیتے تھے اور لوگ کسی امر پر حیرت کا اظہار کرتے تو حضورؐ اُن کے ساتھ اظہارِ حیرت میں شریک ہو جاتے تھے

Marfat.com

کسی کی کوئی درخواست نامنظور کرنی چاہتے تو حتی المقدور زبان سے نامنظوری کے الفاظ نہیں نکالتے تھے۔ خاموش رہتے تھے۔ یا اغماض برتتے تھے۔ مزاج شناس اصحاب حضورؐ کے تیور سے سمجھ جاتے تھے۔ چیخ کر بولتے ہوئے حضورؐ کو کبھی نہیں دیکھا گیا۔

حضورؐ کے عادات و خصائل کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ہند بن ابی ہالہ کی روایتیں بھی ہیں۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ درگزر کرنا اور معاف فرما دینا حضورؐ کا شیوہ تھا۔ حضورؐ نے کبھی کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا۔ کبھی کسی خادم کو یا کسی جانور کو زدوکوب نہیں کیا۔ حضورؐ دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ باتیں اس طرح ٹھہر ٹھہر کر کہتے تھے کہ وہ حافظوں میں محفوظ ہو جاتی تھیں۔ گھر میں تشریف لاتے تو چہرے پر مسکراہٹ ہوتی تھی۔

حضرت علیؓ اپنے بچپن سے حضورؐ کی وفات تک حضورؐ کے ساتھ رہے۔ حضرت عائشہؓ بیوی تھیں۔ حضرت ہند بن ابی ہالہؓ بھی بالکل قریبی آدمی تھے۔ حضورؐ کی گودیوں کے کھلائے ہوئے۔ وہ کہتے ہیں:۔ حضورؐ انسان تو انسان کسی چیز کو بھی بُرا نہیں کہتے تھے۔ مثلاً کھانا جیسا سامنے آجاتا بغیر ناک بھوں چڑھائے نوش فرما لیتے تھے۔ ذاتی معاملات میں حضورؐ نے کبھی غصہ نہیں کیا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہار شکر فرماتے تھے۔

Marfat.com

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کا وہ فقرہ بھی یہاں دوہرانے کے قابل ہے جو انھوں نے اُس وقت فرمایا تھا جب حضرت جبریل علیہ السلام حضورؐ کو پہلی دفعہ دکھائی دیئے ہیں اور حضورؐ گھبرائے ہوئے غار حرا سے جلدی جلدی گھر پہنچے ہیں۔ حضورؐ نے کہا کہ خدیجہ رضؓ! مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے تو حضرت خدیجہ رضؓ نے جواب دیا۔ اللہ آپ کی حفاظت کرے گا۔ آپ صلہ رحم کرتے ہیں۔ غربا کو مدد دیتے ہیں۔ مقروضوں کے قرض چکاتے ہیں۔ مصیبت زدوں کے کام آتے ہیں۔

حضرت خدیجہ رضؓ کی یہ رائے حضورؐ کے بارے میں نبوت سے قبل تھی۔ پندرہ برس حضرت خدیجہ رضؓ حضورؐ کی قبل نبوت بیوی رہیں اور دس برس بعدِ نبوت۔ نبوت کے بعد حضرت خدیجہ رضؓ کی جو رائے ہوگی وہ اِس سے ظاہر ہے کہ ادھر حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے اپنا رسول مقرر کیا ہے اُدھر حضرت خدیجہ رضؓ نے کہا۔ تم سچے ہو۔ میں تم پر ایمان لاتی ہوں، اور پھر اسلام کی خاطر اپنے آپ کو امیر سے غریب بنا لیا۔ حضورؐ کی کچھ ایسی ہی عادات و خصائل تھیں جنھوں نے حضرت خدیجہ رضؓ پر حضورؐ کی حقانیت کا سکہ بٹھا رکھا تھا۔

حضرت عائشہ رضؓ نے ایک اور موقع پر فرمایا کان خلقہٗ قرآن۔ حضورؐ کے عادات و خصائل قرآن مجید کے مطابق تھے۔

Marfat.com

قرآن کہتا ہے لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ جو کرتے نہیں وہ کہتے کیوں ہو۔ حضورؐ جو کہتے تھے وہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا بھی حضورؐ کی نسبت ارشاد ہے اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ اے محمدؐ! تمہارا اخلاق بہت اعلیٰ ہے۔

اسلام متوازن دین ہے۔ اسلام اعتدال سکھاتا ہے۔ اسلام غلو پسند نہیں کرتا۔ حضورؐ کا ہر عمل متوازن۔ معتدل اور غلو سے پاک تھا۔ حضورؐ قرآنی تعلیم کا نمونہ تھے۔

حضورؐ جو عمل جس طرح اختیار کر لیتے تھے پھر اُسے اُسی طرح کئے جاتے تھے۔ موسلا دھار بارش وہ اثر نہیں چھوڑتی جو مستقل تقاطر کا ہوتا ہے موسلا دھار بارش کا پانی بہہ جاتا ہے اور مستقل تقاطر پتھر میں گڑھا ڈال دیتا ہے۔ استقلال بڑی صفت ہے۔ استقلال سے کام بوجھ نہیں رہتا۔ طبیعت کا جزو بن جاتا ہے۔ انسان پھر اُس کے برعکس کام کر ہی نہیں سکتا۔

حضورؐ دن رات نمازیں نہیں پڑھتے تھے۔ بارہ مہینے روزے نہیں رکھتے تھے۔ لیکن جتنی عبادت کرتے تھے پابندی سے کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ حضورؐ رات کے ایک حصے میں نفل پڑھنے کے عادی تھے۔ اُن نفلوں کی مقررہ تعداد حضورؐ نے بیماری کی وجہ سے بھی کبھی ناغہ نہیں کی۔

حضورؐ کے ہر عمل میں استقلال تھا۔ ایک صحابی ہیں، حضرت جریر بن

Marfat.com

عبداللہؓ۔ انھیں حضورؐ جب دیکھتے تھے تو ازراہِ شفقت مسکرا دیتے تھے۔ اس مُسکراہٹ میں عمر بھر فرق نہیں آیا۔ حضورؐ کی حدیث ہے اِنَّ اَحَبَّ الْعَمَلِ اِلَی اللّٰہِ اَدْوَمُہٗ۔ اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل وہ ہے جسے پابندی سے کیا جائے۔ حضورؐ سونے جاگنے کے اوقات اور ملنے جُلنے کے انداز تک میں پابندی کرتے تھے۔ جس کام کے کرنے کا جو وقت مقرر کر لیا تھا وہ اُسی وقت کیا جاتا تھا۔

حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے دن کے تین حصے کر رکھے تھے۔ ایک حصہ خاص اللہ کے لئے تھا۔ ایک اللہ کے بندوں کے لئے اور ایک اپنی ذات کے لئے۔

سورۂ مزمّل کا نزول شروع ہونے کے بعد بارہ مہینے تک قیام لیل حضورؐ پر فرض ہو گیا تھا۔ سورۂ مزمّل کی باقی آیتیں جن سے قیام لیل میں تعدیل آئی اور فرض نفل سے بدلے، بارہ مہینے رُکی رہی تھیں۔ بارہ مہینے حضورؐ نے اس قدر شب بیداری کی اور اتنی نمازیں پڑھیں کہ پاؤں پر ورم آگیا۔ نفل قرار پانے کے بعد معمول یہ تھا کہ نمازِ عشا سے فراغت پا کر حضورؐ فوراً سو جاتے تھے۔ سوتے وقت قرآن مجید کی کوئی سورۃ ضرور تلاوت کرتے تھے۔ سونے لگتے تو کہتے اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی۔ یا اللہ! تیرا نام لے کر میں مرتا ہوں[1]

---

[1] سونا بھی ایک قسم کا مرنا ہے۔ النوم اخت الموت۔ نیند موت کی بہن ہے۔

Marfat.com

اور جیتا ہوں۔ جب جاگتے تو فرماتے الحمد للہ الذی احیانا بعد اذا ماتنا والیہ النشور۔ اُس اللہ کا شکر ہے جس نے موت کے بعد زندہ کیا۔ بالآخر تو اُسی کے پاس جانا ہے۔

سرہانے مسواک رکھی رہتی تھی اور وُضو کے لئے پانی موجود ہوتا تھا۔ اُٹھتے ہی مسواک سے دانت اور مسوڑھے صاف کرتے۔ پھر وضو کر کے نماز میں مشغول ہو جاتے۔ بستر ایسے رُخ بچھتا تھا کہ نماز بستر کے سرہانے کھڑے ہو کر پڑھتے تھے۔

داہنی کروٹ سے سونے کی عادت تھی اور سوتے میں دایاں ہاتھ رُخسار کے نیچے رہتا تھا۔

اپنے پھٹے کپڑے خود سی لیتے تھے۔ اپنے ٹوٹے جوتے خود گانٹھ لیتے تھے۔ دودھ بھی دوہ لیتے تھے۔

نماز فجر کے بعد جو نشست ہوتی تھی اُس میں لوگوں کو بولنے کی آزادی تھی۔ لوگ کوئی ہنسی کی بات کرتے تو حضور بھی مُسکرا دیتے تھے۔ لیکن نماز عشا کے بعد بات چیت نہیں کرتے تھے۔ نماز عشا کے بعد گھر میں آ کر بھی چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ عبادت شبانہ شب کے دوسرے حصہ میں کی جاتی تھی۔ نوافل اور فرضوں سے پہلے کی سنتیں عموماً گھر ہی میں پڑھی جاتی تھیں۔ فجر کی سنتوں میں دیر نہیں لگاتے تھے۔ فجر کے فرض طویل ہوتے تھے۔ اِن میں سو سو آیتیں

Marfat.com

تلاوت کر جاتے تھے۔ ظہر اور عصر کے فرضوں میں نسبتاً چھوٹی سورتیں تلاوت کرتے تھے۔ مغرب کے فرضوں میں سورۂ طور اور والمرسلات بہت پڑھتے تھے اور عشاء کے فرضوں میں والتین والزیتون اور اِس کے برابر کی سورتیں۔ جمعہ کی پہلی رکعت میں یسبح للّٰہ ما فی السمٰوٰت اور دوسری رکعت میں اِذا جاءک المنٰفقون اور عیدین کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں ھل اتاک حدیث الغاشیۃ۔

جمعہ کا خطبہ حضورؐ کا مختصر ہوتا تھا۔ حضورؐ فرمایا کرتے تھے کہ نماز کا طول اور خطبے کا اختصار انسان کی سمجھداری اور تفقہ کی دلیل ہے۔

جمعہ اور عیدین کے خطبوں کے وقت ہاتھ میں عصا ہوتا تھا۔ منبر پر بیٹھتے تھے تو عصا ہٹا دیتے تھے۔

میدانِ جہاد کا خطبہ کمان پر ٹیک لگا کر دیا جاتا تھا۔

سفر عموماً صبح شروع کیا کرتے تھے۔ فوجوں کی روانگی کے واسطے بھی صبح ہی کا وقت تھا۔ رکاب میں پیر ڈالتے تو بسم اللہ کہتے اور قرآن مجید کی وہ آیت پڑھتے جس میں اللہ کی اس عنایت کا ذکر ہے کہ اُس نے گھوڑے وغیرہ جانوروں کو انسان کا تابع فرمان بنا دیا ہے۔ سبحٰن الذی سخرلنا ھذا۔الخ یعنی قابل تسبیح وتہلیل ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے اِس

Marfat.com

جانور کو مسخر کر دیا ہے۔

سفر کے مصائب سے بچنے، سفر آسانی سے طے ہونے اور سفر میں اعمال پسندیدہ کرنے کی دعائیں مانگتے تھے اور بیوی بچوں کو اللہ کی حفاظت میں دیتے تھے۔

واپسی پر اوّل مسجد میں دو رکعت نماز پڑھتے اور نماز پڑھ کر گھر جاتے تھے۔

سفر میں تکبیر اور تسبیح و تہلیل اور دعاؤں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ کسی اونچائی پر چڑھتے تو۔ کسی نیچائی میں اُترتے تو۔ کسی آبادی میں داخل ہوتے تو۔

بیماروں کی عیادت حضورؐ ضرور فرماتے تھے۔ دوسروں کو بھی تاکید کیا کرتے تھے کہ عیادت ضرور کرنی چاہیئے۔ عیادت مسلمان کیلئے مثل فرض ہے۔

حضورؐ بیمار کو دلاسا دیتے۔ اُس کی صحت کی دعا کرتے۔ بیمار زبان سے مایوسی کا کلمہ نکالتا تو منغص ہو جاتے۔ مایوسی اور بدفالی کی باتیں حضورؐ پسند نہیں فرماتے تھے۔ عیادت میں مسلم و غیر مسلم کی قید نہیں تھی۔ حضورؐ غیر مسلموں کی عیادت بھی کرنے جاتے تھے۔

حضورؐ سلام میں سبقت کیا کرتے تھے۔ راستے میں خاموش چلتے تھے لیکن سلام کرتے جاتے تھے۔

مصافحے کے واسطے دوسرے کے ہاتھ بڑھانے کا انتظار نہیں ہوتا تھا تو ہاتھ بڑھا دیتے تھے۔ اور پھر ہاتھ نہیں چھڑاتے تھے جب تک دوسرا نہیں چھوڑتا تھا۔ ہاں یہ ہدایت تھی کہ جو صاحب حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوں وہ اند

Marfat.com

آنے کی اجازت بعد میں مانگیں۔ پہلے سلام علیکم کہیں۔ حضورؐ کسی کے ہاں جاتے تو وہاں حضورؐ اوّل سلام کرتے اور پھر پوچھتے کہ اندر آ سکتا ہوں یونہی گھروں میں گھسے نہیں چلے جاتے تھے اور اوروں کو بھی بتاتے تھے کہ سلام کرکے اور اجازت لے کر دوسرے کے گھر میں قدم رکھا کرو۔ اجازت مانگتے وقت اپنا نام بتایا کرو۔ صرف "میں ہوں" نہ کہا کرو۔

تین دفعہ دستک دینے کے باوجود جواب نہ ملتا تو حضورؐ واپس لوٹ جاتے تھے۔ دستک نہیں دیئے جاتے تھے۔

حضورؐ ہر شخص کی بات کامل یکسوئی کے ساتھ سنتے تھے۔ بات کرنے والا بات کر چکتا اور منہ ہٹا لیتا تب حضورؐ بھی دوسری طرف متوجہ ہوتے تھے۔

حضورؐ اپنے گھر میں بھی نمایاں ہو کر نہیں بیٹھتے تھے اور دوسروں کے ہاں بھی ممتاز جگہ بیٹھنا پسند نہیں فرماتے تھے۔

سب مل کر کام کرتے تو حضورؐ اُن کے ساتھ مساویانہ شریک رہتے تھے۔ یہ بھی حضورؐ کو ناپسند تھا کہ خود سوار ہوں اور ہمراہی پیدل چلیں۔

غزوۂ بدر میں سواریوں کی قلت تھی۔ طے پایا کہ تین تین آدمی باری باری ایک اونٹ کی سواری لیں۔ حضورؐ نے اپنے ساتھ بھی دو آدمیوں کو شریک کیا۔ اُنھوں نے جب اُن کی باری آئی تو اپنی باری چھوڑنی چاہی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تم مجھ سے زیادہ پیادہ پا نہیں چل سکتے۔ اور ثواب کا بھی میں تم سے کم حاجتمند

Marfat.com

نہیں ہوں۔ اللہ کو وہ بندہ بُرا لگتا ہے جو ہمراہیوں میں ممتاز بنتا ہے۔

حضورؐ اپنے کاموں کا اجر اللہ سے لینا چاہتے تھے۔ بندوں سے لینا نہیں چاہتے تھے۔

ایک دفعہ حضورؐ کے وضو کا پانی چند اصحاب نے زمین پر نہیں گرنے دیا۔ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور منہ پر مل لیا۔ حضورؐ نے پوچھا۔ یہ کیا کر رہے ہو۔ انھوں نے کہا۔ اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت حاصل کرنے کے لئے ہم یہ کر رہے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت حاصل کرنے کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ سچ بولا کرو۔ امین بنو۔ اور پڑوسیوں سے اچھا سلوک رکھو۔ اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت حاصل کرنے کا یہ طریقہ ہے۔

حضورؐ ہر کام سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے تھے۔ ہر کام دائیں ہاتھ دائیں پاؤں اور دائیں رُخ سے شروع فرماتے تھے۔ مثلاً کچھ تقسیم کرنا ہوتا تو دائیں ہاتھ اور دائیں رُخ سے تقسیم کرتے تھے۔ بلا لحاظ شخصیت[1]۔ یا مسجد میں جاتے تو پہلے دایاں پاؤں اندر رکھتے۔

کوئی مسلمانوں پر احسان کرتا اور وہ مدینے میں مہمان بن کر آتا تو اُس کی

---

[1] حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ میرے مکان میں تشریف فرما تھے۔ میں نے دودھ سامنے رکھا۔ حضورؐ کے دائیں جانب ایک بدوی بیٹھے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ بائیں جانب تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بالکل مقابل۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا اور بچا ہوا دودھ بدوی صحابی کی جانب بڑھا دیا۔

Marfat.com

مہمانداری کے کام حضورؐ خود انجام دیتے تھے۔ اوروں سے اُس کی خدمت نہیں کرلتے تھے۔

بُروں کو بُرا کہنے، حتیٰ کہ منافقوں کو منافق کہنے میں حضورؐ کو تامل ہوتا تھا۔ بُرا کہہ دینے کی بے دھڑک جراٴت حضورؐ کے نزدیک مستحسن نہیں تھی۔ کسی کی کوئی بات ناپسند ہوتی تھی تو اُسے اوّل تو حضورؐ برداشت کر لیتے تھے۔ یا چہرے پر اثر دیکھ کر ناپسندیدہ حرکت کرنے والا سمجھ جاتا تھا۔ یا دوسرے اُس کو سمجھا دیتے تھے۔ یا بعض اوقات حضورؐ دوسروں سے کہہ دیا کرتے تھے کہ فلاں شخص کو سمجھاؤ کہ ایسی حرکت نہ کیا کرے۔ بعض اوقات خود بھی سمجھایا ہے مگر اس طرح کہ غلط کار کی ذلت نہیں ہوئی۔ وقت ٹال کر عام خطاب کر دیا کہ فلاں حرکت نامناسب و ناشائستہ ہے۔

حضورؐ نے مدت العمر کسی سے بدزبانی نہیں کی۔ مدت العمر کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا۔

حضورؐ کسی سے کوئی چیز لیتے تھے تو اُس سے بہتر اُسے واپس کرتے تھے۔ فیاضِ طبعی کے سبب اکثر قرض لینا پڑتا تھا۔ حتیٰ کہ وفات کے وقت بھی حضورؐ کی زرہ رہن تھی۔ لیکن قرض کی ادائیگی کا اتنا خیال تھا کہ مقروض کے جنازے کی نماز جب پڑھاتے تھے جب اُس کا قرض ادا کر دیتے تھے۔ قرض دینے والا عموماً یہودی ہوتا تھا۔ یہودی قرض کے تقاضے کرتا اور مزاج دکھاتا

Marfat.com

تو فرماتے قرض خواہ کو ان باتوں کا حق ہے۔

ایک دفعہ کہا:۔ میں تین دن سے زیادہ روپیہ اپنے پاس نہیں روکتا۔ لیکن اگر میرے ذمے قرض ہوتا ہے تو اُس کی ادائیگی کے انتظار میں روپیہ تین دن سے زیادہ رکھے رہتا ہوں۔

ایک دفعہ فرمایا:۔ وہ بہترین انسان ہے جو خندہ پیشانی اور خوش معاملگی سے قرض ادا کر دیتا ہے۔

فیاضِ طبعی کا یہ حال تھا کہ نہیں کرنا جانتے ہی نہ تھے۔ مدد مانگنے والا خالی نہیں جاتا تھا۔ کچھ موجود نہ ہوتا اور قرض بھی نہ مل سکتا تو فرماتے کہ دوں گا فرق پھر آنا۔ انکار نہیں کرتے تھے۔ حضورؐ کا قول تھا۔ میں تو بانٹنے والا اور خزانچی ہوں۔ دینے والا اللہ ہے۔ اِنَّمَآ اَنَا قَاسِمٌ وَخَازِنٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ۔ (بخاری)

معمولی سی چیز بھی کھانے بیٹھتے تو تمام حاضرین کو ساتھ بٹھا لیتے تھے۔ بارہا ایسا ہوتا تھا کہ گھر میں کھانے کا جتنا سامان ہے دے دیا اور سارے گھر نے فاقہ کر لیا۔

فیاضی میں بھی مسلم و غیر مسلم کی قید نہیں تھی، سب فائدہ اُٹھاتے تھے۔ لیکن سوال رد نہ کرنے کے ساتھ ساتھ حضورؐ سوال کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھا پیٹھ پر لاد لائے اور اُسے بیچ کر پیٹ پالے تو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے۔ چنانچہ ایک

Marfat.com

دفعہ کسی نے حضورؐ سے سوال کیا تو حضورؐ نے پوچھا کیا تمھارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ اُنھوں نے جواب دیا۔ ایک چادر ہے جسے آدھا بچھاتا ہوں اور آدھا اوڑھتا ہوں۔ اور ایک پیالہ ہے۔ پانی پینے کے لئے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ دونوں چیزیں لے آؤ۔ وہ لے آئے تو حاضرین سے کہا۔ کتنے میں خریدتے ہو غرض دو درہم وصول ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ایک درہم کا کھانے پینے کا سامان گھر پہنچا دو اور ایک درہم کی رسّی خرید و اور جنگل سے لکڑیاں باندھ کر لاؤ اور اُنھیں بیچو۔

پندرہ دن بعد وہ صاحب پھر حاضر ہوئے اور بولے اب میرے پاس دس درہم ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا:۔ یہ اچھا ہے یا یہ اچھا تھا کہ قیامت کے دن اُٹھتے تو گدائی کا داغ چہرے پر لگا ہوتا۔

گدائی کے متعلق حضورؐ نے فرمایا ہے۔ سواد الوجہ فی الدارین۔ دنیا اور عقبےٰ میں موجب روسیاہی۔

حضورؐ جب کسی سے بیعت لیتے تھے تو اور باتوں کے ساتھ یہ بھی فرماتے تھے کہ لا تسئلوا الناس شیئاً۔ لوگوں کے آگے ہاتھ مت پھیلانا۔

حضرت حکیم بن حزامؓ سے ایک دفعہ فرمایا:۔ اے حکیم! استغنا میں برکت ہے اور حرص و طمع میں محرومی۔ حرص و طمع کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی کھائے چلا جائے اور اُس کا پیٹ کسی طرح نہ بھرے۔ یاد رکھو۔ دینے

Marfat.com

والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے افضل ہے۔

ایک دفعہ فرمایا:۔ جو شخص بغیر حقیقی مجبوری کے مانگ کر کھاتا ہے وہ حرام کھاتا ہے۔

حضورؐ نے اپنے اوپر اور اپنے اہل وعیال کے اوپر صدقہ وزکوٰۃ کو حرام قرار دیا ــــ حضورؐ کی آل تاقیام قیامت صدقہ وزکوٰۃ نہیں لے سکتی۔

حضورؐ ہدیہ قبول فرما لیتے تھے لیکن صدقہ وزکوٰۃ کی ایک کھجور بھی اپنے اہل وعیال کو نہیں کھانے دیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام حسنؓ نے صدقے کی کھجور کھائی تھی۔ حضورؐ نے انہیں ڈانٹا اور کھجور اُگلوا دی۔

ہدیوں اور تحفوں کے مبادلے کو حضورؐ نے ازدیاد محبّت کا ذریعہ بتایا ہے۔ تَھَادُوْا تَحَابُّوا۔ ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجو اور محبت کو بڑھاؤ۔

جن کے ہدیے اور تحفے حضورؐ قبول فرماتے تھے اُن کا بدلہ ضرور کرتے تھے۔ ایک دفعہ قیصر روم نے حضورؐ کی خدمت میں ایک پوستین بھیجی۔ حضورؐ نے اُسے پہن کر دیکھا اور پھر حضرت جعفر طیارؓ کو دے دیا اور کہا نجاشی (شاہِ حبش) کو بھیجدو۔[1]

---

[1] مسلمانوں نے حبش ہجرت کی ہے تو شاہ حبش نجاشی نے عیسائی ہوتے ہوئے اُنھیں امان دی تھی۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نجاشی کا یہ احسان ہمیشہ یاد رہا۔ حضرت جعفر طیارؓ کا نجاشی سے زیادہ سابقہ پڑا تھا۔ اس لئے اُن سے کہا گیا کہ پوستین تم بھیجو۔

Marfat.com

حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ جن کے ہاں، مدینے پہنچ کر، حضورؐ نے چھ مہینے قیام فرمایا تھا اُنھیں حضورؐ بہت تحفے بھیجا کرتے تھے۔ تحفے کا مطلب پوستین جیسی قیمتی چیزیں ہی نہیں ہے۔ جو بھی بھیجا جا سکتا تھا بھیج دیا جاتا تھا۔ حضورؐ اپنے اوپر کسی کا بوجھ نہیں رکھتے تھے۔

ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے سواری کے لئے اونٹ پیش کیا تھا حضورؐ نے اُس کی قیمت ادا کر دی۔ مدینے میں مسجد کے لئے زمین قیمت ادا کر کے لی۔

حضورؐ لوگوں کو اپنے سے اُچٹانے والے انسان نہیں تھے اور اشاعت اسلام کی خاطر تو تالیف قلوب کا بہت خیال رکھتے تھے۔ لیکن تالیفِ قلوب اپنی جگہ تھی اور عدل و انصاف اپنی جگہ۔

سارے عرب میں صرف طائف وہ خطّہ تھا جو فتح مکّہ کے بعد بھی سرکشی سے باز نہیں آرہا تھا۔ حضرت صخر رضؓ نے طائف کا محاصرہ کیا اور فتح کر لیا۔ اہل طائف حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے صخر نے ہمیں اب کیوں ستا رکھا ہے۔ اطاعت سے پہلے اُن کا جو رویّہ تھا وہ فلاں معاملے میں اطاعت کے بعد بھی باقی ہے۔ حضورؐ نے حضرت صخر سے جواب طلب فرمایا اور اُن کے خلاف فیصلہ دیا۔

حضورؐ کی امانت داری اور حضورؐ کا انصاف دو وصف ایسے ہیں

جن پر غیر مسلموں نے بھی کسی آن اُنگلی نہیں اُٹھائی۔ مکّے کے غیر مسلم شدید مخالفت کے زمانے میں بھی امانتیں حضورؐ ہی کے پاس رکھواتے تھے اور مدینے میں یہودی اپنے مقدمے حضورؐ کے پاس لاتے تھے۔

اُچاٹ نہ اُچاٹنے کے سلسلے میں ایک واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ اپنے محلّے میں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ کسی نے حضورؐ سے شکایت کی کہ معاذ لمبی سورتیں پڑھتے ہیں۔ حضورؐ نے اس شکایت کے سُننے کے بعد جو پہلا خُطبہ دیا اُس میں ارشاد فرمایا:۔ اماموں کو چاہئیے کہ لوگوں کو اُچٹائیں نہیں۔ مُقتدیوں میں بوڑھے بھی ہوتے ہیں۔ کم طاقت بھی۔ اور کام والے بھی۔ لہذا نمازوں کو طول نہ دیا جائے۔

حضورؐ سزائیں دینے کے شائق نہیں تھے۔ حضورؐ چاہتے تھے کہ لوگوں کو سزا کا خوف رہے اور لوگ جُرم نہ کریں۔ لیکن جُرم کا اظہار ہونے لگتا تھا تو حضورؐ چاہتے تھے کہ جُرم ڈھکا رہے تو اچھا ہے۔ خصوصاً جب کوئی خود آکر کہتا تھا کہ میں نے فلاں جُرم کیا ہے۔ مثلاً ایک صحابی سے زنا سرزد ہوگیا۔ کسی کو اُس کی خبر نہیں تھی۔ لیکن اُنھوں نے سوچا کہ آخرت کے عذاب سے یہیں کی سزا بھگت لی جائے۔ وہ آئے اور کہنے لگے۔ یا رسُول اللہ! میں زنا کا مُجرم ہوں۔ حضورؐ نے سُنی اَن سُنی کر دی اور دوسری طرف مُنھ پھیر لیا۔ وہ دوسری طرف جا بیٹھے اور پھر بولے۔ یا رسُول اللہ!

Marfat.com

مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوا ہے۔ حضورؐ نے پھر رخ بدل لیا۔ حضورؐ بار بار رُخ بدلتے تھے اور وہ بار بار اقرار گناہ کرتے تھے۔ آخر حضورؐ نے پوچھا۔ تم دیوانے تو نہیں ہو۔ اُنھوں نے عرض کیا۔ حضورؐ! میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے۔ حضورؐ نے پوچھا۔ تمھاری شادی ہو چکی ہے۔ اُنھوں نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ بیوی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تو غیر عورت کو تم نے فقط ہاتھ لگایا ہوگا۔ اُنھوں نے عرض کیا۔ نہیں میں زنا کا مرتکب ہوا ہوں۔ اِس کے بعد حد جاری کرنے کے سوا چارہ کیا تھا۔ حد جاری کر دی گئی۔

ایک دفعہ ایک صاحب نے صرف اتنا عرض کیا کہ مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا ہے۔ گناہ کا نام نہیں لیا۔ حضورؐ خاموش رہے۔ یہاں تک کہ نماز کا وقت آ پہنچا۔ نماز کے بعد اُن صاحب نے پھر اپنے گناہ کی طرف توجہ دلائی اور کہا مجھے سزا دیجئے۔ اتفاق سے گناہ کا نام اب بھی اُن کی زبان پر نہیں آیا۔ حضورؐ نے پوچھا۔ کیا تم نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ صاحب بولے۔ نماز پڑھ لی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تو جاؤ۔ غفورٌ رحیم نے تمھارا گناہ معاف کر دیا۔[1]

---

[1] حضورؐ کی پردہ پوشی اور درگزر کے ساتھ اس پر بھی غور کیجئے کہ حضورؐ نے صحابہ کی ذہنیت کیسی پاکیزہ بنا دی تھی۔ غلطی کر بیٹھتے تھے تو غلطی کی سزا کے خود طلبگار ہوتے تھے تاکہ اللہ کے ہاں پہنچیں تو پاک صاف پہنچیں۔ اُن کی توبہ کا کچھ ٹھکانا تھا۔

Marfat.com

ایک دفعہ ایک صاحب نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے روزے میں اپنی بیوی سے مجامعیت کر لی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ایک غلام آزاد کردو۔ اُنھوں نے عرض کیا۔ غلام میرے پاس نہیں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ دو مہینے مسلسل روزے رکھ لو۔ اُنھوں نے عرض کیا۔ ایک روزے میں تو یہ ہوا۔ دو مہینے کیسے ضبط کروں گا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اچھا ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلاؤ۔ اُنھوں نے عرض کیا۔ اس کی بھی مقدرت نہیں ہے۔ اتنے میں کسی نے کھجوروں کی ٹوکری حضورؐ کی خدمت میں پیش کی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ لو یہ لے جاؤ اور غریبوں میں بانٹ دو۔ اُنھوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھ سے بڑا غریب مدینے میں اور کون ہے۔ حضورؐ نے مسکرا کر[1] فرمایا۔ تو جاؤ اپنے گھر والوں کو کھلاؤ۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

تمھارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آیا۔ اُسے بہت شاق گزرتا ہے کہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچے۔ تمھاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے۔ اور اہلِ ایمان کے ساتھ تو وہ نہایت نرم اور مہربان ہے۔

لیکن نرمی اور مہربانی اُسی وقت تک کی جاتی تھی جب تک جرم ضابطے میں نہیں آجاتا تھا۔ ضابطے میں آجانے کے بعد اللہ کے حکم کی تعمیل قطعی

---

[1] حضور قہقہہ کبھی نہیں لگاتے تھے۔ بس مسکرا دیتے تھے۔

58627

Marfat.com

ہوتی تھی۔

ایک دفعہ ایک بڑی خاندانی عورت پر چوری کا جرم ثابت ہو گیا حضورؐ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ لوگ چاہتے تھے کہ حضورؐ سزا میں تخفیف کریں اور سفارشیں لاتے تھے۔ مگر حضورؐ نے فرمایا کہ حدود اللہ کی زد میں تو میری بیٹی فاطمہ بھی آ جاتی تو میں اُسے معاف نہ کرتا۔ قانون محض غُربا کے لئے نہیں ہے۔ اُمراء کے لئے بھی ہے۔ پچھلی اُمّتیں تباہ اسی وجہ سے ہو گئیں کہ غریبوں کو سزائیں دیتی تھیں اور امیروں سے درگزر کرتی تھیں

بحیثیت نبی اور مامور سزا دینا حضورؐ کا فرض تھا۔ مگر حضورؐ کی طبیعت کا یہ حال تھا کہ سزا دینے کے بعد روتے تھے۔

ایک دفعہ ایک شخص کو قتل کیا گیا۔ اُس کی بیٹی نوحہ کرتی حضورؐ کی خدمت میں پہنچ گئی۔ حضورؐ بھی رونے لگے۔ اور اپنے رونے کی نسبت فرمایا۔ یہ محمد ابن عبداللہ کا فعل ہے۔ اور وہ فعل (یعنی مُجرم کو قتل کرانا) محمد رسُول اللہ کا فعل تھا۔

حضورؐ جُرموں اور عیبوں کی ٹوہ لگانے یا جرموں اور عیبوں کے اُچھالنے کو قطعی پسند نہیں فرماتے تھے اور کوئی کسی کی زیادہ مدح کرتا تو اُسے بھی ٹوک دیتے تھے کہ ممدوح سُن لے گا تو اُس کا نفس موٹا ہو جائے گا۔ حضورؐ کی ہدایت تھی کہ مدح ہی کرنی ہو تو کہو میرا ایسا خیال ہے۔

Marfat.com

اپنی بابت بھی کہتے رہتے تھے کہ مجھے میرے درجے سے مت بڑھاؤ۔ میں بس اللہ کا بندہ اور اللہ کا فرستادہ ہوں۔ مجھے دوسرے انبیاء پر فضیلت نہ دو۔ میرے لئے وہ الفاظ نہ استعمال کرو جو اللہ تعالےٰ نے دوسرے انبیاء کے لئے استعمال کئے ہیں۔ مثلاً ایک دفعہ کسی نے یا خیر البریہ کہہ کر حضورؐ سے گفتگو شروع کی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ خیر البریہ ابراہیم علیہ السلام تھے۔

ایک دفعہ ایک صاحب کی زبان سے نکل گیا۔ "جو اللہ چاہے اور جو اللہ کا رسُول چاہے۔ حضورؐ نے کہا۔ تم نے مجھے اللہ کا ہمسر بنا دیا صرف اللہ کا نام لو۔ کہو جو اللہ چاہے۔

حضورؐ ایک دفعہ کسی شادی کے گھر میں پہنچے تو وہاں لڑکیاں گیت گا رہی تھیں۔ حضورؐ کو دیکھ کر انھوں نے گانا شروع کیا۔ فینا رسول یعلم مافی غداً۔ ہم میں وہ رسُول تشریف فرما ہیں جو مستقبل کا حال جانتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ یہ کیا گانے لگیں۔ وہی گئے جاؤ جو گا رہی تھیں۔

حضورؐ صحابہ کی اِس نوعیت کی باتیں بطیب خاطر سُنتے تھے کہ اللہ کا حکم ہے تو خیر ورنہ آپ کی رائے سے ہمیں اختلاف ہے۔ حضورؐ نے بارہا اپنی رائے کے مقابلے میں دوسروں کی رائے مان بھی لی ہے۔ یا اپنی رائے کو سمجھا دیا ہے۔

Marfat.com

مرد ہی نہیں عورتیں اختلاف کرتی تھیں۔ حضورؐ نے سب کو اظہارِ اختلاف کی آزادی دے رکھی تھی۔

کسی صاحب کی کچھ کھجوریں حضورؐ پر قرض تھیں۔ حضورؐ نے وہ قرض ادا کیا تو اُن صاحب نے کہا۔ یہ ویسی کھجوریں نہیں ہیں جیسی میری تھیں۔ یہ گھٹیا کھجوریں ہیں۔ میں اچھی کھجوریں لوں گا۔ حاضرین نے اُنھیں متنبّہ کیا کہ تمھارے مخاطب رسُول اللہ ہیں۔ رسُول اللہ سے ایسی باتیں کرتے ہو۔ اُنھوں نے جواب دیا۔ رسُول اللہ عدل نہیں کریں گے تو پھر اور کون عدل کرے گا۔ میں عدل طلب کر رہا ہوں۔ حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ فرمایا۔ یہ سچ کہتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے حضورؐ کو عزم و استقلال کا پیکر بنایا تھا۔ قرآن مجید میں تمام انبیائے کبار کے لئے اولوالعزم من الرسل کہا گیا ہے۔ حضورؐ اس وصف کے کامل مظہر تھے۔

مکّے کا یاس انگیز دور تھا۔ متواتر ناکامیابیوں سے متاثر ہو کر صحابہ کی زبان پر کچھ مایوسانہ الفاظ آگئے۔ حضورؐ کا چہرہ غُصّے کے مارے سُرخ ہو گیا۔ فرمایا:۔ کیا کہتے ہو۔ تم سے قبل مُسلمان آروں سے چیرے جا چکے ہیں۔ اُن کی کھالیں نوچی جاتی تھیں۔ واللہ اسلام ایک دن کامیاب ہو گا۔ صنعا اور حضرموت کے درمیان کا سا خطرناک راستہ اکیلا انسان طے

Marfat.com

کرے گا اور اُسے خشیتہ اللہ کے سوا کسی نوع کا کھٹکا نہیں رہے گا۔

غزوۂ اُحد میں حضورؐ نے صحابہ سے مشورۃً پوچھا کہ حملہ کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ صحابہ نے رائے دی کہ حملہ کیا جائے۔ لیکن حضورؐ جب زرہ پہن کر تیّار ہوگئے تو صحابہ کی رائے ہوئی کہ ابھی حملے کا موقع نہیں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ نبی زرہ پہن کر اُتارا نہیں کرتا۔ اب حملہ ہوگا۔

حضورؐ نے بُزدلی کبھی نہیں دکھائی۔ بُزدلی اور عزم و استقلال کا تو بیر ہے۔ عزم و استقلال شجاع اور راست گفتار انسان ہی میں ہوا کرتا ہے۔

حضورؐ ایفائے عہد کے سخت پابند تھے۔ نبوّت سے قبل کا واقعہ ہے کہ ایک صاحب سے حضورؐ نے کہہ دیا کہ تم گھر ہو آؤ۔ میں یہاں تمہارا انتظار کرتا ہوں۔ وہ گھر جا کر ایسے پھنسے کہ تین دن میں پلٹے۔ دیکھا کہ حضورؐ موجود ہیں۔

حضرت ابورافعؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ کفّار مکّہ کے سفیر بن کر آئے تھے مگر مدینے میں حضورؐ سے اتنے متاثر ہوئے کہ اسلام قبول کر لیا۔ اور کہا۔ اب میں مکّے واپس نہیں جاؤں گا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ سفیر کو واپس ضرور جانا چاہیئے۔ وہاں پہنچ کر تمہارے دل کی یہی حالت رہے تو پھر آجانا۔ چنانچہ حضرت ابورافعؓ واپس گئے اور دوبارہ تشریف لائے۔

کفّار کے ساتھ عجیب و غریب برتاؤ تھا۔ وہ آتے تھے تو اُن کی مہمان داری بھی اس طرح کی جاتی تھی جس طرح دوستوں کی کرتے ہیں۔ وہ جان جان کر

Marfat.com

اتنا کھا جاتے تھے کہ حضورؐ کو اور حضورؐ کے اہل و عیال کو فاقہ کرنا پڑتا تھا۔ لیکن حضورؐ اُن کی خاطر تواضع نہیں چھوڑتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ مُسلمان نہیں ہوئی تھیں اور حضرت ابوہریرہؓ کے گھر میں بیٹھ کر حضرت ابوہریرہؓ کے مُنھ در مُنھ حضورؐ کو گالیاں کوسنے دیتی رہتی تھیں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے حضورؐ سے اس کا ذکر کیا۔ حضورؐ نے بجائے اظہار ملال کے ہاتھ اُٹھا کر دُعا فرمائی کہ یا اللہ! ابوہریرہؓ کی ماں کو ہدایت دیجیے۔ چنانچہ دُعا قبول ہوئی۔ حضرت ابوہریرہؓ گھر لوٹے تو والدہ مسلمان ہونے کے لئے غسل کر رہی تھیں۔

اہلِ طائف کے لئے صحابہ نے بد دُعا کی درخواست کی۔ حضورؐ نے دُعا فرمائی۔ الٰہی اہل طائف کو مُسلمان کر دے۔ انھیں دوست بنا کر مدینے لا۔ چنانچہ وہ مدینے آکر مُسلمان ہوئے۔

صحابہ نے عرض کیا۔ اور صحابہ نے کیا، خاص قبیلہ دوس کے سردار حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ نے عرض کیا کہ میرے قبیلے کی سرکشی حد سے بڑھ گئی ہے۔ آپ اُس کے حق میں بد دعا کیجئے۔ حضورؐ نے ہاتھ اُٹھائے اور کہا۔ اللھم اھد دوسًا وائت بھم۔ الٰہی! قبیلہ دوس کی آنکھیں کھول اور اُنھیں یہاں لا۔

حضورؐ کا قول تھا کہ میں رحمت بن کر آیا ہوں۔ بد دعائیں دینے نہیں آیا ہوں۔

Marfat.com

کفّار سے بدتر منافقین تھے۔ حضورؐ اُن تک سے اخلاق برتتے تھے اور اُن کی غلطیاں نظر انداز کر دیتے تھے۔ عبداللہ بن ابی جیسے منافق کی بابت ایک دفعہ فرمایا کہ یہ بہر حال کہلاتا تو مسلمان ہے۔ اِسے گزند پہنچاؤں گا تو ناواقف لوگ سمجھیں گے کہ اپنوں کے ساتھ محمدؐ کا بُرا سلوک ہے۔

عبداللہ بن ابی نے حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ کو اُس وقت جبکہ حضرت عباس مُسلمان نہیں تھے ایک کرتہ دیا تھا۔ عبداللہ بن ابی مرا تو حضورؐ نے مسلمانوں کے روکنے کے باوجود اُسے اپنا کرتہ پہنوا کر دفن کرایا۔

جنازہ جس کا بھی سامنے سے گزرتا حضورؐ کھڑے ہو جاتے تھے۔ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ کافر ہے۔ کافر کی تعظیم کیوں کروں۔

یہود و نصاریٰ کے ساتھ تو مسلمانوں کو کھانے پینے اور رشتے جوڑنے کی آج بھی اجازت ہے۔ کافر جو محض کافر نہیں تھے۔ مار ڈالنے کی فکر میں تھے، حضورؐ نے انھیں معاف فرما دیا۔

جس رات حضورؐ مکّے سے مدینے چلے ہیں اُس کی صُبح کا پروگرام کفّارِ مکّہ نے یہ طے کر رکھا تھا کہ حضورؐ باہر نکلیں تو دھاوا بول دو۔ ہر قبیلے میں سے ایک ایک نمائندہ چُن لیا گیا تھا تاکہ حملہ کسی ایک قبیلے کا نہ خیال کیا جائے اور حضورؐ کا قبیلہ بدلہ لینا چاہے تو اتنے قبیلوں سے

Marfat.com

بدلہ نہ لے سکے - یہ نمایندے جو ساری رات حضورؐ کے مکان کو گھیرے رہے تھے اور صبح حضورؐ کے برآمد ہونے کے منتظر تھے فتح مکّہ کے وقت اُن کی جان حضورؐ کے قبضے میں تھی - لیکن اُن میں سے ایک نے بھی اُس جرم کی سزا نہیں پائی - دوسرے قصوروں کی طرح یہ قصور بھی معاف کر دیا گیا -

سراقہ بن جعشم نے حضورؐ کا تعاقب کیا تھا اور راستے میں پکڑ لیا تھا - اللہ کی قدرت ہی تھی کہ حضورؐ اُس کے ہاتھ سے بچ گئے - لیکن سراقہ سے بھی فتح مکّہ کے بعد ایک لفظ نہیں کہا گیا -

رواداری اور عفو و درگزر کے یہ واقعات قوت و اقتدار کے زمانے کے ہیں لاچاری اور بے بسی کے زمانے کا میں نے ابھی تک ایک واقعہ نہیں لکھا ہے[ل] - اور شاید آگے بھی نہ لکھوں - زمانہ قوت و اقتدار ہی کے واقعات درگزر و عفو اس مختصر کتاب میں نہیں سما سکتے - بے شمار واقعات ہیں -

---

ل حضورؐ کی سادگی اور فروتنی کے متعلق بھی غلط فہمی میں نہ پڑیئے گا - حضورؐ کی سادگی اور فروتنی کسی زبوں حال کی سادگی و فروتنی نہیں تھی - ایک سلطنت کے بادشاہ اور لاکھوں قلوب کے حاکم کی سادگی و فروتنی تھی ؎ گدا اگر تواضع کند خوئے اوست - گدا کی سادگی اور فروتنی کون سی قابل تعریف چیز اور قابل ذکر بات ہو -

فاقے بھی حضورؐ نے مکّے میں نہیں کئے تھے - مدینے میں کئے تھے - وفات کے وقت جبکہ مسلمانوں پر روپے کا مینہ برس رہا تھا حضورؐ کے ہاں کچھ نہیں تھا - حضورؐ دوسروں کو کھلاتے تھے - اپنے کھانے کی پرواہ نہیں کرتے تھے ـــــ وفات کے وقت اسلام ایک طرف یمن، بحرین،

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۰ پر)

خیبر میں ایک یہودی عورت نے حضورؐ کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملوا دیا۔ حضورؐ نے نوالہ مُنہ میں رکھتے ہی محسوس کر لیا کہ زہر ہے۔ کھانا نہیں کھایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹) یمامہ اور عمان تک چھا چکا تھا اور دوسری طرف عراق و شام تک لیکن حضورؐ نے جن کپڑوں میں وفات پائی اُن میں پیوند ہی پیوند تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ حضورؐ نے آخر وقت تک تہہ کیا ہوا کپڑا نہیں پہنا۔ لا یطوی لہٗ ثوبٌ۔ تہہ کرنے کی نوبت جب آتی جب کم از کم دو جوڑے ہوتے۔ ایک جوڑا تھا۔ اُسے دھوتے تھے اور پہن لیتے تھے ـــــ حضرت عائشہؓ ہی کی یہ بھی روایت ہے کہ مدینے پہنچکر وفات تک حضورؐ نے کبھی متواتر دو وقت پیٹ نہیں بھرا۔ حضورؐ نے اپنے واسطے جو معمولی سی رقم مقرر کر رکھی تھی، اُس سے زیادہ کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ اور معمولی سی رقم پر بھی حضورؐ اپنا حق نہیں سمجھتے تھے۔ اُسے اہلِ حاجت لے جاتے تھے۔

حضورؐ کی سادگی و فروتنی اور حضورؐ کا فقر و فاقہ رہبانیت بھی نہیں ہے۔ ایک دفعہ دو صحابی حاضرِ خدمت ہوئے اور بولے۔ ہم میں سے ایک نے نکاح نہ کرنے کا عہد کیا ہے اور دوسرے نے ترکِ حیوانات کا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ یہ میرا عمل نہیں ہے۔ ہر دو صحابیوں نے اپنے عہد سے توبہ کی۔ ایک صحابی کوئی سال بھر بعد دکھائی دیئے۔ اُن کی صُورت اس قدر بدل گئی تھی کہ حضورؐ کو نام دریافت کرنا پڑا۔ حضورؐ نے کہا۔ تمہاری صورت تو بھلی چنگی تھی۔ بگڑ کیوں گئی۔ اُنھوں نے عرض کیا۔ مسلسل روزے رکھ رہا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اپنی جان پر مصیبت ڈالنا کس خدا نے بتایا ہے۔

ایک اور صحابی سے جو غار میں بیٹھ کر باقی عمر گزارنی چاہتے تھے فرمایا:۔ یہ مسخ شدہ یہودیت و نصرانیت ہے۔ میں تو آسان اور سہل دین لایا ہوں۔

Marfat.com

لیکن زہر کھلانے والی سے اپنا انتقام نہیں لیا۔

حضورؐ کے پاس کفار کی تمام زیادتیوں کا ایک ہی جواب تھا۔ اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔ الٰہی! انھیں ہدایت دے۔ یہ جو کچھ کرتے ہیں بے خبری میں کرتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ کو جن لوگوں نے متّہم کیا تھا، اُن میں ایک صاحب حضرت ابوبکرؓ کے پروردہ بھی تھے۔ اُن کی حضرت ابوبکرؓ اُس زمانے تک کفالت کر رہے تھے جس زمانے میں وہ بُہتان باندھا گیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُن صاحب کی کفالت سے ہاتھ اُٹھا لیا۔ مگر جب اللہ تعالےٰ نے وحی بھیجی اور معاملہ صاف ہو گیا اور اتّہام لگانے والوں نے بھی معذرت کی تو اللہ اور اللہ کے رسُول نے اُنھیں معاف فرما دیا اور حضرت ابوبکرؓ کو حکم کیا کہ جس کی کفالت کرتے تھے اُس کی کفالت جاری رکھیں۔

حضرت زینبؓ، حضورؐ کی بیٹی، مکّے سے مدینے ہجرت کرنے لگیں تو ہبّار بن اسود نے اُن پر حملہ کیا اور اُنھیں اونٹ پر سے گرا دیا۔ حضرت زینبؓ حاملہ تھیں۔ حمل ساقط ہو گیا۔ فتح مکّہ کے بعد ہبّار پہلے تو چھپتا پھرا۔ لیکن جب کہیں پناہ نہ ملی تو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ کا ذاتی گناہگار ہوں اور بہت شرمسار ہوں۔ اتنی زیادتی کی ہے کہ معافی مانگنے کی ہمّت نہیں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ جاؤ معاف کیا۔

Marfat.com

قریشِ مکّہ حضورؐ کو جب گالیاں دیتے تھے تو محمدؐ کی بجائے مذمّم نام لیتے تھے۔ محمدؐ کے معنی ہیں تعریف کیا گیا اور مذمّم کے معنی ہیں مذمت کیا گیا۔ حضورؐ صحابہ سے فرماتے۔ دیکھو اللہ نے مجھے گالیوں سے کیسا بچا لیا۔ میں تو محمدؐ ہوں اور یہ مذمّم کو گالیاں دے رہے ہیں۔

مکّے میں غلّہ یمامہ سے آتا تھا۔ یمامہ کے سردار قبیلہ بنو حنیفہ ثمامہ بن آثال مُسلمان ہوئے تو اہلِ مکّہ نے اُنھیں طعنہ دیا۔ وہ بگڑ گئے اور اُنھوں نے یمامہ میں ڈونڈی پٹوا دی کہ مکّے غلّہ کوئی نہ بھیجے۔ مکّہ چیخ اُٹھا۔ یہ اُس ظلم کے انتقام کا اچھا موقع تھا جو کفّارِ مکّہ نے حضورؐ پر اور حضورؐ کے پُورے خاندان پر شعب ابی طالب میں مُسلسل تین سال محصور رکھ کر کیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھوک کی وجہ سے بلکتے تھے اور ظالم کفّارِ مکّہ اُن کا تماشہ دیکھتے تھے اور کھانے پینے کی کوئی شے شعب ابی طالب میں نہیں جانے دیتے تھے۔ تین سال حضورؐ نے اور حضورؐ کے خاندان نے درختوں کے پتّے اور سوکھے چمڑے کھا کھا کر گزارے۔ لیکن جب وہی ظالم حضورؐ کی خدمت میں سفارش کی درخواست لے کر حاضر ہوئے تو حضورؐ نے ثمامہ کو کہلا بھیجا کہ کسی کا رزق مت روکو۔ اور غلّہ مکّے پہنچنے لگا۔

عفو و درگزر کا ایک واقعہ بے حد عجیب و غریب ہی۔ حضورؐ فتح مکّہ سے قبل مکّے جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ حضرت حاطب بن بلتعہ رضؓ میں کچھ نفسانیت آ گئی

اُنھوں نے اپنے مکّی رشتہ داروں کا خیال کر کے مکّے اطلاع دے دی کہ حملہ ہونے والا ہے۔ ہوشیار رہنا۔ خط لکھا اور ایک عورت کے ہاتھ روانہ کیا۔ یہ بڑی خطرناک بات تھی۔ حضورؐ کو خبر لگ گئی۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ سے فرمایا۔ تم تعاقب کرو۔ عورت مکّے پہنچنے نہ پائے۔ عورت گرفتار ہو کر آئی تو حاطب بن بلتعہ بلائے گئے۔ وہ جھوٹ نہیں بولے اور معذرت خواہ ہوئے۔ ایسے قصور معاف نہیں کئے جاتے ہیں۔ لیکن حضورؐ نے معاف کر دیا اور کہا یہ غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ عورت سے بھی تعرض نہیں کیا۔

یہ واقعہ بھی معمولی نہیں ہے کہ فتح مکّہ کے موقع پر حضرت عباس ابوسفیان کو لے کر آئے۔ ابوسفیان وہ بزرگ ہیں کہ ہجرت کے بعد اہل مکّہ نے حضورؐ کو جتنا ستایا اور حضورؐ سے جتنی لڑائیاں لڑیں اُن میں ابوسفیان کا ہاتھ تھا۔ حضرت عمرؓ ابوسفیان کو قتل کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن حضورؐ نے روکا اور فرمایا کہ ابوسفیان ہی کا نہیں جو مُجرم ابوسفیان کے گھر میں پہنچ جائے اُس کا قصور معاف ہے۔

عفو و درگزر کے واقعات حدِ شمار سے باہر ہیں۔ سب کے اندراج کی گنجائش نہیں ہے۔ دوسرے اخلاق۔ عادات اور معمولات کی مثالیں بھی میں جستہ جستہ ہی دے رہا ہوں۔ سب اس مختصر مضمون میں کہاں سما سکتی ہیں۔

Marfat.com

حضورؐ کی مجلس سراپا سنجیدگی اور متانت ہوتی تھی۔ حضورؐ بولتے تھے تو حاضرین اتنی توجہ سے سنتے تھے کہ ہلتے جلتے نہیں تھے۔ لیکن سنجیدگی اور متانت سے مراد خشکی اور افسردگی نہ لیجیے گا۔

ایک دفعہ حضورؐ صحابہ کے ساتھ بیٹھے کھجوریں کھا رہے تھے۔ حضرت علیؓ برابر تشریف فرما تھے۔ حضرت علیؓ کھجوریں کھاتے جاتے تھے اور گٹھلیاں حضورؐ کی گٹھلیوں میں ملاتے جاتے تھے۔ جب کھجوریں کھائی جا چکیں تو حضرت علیؓ نے کہا۔ بتاؤ کھجوریں کس نے زیادہ کھائی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ذرا یہ بھی دیکھنا کہ گٹھلیوں سمیت کھجوریں کون کھا گیا۔

ایک دفعہ ایک ضعیف العمر صحابیہ حاضرِ خدمت ہوئیں اور کہنے لگیں۔ میرے لئے دعائے مغفرت کیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ بڑھیا کوئی جنّت میں نہیں جا سکتی۔ وہ گھبرائیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ بڑھیائیں بھی جوان ہو کر جنّت میں جائیں گی۔ اُن کا شباب عود کر آئے گا۔

حضورؐ امیر اور غریب میں فرق نہیں کرتے تھے۔ صرف ایک دفعہ اس خیال سے کہ امرا کی تتبع کی جاتی ہے۔ جو امیر مسلمان ہوگا اپنے ساتھ بہت سے غریبوں کو کھینچ لائے گا حضورؐ نے امرا کی طرف توجہ رکھی تھی اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ کی طرف توجہ نہیں کی تھی تو اللہ تعالےٰ نے اس پر تنبیہ فرمائی اور وحی بھیجی کہ عَبَسَ وَتَوَلّٰی۔ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی

Marfat.com

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّكْرَىٰ - أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّىٰ - وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّىٰ - وَأَمَّا مَن جَاءَكَ يَسْعَىٰ وَهُوَ يَخْشَىٰ فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ - كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ - رسول نے تیوری چڑھالی اور رُخ پھیر لیا - اس لئے کہ ایک اندھا (محتاج) آدمی اُن کے پاس آیا تھا - (اے رسول) تمھیں کیا معلوم کہ تمھاری باتوں سے وہ پاک ہو جاتا یا نصیحت حاصل کرتا تو نصیحت سے فائدہ اُٹھاتا - لیکن تم اُس کی طرف متوجہ رہے جو بے پرواہی برتتا ہے - تمھارا کیا بگڑتا ہے اگر کوئی (بے پرواہی برتنے والا) پاک نہ بنے - مگر جو دوڑا دوڑا آتا ہے وہ (کھلی بات ہے کہ) اللہ سے ڈرتا ہے - (تب ہی تو آتا ہے) اور تم اسی سے بے اعتنائی کرتے ہو - یہ ہرگز مناسب نہیں ہے - یہ عام نصیحت ہے، جو چاہے اِسے قبول کرے -

ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت سلمانؓ اور حضرت بلالؓ کو کسی بات پر ڈانٹا - حضورؐ نے اِس کی خبر سُنی تو حضرت ابو بکرؓ سے پوچھا - وہ آزردہ تو نہیں ہو گئے - حضرت ابو بکرؓ فوراً حضرت سلمانؓ اور حضرت بلالؓ کے پاس پہنچے اور اس وقت تک اطمینان سے نہیں بیٹھے جب تک دونوں کا دل صاف نہ کر لیا - دونوں سے معافی مانگی - اور دونوں نے معافی دی -

Marfat.com

ایک بہت غریب صحابی مسجد میں جھاڑو دینے پر متعیّن تھے۔ اُن کا انتقال ہوگیا۔ لوگوں نے حضورؐ کو اطلاع نہیں دی۔ عرصے کے بعد حضورؐ نے خود پوچھا۔ وہ صاحب کہاں ہیں۔ دکھائی نہیں دیتے۔ عرض کیا گیا کہ وفات پاگئے۔ کہا۔ مجھے کیوں اطلاع نہیں کی۔ لوگوں نے اِس طرح جواب دیا جیسے کہتے ہیں کہ معمولی آدمی تھے۔ کیا اطلاع کرتے۔ حضورؐ نے اُن کی قبر کا پتہ دریافت فرمایا اور قبر پر جاکر نمازِ جنازہ پڑھی۔

بچّوں پر حضورؐ خاص طور سے شفقت فرماتے تھے۔ حضورؐ کہیں باہر سے تشریف لاتے اور سواری پر سوار ہوتے تو راستے میں جو بچّے مل جاتے اُنھیں اپنے ساتھ آگے پیچھے بٹھا لیتے تھے۔ راستہ چلتے بچّوں کو خود سلام کرتے تھے۔

حضورؐ کی مُہرِ نبوّت پشتِ مُبارک پر اُبھری ہوئی تھی۔ بچّے غیر معمولی شے سمجھ کر اُس سے کھیلنے لگتے تھے۔ حضورؐ کھیلنے دیتے۔ بچّوں کے ماں باپ بچّوں کو روکتے تو کہتے۔ روکو نہیں۔ کھیلنے دو۔

ایک غزوے میں چند بچّے جھپیٹ میں آکر مر گئے۔ حضورؐ نے اُن کا بڑا غم کیا۔ کسی صحابی نے کہا۔ وہ مشرکوں کے بچّے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ بچّے مشرکوں کے بھی تم سے بہتر ہیں۔ خبردار بچّوں کو قتل مت کرنا۔ خبردار بچّوں کو قتل مت کرنا۔ دو دفعہ فرمایا۔ پھر کہا ہر بچّہ اللہ کی فطرت پر

Marfat.com

پیدا کیا جاتا ہے۔

حضورؐ کسی ماں کو دیکھتے کہ اپنے بچّے سے محبت کر رہی ہے تو بہت متاثر ہوتے۔ ماؤں اور بچّوں کی محبت کے قصّے سُنتے تو فرماتے:۔ جسے اللہ اولاد کی محبت دے اور وہ اولاد کا حق بجا لائے وہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہے گا۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے ایک دفعہ فرمایا۔ نماز کے وقت مقتدی عورتوں میں سے کسی کا بچّہ روتا ہے تو میں نماز مختصر کر دیتا ہوں تاکہ بچّے کی ماں بے چین نہ ہو۔

بچّوں سے چُہل کی باتیں کرتے تھے۔ ام خالد چھوٹی سی تھیں ایک دفعہ وہ سُرخ رنگ کا کرتہ پہنے نظر آئیں۔ اُن سے فرمایا۔ سنہ سنہ۔ حبشی زبان میں سنہ کے معنی ہیں خوشنما۔ حضرت ام خالدؓ کی پیدائش اتفاق سے حبش کی تھی اور اُن کا کچھ وقت وہاں گزرا تھا۔ اِس مناسبت سے حضورؐ نے حبشی زبان کا لفظ استعمال کیا۔

کوئی شخص فصل کا میوہ نذر کرتا تو حضورؐ حاضرین میں سب سے پہلے بچّوں کو بانٹتے تھے۔

ایک دفعہ حضورؐ بچّوں سے پیار محبت کا اظہار کر رہے تھے۔ کسی کی زبان سے نکلا۔ میرے دس بچّے ہیں۔ میں تو اپنے بچّوں کو بھی نہیں

Marfat.com

چومتا چاٹتا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تمھارے دل سے اللہ محبت سلب کرلے تو میں کیا کرسکتا ہوں۔

عورتوں کو تو حضورؐ نے انسانیت کا مرتبہ عطا فرمایا ہے اور مردوں کے برابر لا بٹھایا ہے۔ اسلام سے پہلے خیال کیا جاتا تھا کہ عورتیں بے روح ہوتی ہیں۔ اُنھیں مولیشیوں سے بدتر حالت میں رکھا جاتا تھا۔ وہ بچپن میں باپ دادا کی کنیز بنتی تھیں۔ جوانی میں شوہر کی۔ اور بڑھاپے میں بیٹوں کی۔ بیٹیوں کی پیدائش ناگوار گزرا کرتی تھی۔ اُنھیں زندہ دفن کردیا جاتا تھا۔ زندہ رہتی تھیں تو جائداد کی طرح ورثے میں تقسیم کی جاتی تھیں۔ سوتیلے بیٹے باپ کے مرنے کے بعد سوتیلی ماؤں سے تعلق زن و شو کرلیتے تھے۔

حضورؐ نے جس طرح ارشاد و احکام سے عورتوں کے حقوق قایم کئے اور عورتوں کی منزلت بڑھائی اُسی طرح عملی برتاؤ بھی حضورؐ کا عورتوں کے ساتھ ایسا تھا کہ لوگ اُسے دیکھ کر اپنا پچھلا طریقہ عورتوں کے معاملے میں دوبارہ اختیار نہیں کرسکتے تھے۔

حضرت اسماؓ بنت عمیس ایک صحابیہ ہیں۔ جب مسلمانوں نے حبش ہجرت کی ہے تو وہ بھی حبش گئی تھیں اور مدینہ منورہ فتح خیبر کے بعد پہنچی تھیں ایک دن حضرت عمرؓ اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ (ام المومنین) کے ہاں بیٹھے تھے کہ حضرت اسماؓ بنت عمیس آگئیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ

Marfat.com

سے پوچھا یہ کون ہیں۔ اُنھوں نے نام بتایا۔ حضرت عمرؓ بولے۔ وہ حبش والی۔ حضرت اسماؓ نے کہا۔ جی، میں وہی ہوں۔ حضرت عمرؓ نے ازراہ تفاخر فرمایا۔ ہم نے تم لوگوں سے پہلے ہجرت کی ہے۔ حضرت اسماؓ کو یہ فقرہ ناگوار گزرا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حضورؐ تشریف لائے۔ حضرت اسماؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! عمرؓ نے اس وقت یہ بات کہی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تم نے کیا جواب دیا۔ تم کہو کہ عمر تم نے اور تمھارے ساتھیوں نے ایک ہجرت کی ہے اور میں نے اور میرے ساتھیوں نے دو ہجرتیں کی ہیں۔

حضورؐ نے مویشیوں تک کو بہت سی مصیبتوں سے چھڑا دیا۔ عرب اونٹ کے گلے میں قلاوہ لٹکایا کرتے تھے۔ حضورؐ نے منع کیا کہ خواہ مخواہ ایک جاندار کو تکلیف میں ڈالتے ہو۔ زندہ دنبے کی چکتی کاٹ لیتے تھے۔ اُسے روکا۔ دُم اور ایال کاٹنے کی بھی ممانعت فرمائی۔ کہا۔ دُم ــــــ جانور کا مورچھل ہے اور ایال لحاف ــــــ جانوروں کو ساز پہنائے رکھنے کی ممانعت کی۔ نیز فرمایا جانوروں کو اپنی کرسی اور نشست گاہ نہ بناؤ۔ یعنی اُن پر ہر وقت چڑھے نہ بیٹھے رہا کرو۔

عرب جانوروں کو باندھ کر اُن پر نشانہ بازی کیا کرتے تھے۔ اسے ناجائز قرار دیا۔ جانوروں کو لڑانا بھی ناجائز بتایا۔

ایک دفعہ ایک گدھا حضورؐ کے سامنے سے گزرا جس کا چہرہ کسی

Marfat.com

نے داغ رکھا تھا۔ حضورؐ نے اس حرکت کی سخت مذمت فرمائی۔ اور کہا علامت کے واسطے داغنا ہو تو نازک اعضا نہ داغے جائیں۔ بُری طرح داغنے پر اللہ کی لعنت برستی ہے۔

ایک دفعہ کسی نے چڑیا کا انڈا اُٹھا لیا۔ چڑیا بے قرار ہو گئی۔ حضورؐ نے حکم دیا کہ انڈا چڑیا کو واپس پہنچاؤ۔

ایک صحابی جنگل میں سے کچھ پرند پکڑ لائے اور بیان کیا کہ میں نے انھیں پکڑا تو ان کی ماں دیر تک میرے سر پر منڈلاتی رہی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ واپس جاؤ اور پرندوں کو ان کی جگہ چھوڑ آؤ۔

حضورؐ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ جانوروں کے معاملے میں بھی اللہ سے ڈرنا چاہئے۔ اللہ کا ارشاد ہے وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ، اے محمد! ہم نے تمھیں ساری دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ لہٰذا اس خزانۂ رحمت سے انسان، حیوان۔ دوست، دشمن۔ مسلم، غیر مسلم۔ عورت، مرد۔ بوڑھے، بچّے سب کو حصّہ ملتا تھا۔

ایک حدیث ہے:۔ لا یومن احدکم حتّٰی یحب للناس مایحب لنفسہ کوئی اُس وقت تک کامل مسلمان ہی نہیں ہوتا جب تک وہ دوسروں کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔

ایک دفعہ کسی نے دعا مانگی کہ الٰہی! مجھ کو اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

کو بخش دے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اللہ کی رحمت کو تم نے اپنے لئے اور میرے لئے محدود کر لیا۔

ایک دفعہ ایک بدو اونٹ پر چڑھنے لگا تو اُس کی زبان سے نکلا۔ یا اللہ! مجھ پر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت بلا شرکت غیرے نازل کر۔ حضورؐ نے صحابہ سے کہا۔ بتاؤ، راہ یہ زیادہ بھولا ہوا ہے یا اس کا اونٹ۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کی پُوری تاریخ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی "انسان کامل" گزرے ہیں اور حضورؐ ہی کا اسوۂ حسنہ انسانیت کیلئے آخری معیار ہے ـــــ آپ پر درود و سلام ہوں!

Marfat.com

سرور کائنات ؐ کی گھریلو زندگی

حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ وہ بزرگ ہستی ہیں جنھیں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے خادم خاص ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ اُن کا وطن یمن تھا۔ آٹھ سال کی عمر میں ماں کے ساتھ ننھیال سے ددھیال جاتے ہوئے ڈاکوؤں کے ہتّھے چڑھ گئے اور بکتے بکاتے حکیم بن حزام کے پاس پہنچے۔ حکیم بن حزام نے اپنی پھوپی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی نذر کر دیا اور اُنھوں نے حضورؐ کی خدمت پر مامور فرمایا۔ حضورؐ نے اِنھیں اتنی آسائش اور محبّت سے رکھا کہ جب تھوڑے عرصے بعد باپ اور چچا تلاش کرتے آئے تو حضرت زید نے حضورؐ کی مفارقت گوارا نہ کی۔ باپ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ آپ جتنا روپیہ چاہیں لے لیں اور ہمارا بچّہ ہمیں دے دیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ بچّہ جانا منظور کرے تو روپے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اُسے بغیر معاوضے کے آزاد کرتا ہوں۔ کہیں کھیلنے چلا گیا ہو آجائے تو خوشی سے لے جاؤ۔ مجھے اُس کی جُدائی شاق گزرے گی۔ لیکن تمھارا بچہ ہے، تم اُس کے حقیقی حقدار ہو۔

حضرت زید نے باپ اور چچا کو دیکھا تو اُن کے سینے سے چمٹ گئے۔

Marfat.com

لیکن کہا- یہاں سے جاؤں گا نہیں- باپ نے پوچھا- غلامی پسند کرتا ہے- جواب دیا- غلامی کیسی- محمدؐ کی غلامی ہزار آزادیوں سے بہتر ہے-

حضورؐ نے فرطِ محبّت سے حضرت زید کا ہاتھ پکڑا اور خانہ کعبہ لے گئے اور مجمع کے سامنے اعلان کیا کہ زید آج سے غلام نہیں ہے- میں اِسے متبنیٰ کرتا ہوں- یہ میرا وارث ہوگا-

محبّت کے اِس عجیب و غریب نظارے سے باپ اور چچا تصویرِ حیرت بن گئے- اس نظارے نے اُنھیں اطمینان دلا دیا کہ زید یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں پائے گا-

یہ واقعہ نبوّت سے پہلے کا ہے- نبوت سے پہلے بھی حضورؐ کا برتاؤ غلام کے ساتھ ایسا تھا کہ غلام نے حضورؐ کی غلامی پر آزادی قربان کردی- اِس سے اندازہ لگائیے کہ حضورؐ کی اور گھریلو زندگی کیسی ہو سکتی ہے- حضورؐ بیویوں اور اولاد کے ساتھ کیسے ہوں گے- خدام اور احباب بیویاں اور اولاد یہی چار تعلّق ہیں جن سے انسان کا کیرکٹر پرکھا جاتا ہے-

حضورؐ نے مکّے میں حضرت زید کی شادی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے کرادی تھی، جن کے بطن سے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے- پھر مدینے میں حضورؐ نے حضرت زید سے اپنی پھوپی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بیاہا-

Marfat.com

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ زید کسی سفر سے واپس آئے تو حضورؐ اُن کی پیشوائی کے لئے دوڑے۔ گلے لگایا۔ اور پیشانی کو بوسہ دیا۔ زید کی آمد سے حضورؐ اتنے خوش تھے کہ حضورؐ کا چادرہ زمین پر گرا جاتا تھا اور حضورؐ اُسے سنبھالتے نہیں تھے۔ حضرتِ عائشہؓ کی رائے ہے کہ زید زندہ رہتے تو حضورؐ زید کو اپنا جانشین نامزد کر جاتے۔

حضرت زید نے غزوۂ موتہ میں جامِ شہادت پیا تھا اور اُس غزوہ میں حضرت زید سپہ سالار تھے اور جلیل القدر صحابہ اُن کے ماتحت تھے۔

نماز روزے کی طرح ہمیں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اِن باتوں کی بھی پیروی کرنی چاہیئے۔ حضورؐ کی زندگی کے کسی ایک گوشے کی نہیں، حضورؐ کی پوری زندگی کی پیروی کر کے ہم پورے مسلمان کہلائے جا سکتے ہیں۔

اِسلام میں پبلک کیرکٹر اور پرائیویٹ کیرکٹر کی تقسیم نہیں ہے۔ جو

اندرونِ خانہ ٹھیک نہیں وہ بیرونِ خانہ کیا ٹھیک ہوگا؟

پہلو میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے

دل کہیں شریف رہے اور کہیں کمینہ بن جائے یہ ممکن نہیں ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے خَیرُکُمْ خَیرُکُمْ لِاَھْلِکُمْ۔ اچھا وہ ہے جو گھر والوں کے ساتھ اچھا ہو۔ انسان کی اصلیت باہر سے زیادہ گھر کے اندر کُھلتی ہے۔

Marfat.com

اسلام انسان میں سر سے پیر تک انسانیت دیکھنی چاہتا ہے۔ حقیقی انسانیت۔ دکھاوے کی سیاسی انسانیت نہیں۔ جس لیڈر اور جس مُدبّر کے کیرکٹر دو ہیں، ایک پبلک اور ایک پرائیویٹ، وہ سمندر کی اُس مچھلی کی مانند ہے جسے اللہ نے صرف چہرہ انسان کا سا دے دیا ہے۔ اور دھڑ اُس کا مچھلی کا ہے۔

یہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خانگی زندگی ہی تھی جس کی وجہ سے حضورؐ کے دعوے نبوت کے ماننے میں حضرت زید (خادم) حضرت ابوبکر (دوست) حضرت خدیجہ (بیوی) اور حضرت علی (چچازاد بھائی) نے لمحہ بھر توقّف نہیں کیا تھا۔ اُدھر زبانِ مبارک سے نکلا کہ مجھے اللہ نے اپنا رسول مقرر فرمایا ہے اِدھر گھر والوں نے تسلیم کر لیا۔ توقف، تامّل اور شک و شبہ تب کرتے کہ حضورؐ سے کبھی جھوٹ سُنا ہوتا۔ حضورؐ کی کبھی بدمعاملگی دیکھی ہوتی۔

خیر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا برتاؤ خادم اور غلام کے ساتھ یہ تھا جو آپؐ نے اوپر پڑھا۔ اب وہ برتاؤ ملاحظہ کیجئے جو دوسرے گھر والوں کے ساتھ تھا۔

حضورؐ کی پہلی بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ تھیں، جو حضورؐ سے پندرہ برس بڑی تھیں۔ عقد کے وقت حضورؐ پچیس برس کے تھے اور حضرت خدیجہ رضؓ چالیس برس کی تھیں۔ حضرت خدیجہ کے دو شوہر مر چکے تھے۔ تیسری شادی حضورؐ سے ہوئی تھی۔ حضرت خدیجہ کے پہلے دو شوہروں سے تین بچے بھی

Marfat.com

موجود تھے۔

عرب میں، اور اُس زمانے کی ساری دُنیا میں مرد کے لئے بیویاں کرنے کی حدبندی نہیں تھی۔ مرد زیادہ سے زیادہ بیویاں رکھ سکتا تھا۔ قید تعداد اسلام نے لگائی ہے[۱]

---

[۱] چار سے زیادہ بیویاں نہ رکھنے کا حکم آتے ہی مسلمانوں نے زاید بیویوں کو طلاقیں دے دی تھیں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی چار ہی پر اکتفا کرتے، بلکہ ایک دفعہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہو گئی تھی کہ ہمارے پیغمبر کی جو بیوی دنیوی عیش و آرام چاہے وہ طلاق لے کر دوسرا گھر بسالے۔ لیکن کسی بیوی نے اِسے منظور نہ کیا تو انھیں امہات المومنین قرار دے دیا گیا اور حکم ہوا کہ اب اِن سے پیغمبر کی وفات کے بعد بھی نکاح ناجائز ہے۔ ایسی صورت میں حضورؐ چار سے زائد کو طلاق کیسے دے سکتے تھے۔ مطلقہ بیویاں کہاں جاتیں۔ لہٰذا مسلمانوں کے لئے چار بیویوں کی قید لگائی گئی اور حضورؐ کے لئے موجودہ بیویوں کی۔ اضافہ کے حضورؐ بھی مجاز نہیں رہے۔ بلکہ حضورؐ کو یہ حق بھی نہیں رہا کہ موجود بیویوں میں سے کسی کو طلاق دے دیں اور اُس کے بدلے دوسری بیوی کر لیں۔ لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنۡ بَعۡدُ وَلَاۤ اَنۡ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَکَ حُسۡنُهُنَّ۔ اے رسول! ان موجودہ بیویوں کے علاوہ اب تم کسی اور عورت سے نکاح نہیں کر سکتے اور نہ تمھیں اس کی اجازت ہے کہ موجود بیویوں کو طلاق دے دو اور اِن کی جگہ کسی اور کو لے آؤ، خواہ اُس کا حُسن کتنا ہی اچھا معلوم ہوتا ہو۔

چار بیویاں کرنا مسلمانوں پر فرض نہیں ہے۔ مباح ہے۔ حالات متقاضی ہوں تو چار بیویاں کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً عورتوں کی تعداد بڑھ جانا یا بیوی کی مستقل بیماری ایسی چیزیں ہیں کہ انسان بجائے اس کے کہ حدود اللہ کو توڑے اللہ کی مقرر کردہ حدود سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ ایک سے زائد بیوی کرنے کی سخت شرائط ہیں۔ ایک سے زائد بیوی کرنا کھیل نہیں ہے۔ اسلامی حکومت بن جائے تو یہ اسلامی حکومت کا کام ہے کہ حالات کے مطابق ایک سے زائد عقد کرنے دے یا نہ کرنے دے۔

Marfat.com

لیکن جس وقت حضور کا حضرت خدیجہؓ سے نکاح بندھا تھا۔ اُس وقت اسلام کہاں تھا۔ حضورؐ اس نکاح کے پندرہ سال بعد پیغمبر ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود حضورؐ نے پیغمبری سے قبل کے پندرہ سال اور پیغمبری کے بعد کے دس سال تنہا حضرت خدیجہ کے ساتھ گزارے اور دوسری بیوی کرنے کا خیال تک نہیں کیا۔ حتیٰ کہ بوڑھے ہو گئے حضرت خدیجہ نے پینسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی تھی۔ حضورؐ اُس وقت پچاس برس کے ہو چکے تھے۔

پچیس برس کی عمر سے پچاس برس کی عمر تک ایک اکیلی ایسی بیوی کو نباہنا جو چالیس برس کی ہو کر حضورؐ کے نکاح میں آئی تھیں اور پھر پینسٹھ برس کی عمر تک زندہ رہیں۔ جن کے ساتھ پہلے دو شوہروں کی اولاد تھی ـــ اور ان پچیس برسوں میں چھوٹے سے چھوٹے ناگوار واقعے کا پیش نہ آنا ایسا واقعہ نہیں ہے کہ انسان اس پر غور نہ کرے اور بس یہی سوچے جائے کہ عمر کے آخری تیرہ برسوں میں اتنے نکاح کیوں کئے تھے[۱]۔

حضرت خدیجہ حضورؐ کے اخلاق اور کردار سے اتنی متاثر تھیں کہ غارِ حرا میں حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور حضورؐ گھبرا گئے اور جلدی جلدی گھر پہنچے اور کہنے لگے۔ خدیجہ! مجھے اپنی جان کی خیر نہیں معلوم ہوتی۔

---

۱ سوچنا ہی ہے تو یہ سوچیے کہ حضورؐ کو کیا کنواری بیویاں نہیں مل سکتی تھیں پھر بیواؤں سے کیوں عقد کرتے رہے۔

Marfat.com

اور سارا ماجرا سُنایا تو حضرت خدیجہ نے فرمایا :- آپ مصیبت زدوں کے ہمدرد ہیں، بیکسوں کے دستگیر ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں۔ اقربا کا خیال رکھتے ہیں۔ آپ کو گزند نہیں پہنچ سکتا۔ اور حضورؐ پر حضرت خدیجہ کا یہ اثر تھا کہ حضورؐ کی محبوب ترین بیوی حضرت عائیشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں حضورؐ کی زندہ بیویوں سے رشک نہیں کرتی تھی لیکن حضورؐ کا ان مرحوم بیوی کو بار بار یاد کرنا مجھے کھلتا تھا۔ آخر ایک دن کہہ ہی بیٹھی کہ اب اُنھیں بھول جائیے۔ اُن سے بہتر بیویاں اللہ نے دے رکھی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا :- کیسے بھول سکتا ہوں۔ خدیجہ نے میری اُس وقت تصدیق کی جب مجھے سب جھٹلاتے تھے۔ خدیجہ اُس وقت ایمان لائیں جب ساری دُنیا مُنکر تھی۔ خدیجہ نے اسلام کی اُس وقت خدمت کی جب کہ اسلام کی خدمت کرنا بہت دشوار کام تھا۔

غزوۂ بدر میں جو لوگ مسلمانوں نے پکڑے تھے اُن میں حضورؐ کے داماد حضرت زینب کے شوہر بھی تھے۔ وہ اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اُنھوں نے حضرت زینب کو مکّے میں روک رکھا تھا۔ بدر کے قیدی فدیئے لے کر چھوڑے گئے تو داماد کا فدیہ بھی سامنے آیا۔ یہ حضرت خدیجہ کے گلے کا ہار تھا جو حضرت خدیجہ نے حضرت زینب کو جہیز میں دیا تھا۔ حضورؐ نے ہار پہچان لیا اور آبدیدہ ہو گئے۔

Marfat.com

حضورؐ سے حضرت خدیجہ کے ہاں تین بیٹے، حضرت قاسمؓ حضرت طاہر اور حضرت طیبؓ[1] پیدا ہوئے اور چار بیٹیاں، حضرت زینبؓ۔ حضرت رقیہؓ۔ حضرت اُم کلثوم اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہم پیدا ہوئیں۔ صاحبزادگان حضرت خدیجہ کے سامنے انتقال کر گئے تھے، قبل بعثت۔ لیکن صاحبزادیوں کی دیکھ بھال کا بوجھ حضرت خدیجہ کے بعد حضورؐ کو اُٹھانا پڑا۔ یہ کافی بوجھ تھا۔ اور حضورؐ کا خاصا وقت لے لیتا تھا۔ اس لئے حضورؐ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔

حضرت سودہ اور اُن کے پہلے خاوند حضرت سکران رضی اللہ عنہما سابقون الاوّلون مسلمانوں میں سے تھے۔ دونوں میاں بیوی نے ابتداءِ اسلام کی کھکیڑیں برداشت کی تھیں اور بالآخر ترکِ وطن کر کے حبشہ جا بسا یا تھا۔ وہیں حضرت سکران کا انتقال ہوا تھا۔ حضرت سکران سے حضرت سودہ کے ایک فرزند تھے، حضرت عبدالرحمٰنؓ جنھوں نے جنگ جلولا میں شہادت پائی۔

حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اطاعت و فرماں برداری میں حضرت سودہ اپنی تمام ساتھی ازواجِ مطہرات سے ممتاز تھیں اور سخاوت

---

[1] حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے حضورؐ کے ایک بیٹے اور تھے۔ اُن کا نام ابراہیم تھا۔ حضرت ابراہیم ڈیڑھ برس زندہ رہے۔ اور کسی بیوی سے حضورؐ کے ہاں اولاد نہیں ہوئی۔

Marfat.com

و فیاضی میں حضرت عائشہ کے بعد اُن کا درجہ تھا۔

حضرت سودہ نے حضورؐ کی صاجزادیوں کو سگی ماں کی طرح سنبھالا اور حضورؐ کی زوجیت میں آجانے سے خود اُنھیں وہ دل جمعی اور عزت مل گئی جو قسمت والی ہی کو مل سکتی تھی۔

پچاس اور پچپن برس کی عمر میں معمولی انسان بھی شادیاں کرنے کا شائق نہیں رہتا۔ کُجا وہ انسان جس نے پچیس سے پچاس برس تک کی عمر ایک بوڑھی بیوی کے ساتھ گزار دی ہو ـــــــ یاد کیجئے اُس واقعے کو کہ عمایدِ قریش نے حضورؐ سے کہا کہ ہم آپ کی بادشاہت قبول کرتے ہیں اور مُلک کی حسین ترین لڑکیاں آپ کے نکاح میں دینے کے لئے تیار ہیں آپ فقط ہمارے بُتوں کی مخالفت چھوڑ دیجئے۔ حضورؐ نے چچا سے کیا فرمایا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا :- چچا! یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں تو میں حکم الٰہی کی تعمیل سے مُنہ نہیں موڑوں گا۔ ـــــــ بیالیس تینتالیس برس کی عمر میں جس نے بادشاہت اور حسین لڑکیوں کی پیش کش ٹھکرا دی تھی اُسے پچاس برس کی عمر کے بعد شادیوں کا شوق کیونکر ہو سکتا تھا۔

بعض عیسائی مصنّفین نے حضورؐ کے متعدد شادیاں کرنے کو نشانہ طعن و طنز بنایا ہے، لیکن دوسرے عیسائی مصنّفین ہی سے جواب سُنئے۔

Marfat.com

باسورتھ سمتھ صاحب کتاب "محمد اینڈ محمدن ازم" میں رقمطراز ہیں:-

"محمد کی شادیوں کی توجیہ یوں بھی تو کی جاسکتی ہے کہ ان شادیوں سے کس مپرس اور بے نوا افراد کے حالات پر ترس کھانا مقصود تھا — یہ شادیاں اُن خواتین سے ہوئیں جو قریب قریب سب بیوائیں تھیں اور جن میں حُسن و جمال یا مال و متاع کی کشش نہیں تھی۔ بلکہ صورت کچھ برعکس تھی۔"

کارلائل صاحب لکھتے ہیں:-

"اگر ہم محمد کو بندۂ ہوس تصور کریں گے تو یہ بہت بڑی گمراہی ہوگی محمد حظ و کیف پر گرنے والے انسان نہیں تھے۔ اُن کے گھر کا ساز و سامان۔ اُن کی خوراک۔ اُن کے گھر میں کئی کئی دن چولھا نہ سُلگنا۔ اُن کا اپنے جوتے آپ گانٹھ لینا۔ کپڑوں میں پیوند لگالینا، اس امر کی دلیل ہے کہ ایسا انسان ہوس پرست نہیں ہوسکتا۔ محمد ایک غریب محنتی اور مستغنی انسان تھے اور اُن تمام رجحانات سے بے نیاز جن کی خاطر عوام جان دے دیا کرتے ہیں۔ اگر محمد ایسے ہوتے تو وہ عرب جو عُمر بھر اُنھیں قریب سے دیکھتے رہے تیئیس سال اُن کے اشاروں پر نہ چلتے اور ہرگز اُن کی تعظیم و تکریم نہ کرتے۔

عرب بات بات پر کٹ مرنے والے لوگ تھے۔ کوئی بندہ ہوس

Marfat.com

عربوں سے اطاعت نہیں کرا سکتا تھا۔

محمدؐ کی زندگی بے نقاب تھی۔ عربوں نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ محمدؐ کس قسم کے انسان ہیں۔ وہ محمدؐ کو پیغمبر مانتے تھے اور وہ یوں ہی ماننے والے نہیں تھے۔

زبردست سے زبردست بادشاہ اتنی اطاعت کسی سے نہیں کرا سکتا جتنی اطاعت اُس شخص نے عربوں سے کرائی جو اپنے کپڑوں میں آپ پیوند لگا لیتا تھا۔"[۱]

---

[۱] نیک نیتی اور شرافت سے غور کر کے غیر مسلم اس نتیجے پر پہنچ گئے تو ہمیں تو سمجھنا چاہیئے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہمارے لئے نمونہ ہیں۔ ہم حضورؐ کیلئے نمونہ نہیں ہیں۔ مسلمان اپنے اعمال حضورؐ کے عملوں کی کسوٹی پر پرکھیں، نہ یہ کہ اپنی مزعومہ رائے کی کسوٹی پر حضورؐ کے اعمال کسنے لگیں۔

ہم نے جس طرح زنا اور نکاح کا فرق حضورؐ کے فرمانے سے مان لیا بالکل اسی طرح حضورؐ کا ہر حکم اور ہر فعل ہے۔ زنا کی بُرائی اور نکاح کی بھلائی آخر کس نے ہمارے دل میں بٹھائی ہے۔ پھر اگر کسی بات سے ہمیں روزمرہ سابقہ نہیں پڑتا اور وہ حضورؐ کے ہاں کچھ ہو اور ہم نے اُسے کچھ فرض کر رکھا ہے تو اُس کے معیار حضورؐ ہوں گے۔ نہ کہ ہم۔

مسلمان اُسے کہتے ہیں جو حضورؐ کے پیچھے پیچھے چلے۔ جو چاہے کہ اُس کے دماغ میں جمے ہوئے خیالات کے مطابق حضورؐ کے احکام اور افعال نکل آئیں وہ خدا جانے کیسا مسلمان ہے۔

پہلے فیصلہ کر لیجئے کہ حضورؐ اللہ کے رسول تھے یا نہیں۔ اس فیصلے سے پہلے پہلے آپ خوب سوچ بچار اور غور و فکر کر سکتے ہیں۔ لیکن فیصلے کے بعد مسلمان کی ذہنیت غیر مسلم

میں موضوع سے ہٹا نہیں ہوں۔ یہ بحث بھی خانگی زندگی سے تعلق رکھتی ہے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم نے جتنے نکاح کئے، حالات اُن کے داعی تھے۔ حضورؐ کیا، اُس وقت اور مُسلمانوں کو بھی بہ کثرت نکاح کرنے پڑے تھے۔۔ پے درپے جنگوں نے عورتوں اور بچّوں کی کافی تعداد لاوارث اور بے سہارہ کر دی تھی۔ صاحبِ استطاعت مسلمان اُنھیں حفاظت میں نہ لیتے تو کیا کرتے۔ اور نکاحوں سے بہتر حفاظت کی شکل اور کیا تھی۔

حضرت سودا سے حضورؐ کا نکاح ہجرت سے قبل، مکّے میں ہوا تھا۔ اور اس کی وجہ اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ باقی تمام نکاح تین اور سات ہجری کے درمیان کے ہیں، جو جنگوں کا زمانہ تھا۔ اب یا تو بیواؤں اور یتیموں کا مستقبل نظر انداز کر دیا جاتا۔ یا پھر یہی صورت تھی کہ انھیں حفاظت میں لے لیا جائے۔ جس دین نے جنگی قیدیوں[۱] کو بھٹکتا پھرنے کے لئے بے مُہار نہیں چھوڑا وہ اپنی بیواؤں اور یتیموں کا مستقبل کیسے خراب کر سکتا تھا۔

فتح مکّہ (۸ ہجری) کے بعد جب لہر بہر شروع ہو گئی اور مسلمانوں میں خوش حالی اور فارغ البالی آ گئی اور بیواؤں اور یتیموں کی امداد کے

۱؎ جنگی قیدیوں، یعنی لونڈیوں کا قصّہ میرے مضمون "انسدادِ غلامی" میں پڑھیئے۔

پیشِ نظر نکاحوں کی مجبوری باقی نہیں رہی تو پھر حضورؐ نے کوئی نکاح نہیں کیا۔ بلکہ اللہ تعالےٰ نے ازواجِ مطہرات کو اجازت دے دی کہ مجبوریوں کا دور گزر چکا ہے۔ اب تمھیں عیش اور آرام کے گھر مل سکتے ہیں۔ تم چاہو تو ہمارے پیغمبر سے علیحدگی اختیار کر لو۔ فرمایا:۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر حیاتِ دنیوی (کا عیش و آرام) اور حیاتِ دنیوی کی چمک دمک پسند ہے تو آؤ میں تمھیں کچھ دے دلا کر ہنسی خوشی رخصت کر دوں۔ اور اللہ اور اُس کے رسول کو اور اجرِ آخرت کو چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیکو کاروں کے لئے بڑا اجر رکھ چھوڑا ہے۔[۱]

---

[۱] لہر بہر کے باوجود حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا رہن سہن نہیں بدلا تھا اور عمل کر کے دکھایا تھا کہ ملّتِ اسلام کے امرا اور ذی اقتدار کی زندگی کیسی ہونی چاہئے۔ اسلام میں امیرِ ملت اور پیشوایانِ ملّت کو قومی محاصل اپنے اوپر عوام کے برابر بلکہ عوام سے کم تر خرچ کرنا سکھایا گیا ہے۔ ازواجِ مطہرات چاہتی تھیں کہ لہر بہر آئی ہے تو ہماری بقیہ زندگی بھی تکلیف سے نہ کٹے اور ہمیں بادشاہی میں فقیری نہ کرنی پڑے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اس گھر میں یہی صورت رہے گی۔

(باقی نوٹ صفحہ ۵۵ پر)

Marfat.com

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ایک بیوی حضرت

ہاں یہ گھر چھوڑ دو اور دوسرا گھر بسا لو تو عام مسلمانوں کی طرح تم لہر بہر سے متمتع اُٹھا سکتی ہو۔ ابھی ازواجِ مُطہرات نے اُمہات المومنین کا مرتبہ نہیں پایا تھا۔ اور وہ عقدِ ثانی کر سکتی تھیں۔ جب اُنھوں نے علیحدگی منظور نہیں کی تو مندرجہ ذیل آیات اُتریں:۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ ط نبی مسلمانوں کے لئے اُن کی اپنی ذات سے بڑھ کر عزیز ہیں اور نبی کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۔ اور نبی کی بیویوں (یعنی اپنی ماؤں) سے نبی کے انتقال کے بعد تم کبھی نکاح مت کرنا۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے امیرِ ملّت اور پیشوایانِ ملّت کے واسطے تو نمونہ پیش کیا ہی تھا۔ عام مسلمانوں کی بھی اپنے طرزِ عمل اور ارشادات سے ایک ذہنیت بنا دی تھی۔ دولت سے دل نہ لگانا۔ دولت کا ہوکا نہ کرنا۔ اور دوسروں کو دولت سے متمتع ہونے دینا مسلمانوں کا قومی شعار ہو گیا تھا۔ معلوم ہے اس ذہنیت کا نتیجہ کیا نکلا تھا۔ کیا اس ذہنیت نے مسلمانوں کو فلاکت زدگی اور زبوں حالی کا شایق بنا دیا تھا؟ یہ ذہنیت مکمّل طور پر صرف بیس سال رہی۔ دو سال حضورؐ کے زمانے میں۔ دو سال حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں۔ دس سال حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں۔ چھ سال حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں۔ بقیہ چھ سال میں بھی حضرت عثمانؓ کے اندر کوئی فرق نہیں ہوا تھا اور حضرت علی مرتضیٰؓ تو تادمِ آخر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی مثل فقیرانہ زندگی ہی بسر کرتے رہے، لیکن دوسرے مسلمان عمائد کسی قدر دولت کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ بہرحال ابتدائی بیس سال اس ذہنیت کے اعتبار سے بے مثال تھے۔ ان بیس سال میں اسلام آدھی دنیا پر چھا گیا تھا اور اسلام کو وہ اقتدار اقوامِ عالم کے اوپر حاصل ہو گیا تھا جو کسی اور قوم کو ابھی تک حاصل نہیں ہوا ہے۔

جس قوم کے عوام یہ سمجھیں کہ ہماری حکومت کا ہر قدم ہمارے اور صرف ہمارے

(باقی ص۵۶ پر)

Marfat.com

زینب اُم المساکین رضی اللہ عنہا تھیں۔ چونکہ مساکین کو کھانا بہت کھلاتی رہتی تھیں اُم المساکین اُن کے نام کا جزو بن گیا تھا۔ اُن کا پہلا نکاح طفیل سے بندھا۔ دوسرا عبیدہ سے۔ تیسرا عبداللہ بن حجش سے۔ چوتھا نکاح حضورؐ سے۔ نکاح کے بعد دو یا تین مہینے زندہ رہیں۔

ایک بیوی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ حضرت ام سلمہ اور اُن کے شوہر حضرت عبداللہ بن اسد المعروف بہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے اوّل حبشہ ہجرت کی۔ پھر وہاں سے واپس آکر مدینے پہنچے۔ مدینہ ہجرت کرنے والی عورتوں میں حضرت ام سلمہ سب سے آگے ہیں۔ اُن سے قبل کسی عورت نے مدینہ ہجرت نہیں کی تھی۔ حضرت ابوسلمہ نے جنگِ بدر

(بقیہ نوٹ ص۵۵) فائدے کی خاطر اُٹھتا ہے اور ہم حکومت کے نفع نقصان میں برابر کے حصہ دار ہیں اُس قوم کی طاقت کا کیا ٹھکانہ ہے۔ اُس قوم کے سامنے کس کی مجال ہے کہ ٹھہر جائے۔ زندہ بچیں تو غازی اور مریں تو شہید۔ مسلمان آندھی کی رفتار سے چار دانگِ عالم میں پھیل گئے تھے۔

مسلمانوں اور مسلمانوں کی حکومتوں کا یہ رنگ بیس سال بعد مٹ نہیں گیا تھا۔ رنگ عوام میں تو آج بھی موجود ہے۔ خواص میں بھی پچاس ساٹھ برس قبل تک کچھ نہ کچھ جھلک باقی تھی۔ رنگ مدتوں قایم رہا۔ رنگ، اسلام کے تمام رنگوں کی طرح بتدریج گھٹا ہے اور گھٹتے گھٹتے آج کی سی نوبت آئی ہے۔

آج تو دولت سے دل لگانے نہ لگانے کے معنی ہی بدل گئے ہیں۔ آجکل کی زبان میں کہنا چاہیئے کہ قدریں بدل گئی ہیں۔

Marfat.com

میں شہادت پائی۔ حضرت ام سلمہ کے چھوٹے چھوٹے بچّے تھے اور اُن کی عمر اسلام کی خاطر اندوہ و مصائب میں کٹی تھی۔ ان حالات کی وجہ سے حضورؐ نے اِس کنبے کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔

حضرت ام سلمہ حضورؐ کی وہ بیوی ہیں جن کی تدبیر سے صُلح حدیبیہ کے وقت ایک اہم مشکل حل ہوئی تھی۔ صحابہ صلح حدیبیہ کی شرطوں کو کسرِ شان تصوّر کر رہے تھے اور اِس تصوّر میں غلطاں و پیچاں تھے۔ حضورؐ نے حکم دیا کہ مکّے تو جانا نہیں ہے۔ یہیں سر منڈوا دو اور قربانی کر دو۔ تو وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ حضرت اُمّ سلمہ نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ خود سر منڈوا ڈالئے اور قربانی کر دیجئے۔ پھر سب سمجھ جائیں گے کہ صلح کسی صورت جنگ میں تبدیل نہیں ہو سکتی اور اس سال مکّے پہنچنا اور عمرہ کرنا محال ہے۔ چنانچہ حضورؐ کے سر منڈوانے اور قربانی کرنے کے بعد ایک ایک صحابی نے سر منڈوا دیا اور قربانی کر دی۔

ایک بیوی حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ یہ ابوسفیان کی بیٹی تھیں۔ ابوسفیان اسلام کے سخت مخالف تھے، لیکن حضرت ام حبیبہ اور اُن کے شوہر نے اسلام قبول کر لیا تھا اور دونوں نے حبشہ ہجرت کی تھی۔ شوہر صاحب حبشہ پہنچ کر بُری صُحبت میں پڑ گئے اور شراب کباب نے اُنھیں مرتد کرا دیا۔ حضرت اُم حبیبہ کی کس مپرسی کے چرچے حضورؐ کے کانوں تک

Marfat.com

پہنچے تو حضورؐ نے اُنھیں نجاشی، شاہ حبش کے ذریعہ نکاح کا پیغام بھیجا۔ حضرت اُمِّ حبیبہ اِس پیغام سے بے حد خوش ہوئیں۔ شاہ حبش کی کنیز، ابرہہ پیغام لائی تھی۔ اُسے حضرت اُمِّ حبیبہ نے چاندی کے کنگن اور چاندی کی انگوٹھیاں پہنائیں اور جب رقم مہر ملی تو پچاس دینار نقد عطا فرمائے۔

ایک بیوی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ اُن کے پہلے شوہر کا نام مسعود تھا۔ دوسرے کا عبد العزٰ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضورؐ سے اُن کو عقد میں لانے کی تحریک کی اور حضورؐ نے قبول فرمالیا۔

نکاحوں کی تہہ میں اسلام کی مضبوطی۔ اسلام کا فروغ اور تعلیم اسلام کی اشاعت کا مقصد بھی کارفرما تھا۔ مسلمانوں کی تعداد برابر بڑھ رہی تھی اور مسئلے مسائل سمجھانے کے لئے عورت مرد نائب درکار تھے۔ نائب عورتیں عورتوں کو مسئلے مسائل سمجھانے کے لئے ازواج مطہرات سے بہتر کون ہو سکتی تھیں۔ کیا عورتوں کو اُن کے مخصوص مسائل حضورؐ براہ راست خود بتلاتے؟[۱]

اسلام کی مضبوطی اور اسلام کے فروغ کا ایک انتظام یہ کیا گیا کہ قبایل اور اقوام سے رشتے جوڑ لئے۔ حضرت جویریہ جنگی قیدی تھیں۔ بنو مصطلق کے

---

[۱] اِس قسم کے سوال مرد زیادہ کرتے تھے تو حضورؐ ویسی شگفتگی سے جواب نہیں دیتے تھے جیسی شگفتگی سے دوسرے سوالوں کے جواب دیتے تھے۔ فرطِ حیا سے حضورؐ کو ناگواری ہوتی تھی۔

Marfat.com

سردار حارث کی درخواست پر حضورؐ نے اُس کی اِن بیٹی کو آزادی دلائی اور پھر اُن سے نکاح کیا۔ اس طرزِ عمل کا بڑا اثر پڑا۔ حضرت جویریہ کے نکاح میں آتے ہی کل مسلمانوں نے اپنے اپنے حصّے کے سات سو عورت مرد جنگی قیدی آزاد کر دیئے۔ اور پھر وہ جنگی لونڈی غلام اسلام کے سچّے لونڈی غلام بن گئے۔ وہی نہیں، اُن کا سارا قبیلہ اسلام کا گرویدہ ہوگیا۔ ایک نکاح نے ایک انقلاب کر دکھایا۔

حضرت جویریہ کا شوہر مسافع بن صفوان اُسی غزوہ مریسیع میں مرا تھا جس غزوہ میں حضرت جویریہ پکڑی گئی تھیں۔

علیٰ ہذا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے عقد کر کے حضورؐ نے یہودیوں اور مسلمانوں میں باہمی رابطے کا راستہ نکال دیا۔ حضرت صفیہ بنی نضیر کے رئیس کی بیٹی تھیں اور بنی قریظہ کے رئیس کی نواسی۔ نضیر اور قریظہ یہودیوں کے ممتاز ترین قبیلے تھے۔ جنگِ خیبر ان ہی قبیلوں کی سازش کا نتیجہ تھی۔ حضرت صفیہ جنگِ خیبر میں گرفتار ہوئی تھیں۔ اِن کے پہلے شوہر سلام بن مشکم نے انھیں طلاق دے دی تھی اور دوسرا شوہر کنانہ ان کے باپ اور بھائی کے ساتھ جنگ خیبر میں قتل ہوگیا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

Marfat.com

اِن دونوں خواتین سے عقد کر کے حضورؐ نے اپنے دو مخلص ترین و مقرب ترین صحابیوں کو ممنون فرمایا اور انھیں عزّت کے آسمان پر لے جا بٹھایا۔ بادشاہوں سے رشتہ ہو جانا موجب عزّت سمجھا جاتا ہے تو بادشاہوں کے آقا اور پیغمبرِ خدا سے رشتہ تو بہت بڑی سعادت تھی۔ دو مخلص ترین اور مقرّب ترین صحابیوں کی بیٹیوں سے حضورؐ نے عقد کیا اور دو مخلص ترین اور مقرّب ترین صحابیوں سے حضورؐ نے اپنی بیٹیاں بیاہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حضورؐ کے داماد تھے۔

حضورؐ کی ازواجِ مطہرات میں فقط حضرت عائشہ کنواری تھیں۔ لیکن اُن کا امتیاز کنوارپنے یا حُسنِ صورت کی وجہ سے نہیں تھا۔ حسین تو حضرت عائشہ سے زیادہ حضرت صفیہ تھیں۔ اور حضرت صفیہ کم سِن بھی تھیں۔ حضرت عائشہ کے امتیاز کی وجہ وہی خدمتِ اسلام ہے، جو حضرت خدیجہ کے امتیاز کی وجہ ہے۔[1] حضورؐ حضرت عائشہ کی فراست اور اسلام فہمی کی قدر کیا کرتے تھے۔ اسلام فہمی میں حضرت عائشہ کسی بڑے سے بڑے مرد صحابی سے کم نہیں تھیں۔ بلکہ بہت سے اوّل درجے کے صحابیوں کو وہ سبق سکھا دیتی تھیں۔

غالباً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نوحہ کرنے سے مُردے کو

---

[1] حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ بیوی کے انتخاب میں چار باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ (۱) نسب (۲) حُسن (۳) مال (۴) دین داری۔ تم دین داری کو ہر بات پر فوقیت دو۔

عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ قرآن میں تو ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ ایک کے قصور کا خمیازہ دوسرا نہیں بھگتے گا۔ حضرت عائشہؓ صحابہ سے فرمایا کرتی تھیں۔ تم لوگ جھوٹ نہیں بولتے۔ لیکن تمہارے کان غلطی کر سکتے ہیں۔ اس لئے غلط باتیں بیان کر جاتے ہو۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق یہ الفاظ حضرت عائشہ ہی نے فرمائے تھے۔ کَانَ خُلُقُہٗ قُرْاٰن۔ حضورؐ کا ہر قول و فعل قرآن کے مطابق تھا۔ حضرت عائشہ جو حدیث قرآن مجید سے متضاد سنتی تھیں فوراً ٹوک دیتی تھیں۔ حضرت عائشہ میں تفقہ اور اجتہاد کی خداداد قابلیت تھی۔ ترمذی میں ہے کہ صحابہ جب کبھی کسی مسئلے میں اُلجھ جاتے تھے تو حضرت عائشہ اُسے سُلجھا دیتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کو تفسیر۔ حدیث۔ اسرارِ شریعت اور خطابت سب میں کمال حاصل تھا۔ خوش تقریر بے مثل تھیں۔

حضرت حفصہ کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت حفصہ کے شوہر خنیس بن حذافہ کے انتقال سے حضرت عمرؓ بہت پریشان تھے۔ حضرت عثمان کی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے بھی اُن ہی دنوں رحلت کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے چاہا کہ حضرت عثمان حضرت حفصہ سے عقد کر لیں۔ مگر وہ آمادہ نہ ہوئے۔ پھر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا۔ وہ بھی خاموش رہے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خیال نہیں تھا۔ ویسے ہی حضورؐ سے بیان کر دیا کہ اس

Marfat.com

پریشانی میں مبتلا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ حفصہ کی شادی ابوبکر و عثمان سے افضل شخص سے ہو جائے گی۔ چنانچہ حضورؐ نے حضرت حفصہ سے عقد کر لیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی پھوپی زاد بہن تھیں۔ اُن کی شادی حضورؐ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید سے کر دی تھی۔ حضرت زینب اور حضرت زید میں نباہ نہ ہو سکا۔ اور حضرت زید نے حضورؐ کے سمجھانے بُجھانے کے باوجود حضرت زینب کو طلاق دے دی۔ حضرت زید حضورؐ کے متبنّیٰ بھی تھے اور عرب کے قدیم رواج کے بموجب متبنّیٰ کی بیوہ یا مطلّقہ سے حضورؐ کا نکاح ممکن نہیں تھا۔ حضورؐ حضرت زینب کی دوسری شادی کی فکر میں تھے اور سوچا کرتے تھے کہ غلام یا آزاد کردہ غلام کی مطلّقہ سے کون شادی کرے گا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ جب زید کا دل زینب سے بھر گیا تو ہم نے زینب کا نکاح تم سے کر دیا تاکہ مسلمانوں کے لئے مُنہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح ناجائز نہ رہے۔ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ

اس وحی کی تعمیل میں حضورؐ نے حضرت زینب سے نکاح کیا۔

ازواجِ مطہّرات کے ساتھ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

Marfat.com

کا معاملہ یہ تھا کہ برتاؤ میں مطلق فرق نہیں فرماتے تھے۔ کھانا۔ کپڑا۔ مکان سب کے پاس یکساں تھا۔ ایک رات ایک بیوی کے گھر میں رہتے تو دوسری رات دوسری بیوی کے گھر میں۔ وفات سے قبل کی سخت بیماری بھی اس عدل و انصاف پر اثر انداز نہ ہو سکی۔ صرف آخری چند دن ایسے تھے کہ ہلنا جُلنا مُحال تھا اور حضرت عائشہ کے ہاں رُکنا پڑ گیا تھا۔

جن بیوی کے ہاں رہنے کی جس رات باری ہوتی تھی اُن کے ہاں جانے سے قبل ہر بیوی کے ہاں پھیرا ضرور کرتے تھے۔ سب سے تھوڑی تھوڑی دیر مل کر باری والی بیوی کے گھر میں قیام فرماتے تھے۔ یا کبھی کبھی یہ کرتے تھے کہ سب کو باری والی بیوی کے ہاں بلا لیتے تھے اور سب سے بہ یک وقت مل لیتے تھے۔ یہ نہیں ہوتا تھا کہ کسی دن کسی بیوی سے بے اعتنائی برت جائیں۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا برتاؤ ازواجِ مطہرات کے ساتھ نہایت عادلانہ تھا۔ نیز ازواجِ مطہرات بعض اوقات حضورؐ سے حضور کے شایانِ شان برتاؤ نہیں کرتی تھیں تو حضورؐ اُسے برداشت کر لیتے تھے۔ یا ازواجِ مطہرات آپس میں بگڑ جاتی تھیں تو اُن کے غصّوں کو ٹھنڈا کر دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ہم لوگ سمجھتے تھے

Marfat.com

کہ عورتیں بے عقل ہوتی ہیں، عورتوں کی بات نہیں ماننی چاہیئے۔ ایک روز میں بیٹھا کچھ سوچ بچار کر رہا تھا کہ بیوی مشورہ دینے لگیں۔ قدیم عادت کے مطابق میری زبان سے نکل گیا کہ تم کیوں دخل دیتی ہو۔ تم نہیں سمجھ سکتیں۔ وہ بولیں۔ آپ عورتوں کو کسی طرح گردانتے ہی نہیں۔ اور آپ کی بیٹی صاحبہ رسول اللہ صلعم سے جواب سوال کرتی ہیں۔ میں نے کہا۔ ہیں! اور فوراً حفصہ کے پاس پہنچا۔ اور حفصہ پر بگڑا کہ خبردار آئندہ ایسی بات نہ سُنوں۔ تم اللہ کے رسول کے سامنے زبان چلاتی ہو اور عائشہ رض کی ریس کرتی ہو۔ میں تمھیں اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ حضرت عائشہ رض بھی ایک دفعہ حضورؐ سے بگڑ کر بات کر رہی تھیں۔ اتفاقاً حضرت ابوبکر رض آگئے۔ انھوں نے حضرت عائشہ رض کو ڈانٹا کہ یہ کیا گستاخی ہے اور تھپڑ مارنے کے لئے ہاتھ اُٹھایا۔ مگر حضورؐ نے تھپڑ نہیں مارنے دیا اور حضرت ابوبکر رض غصّے میں بھرے واپس چلے گئے۔

حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ چونکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ دو دوستوں کی بیٹیاں تھیں۔ اُن میں اتحاد تھا اور وہ دونوں اپنے آپ کو دوسری ازواج پر فضیلت دیتی رہتی تھیں۔ ایک روز حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم حضرت صفیہ کے ہاں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت صفیہ چشم پُر آب ہیں۔ حضورؐ نے سبب پوچھا۔ اُنھوں نے فرمایا۔ عائشہ اور حفصہ نے آج مجھے طعنہ دیا ہے کہ تم یہودی کی بیٹی ہو۔ اور ہم رسول اللہ

Marfat.com

کی محض بیویاں نہیں ہیں۔ ہمارا رسول اللہؐ سے پہلے کا بھی رشتہ ہے حضورؐ نے فرمایا۔ تمھارے باپ ہارون تھے اور تمھارے چچا موسیٰ تھے۔ تم نبی کی بیٹی۔ نبی کی بھتیجی اور نبی کی بیوی ہو۔ تم نے یہ کیوں نہ کہا۔

حضرت زینب دور پرے کی رشتہ دار نہیں تھیں۔ پھوپی زاد بہن تھیں۔ اور خوبصورت تھیں۔ اُنھیں حضرت عائشہ سے ہمسری کا سب سے زیادہ دعویٰ تھا۔ خود حضرت عائشہ کا ارشاد ہے۔ کَانَتْ تُسَامِینِیْ۔ وہ میرا مقابلہ کرتی تھیں۔

ایک روز حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مہاجرین میں مال واسباب تقسیم کر رہے تھے۔ حضرت زینب نے دخل دیا۔ حضرت عمرؓ انھیں مداخلت سے روکنے لگے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ عمر! زینب کی بات کا بُرا نہ مانو۔ یہ بڑی عابد زاہد ہیں اور ان کی عبادت میں خشوع و خضوع ہوتا ہے۔

ازواجِ مطہرات کے درمیان آپس کا رشک کبھی کبھی ضرور اُبھر آتا تھا لیکن اُنھوں نے دشمنی ایک دوسرے سے کبھی نہیں کی۔

جب حضرت عائشہ پر بہتان لگا ہے تو دشمنی نکالنے کا خوب موقع تھا۔ لیکن حضورؐ نے حضرت زینبؓ سے اِس بارے میں گفتگو فرمائی تو اُنھوں نے کہا۔ میں نے عائشہ میں ہمیشہ بھلائیاں ہی

Marfat.com

بھلائیاں پائی ہیں۔ مَا عَلِمْتُ اِلَّا خَیْرًا۔ حضرت عائشہ رضؓ اُن کے اس اعترافِ حق کی مدت العمر معترف رہیں۔

حضرت جویریہ رضؓ کے نکاح سے جو سینکڑوں خاندان آزاد ہو گئے تھے اُسے حضرت عائشہ رضؓ نے حضرت جویریہ رضؓ کی برکت قرار دیا تھا۔

غرضکہ حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خانگی زندگی نہایت خوشگوار تھی۔ ازواجِ مطہّرات کو حضور ؐ سے قلبی تعلّق تھا اور حضور ؐ بھی سب سے محبّت کرتے تھے۔

حضور ؐ نے ایک دفعہ فرمایا:۔ ایسی بات بتاؤں جو نماز اور روزے سے بھی بڑھ کر ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ قطعی بتائیے۔ حضور ؐ نے فرمایا۔ باہمی تعلّقات خوش گوار رکھو۔ باہمی تعلقات سے مراد پڑوسیوں تک کے تعلّقات ہیں اور پڑوسیوں میں مسلم وغیر مسلم کا امتیاز نہیں ہے۔ لہذا جب غیر مسلم پڑوسیوں سے تعلّقات خوش گوار رکھنے کی اتنی اہمیت ہے تو عزیز واقارب اور خصوصاً اہل وعیال سے تعلّقات خوش گوار رکھنے کی کتنی اہمیّت ہوگی۔

حضور ؐ کی اپنی خانگی زندگی ایک حدیث میں سمٹ کر محفوظ ہوگئی ہے۔ خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ بِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ بِاَهْلِیْ۔ تم میں بہترین وہ ہر جو ایک دوسرے کی نسبت اپنے اہل وعیال کے ساتھ بہتر ہے اور میں تم

Marfat.com

سب کی نسبت اپنے اہل وعیال کے ساتھ بہت ہی اچھا برتاؤ کرتا ہوں۔ ایک حدیث ہے :۔ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَکُمْ۔ آپس کے تعلقات میں فیاضی برتنا مت بھولا کرو۔

ایک عید کے موقع پر چند حبشی حضرت عائشہ کے مکان کے آگے پٹے بازی کی قسم کا کھیل دکھا رہے تھے۔ حضورؐ حضرت عائشہ کے ہاں تشریف فرما تھے۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا۔ میں یہ کھیل دیکھنا چاہتی ہوں۔ حضورؐ دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے اور حضرت عائشہ کو پیچھے کھڑا کر لیا۔ حضرت عائشہ کی ٹھوڑی دوش مبارک پر ٹکی ہوئی تھی۔ کافی دیر کے بعد حضورؐ نے پوچھا۔ کہو دیکھ چکیں۔ حضرت عائشہ بولیں۔ نہیں۔ حضورؐ کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ ہی تھک گئیں۔

حضرت عائشہ سے حضورؐ نے ایک دفعہ فرمایا۔ جب تم خفا ہوتی ہو تو اظہار کرو یا نہ کرو میں جان جاتا ہوں۔ حضرت عائشہ نے پوچھا۔ کیسے جان جاتے ہیں آپ؟ فرمایا خوشی کی حالت میں قسم کھاتی ہو تو کہتی ہو۔ "محمدؐ کے خدا کی قسم" اور خفگی کی حالت میں قسم کھاتی ہو تو کہتی ہو "ابراہیمؑ کے خدا کی قسم"۔

ازواج مطہرات پر اللہ تعالےٰ کا بڑا کرم تھا۔ حضورؐ اور ازواج مطہرات کے درمیان اللہ ایسا نظر آتا ہے جیسے بزرگ خاندان اپنے

Marfat.com

خردوں کے درمیان بیٹھا نصیحتیں کر رہا ہو:- یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ ط ذٰلِکَ اَدْنٰۤی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ط اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور تمام مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ سر کے اوپر کے کپڑے کو ذرا آگے کی طرف نیچا کر لیا کریں۔ یہ گھونگھٹ اُن کی شناخت بن جائے گا اور پھر کوئی اُنھیں چھیڑے گا نہیں —— وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃِ ط اے ازواج نبی! اللہ کی وہ آیتیں اور حکمت کی باتیں جن کا چرچا تمھارے گھروں میں (ہر وقت) رہتا ہے تمھیں خاص طور سے یاد رکھنی چاہئیں۔ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ یُّضٰعَفْ لَھَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ ط وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا ہ وَمَنْ یَّقْنُتْ مِنْکُنَّ لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِھَآ اَجْرَھَا مَرَّتَیْنِ لا وَاَعْتَدْنَا لَھَا رِزْقًا کَرِیْمًا ہ اے ازواج نبی! جو تم میں سے کوئی کھلی بیہودگی کرے گی اُسے (عام عورتوں کی نسبت) دوگنی سزا دی جائے گی۔ اور یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے (کہ سزا کو دوگنا کردے) اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرماں بردار رہے گی اور نیک عمل کرے گی، ہم اُسے جزا بھی دوگنی دیں گے، اور ہم نے اُس کے واسطے بہترین رزق تیار کر رکھا ہے۔ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ

Marfat.com

كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۚ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى۔ اے ازواجِ نبی! تم تقوےٰ اختیار کرو تو پھر تم معمولی عورتیں نہیں ہو۔ تمھیں چاہیئے کہ (نامحرم مردوں سے بات کرتے وقت) گفتگو کے لہجے کو نرم نہ بننے دو۔ کیوں کہ (عورت کے نرم لہجے سے) ایسے مرد جو دل کے کھوٹے ہوتے ہیں بُری باتیں سوچنے لگتے ہیں۔ تمھیں چاہیئے کہ عام قاعدے کے مطابق لہجہ رکھو۔ اور تم اپنے گھروں میں رہا کرو۔ زمانہ جاہلیت کی طرح اِدھر اُدھر ماری ماری مت پھرا کرو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ جنھوں نے (عائشہ کے خلاف) بہتان باندھا ہے وہ تم ہی میں کا ایک گروہ ہے۔ (خیر کچھ مضائقہ نہیں) تم اس (طوفانِ بے تمیزی) کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھو۔ بلکہ (نتیجے کے اعتبار سے) یہ تمھارے حق میں اچھا ہے۔

گھریلو زندگی کے تحت ازواجِ مطہّرات کے ساتھ تھوڑا سا ذکر حضورؐ کی اولاد کا بھی سُن لیجیے۔ دوستوں کا ذکر کسی دوسرے مضمون میں کروں گا۔ اولاد سے حضورؐ کا برتاؤ یہ تھا کہ حضرت امامہؓ حضورؐ کی ایک نواسی تھیں۔ سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ کی بیٹی۔ حضورؐ بعض اوقات

Marfat.com

اُنھیں دوشِ مُبارک پر بٹھلائے بٹھلائے نماز پڑھنی شروع کر دیتے تھے۔ رکوع میں جاتے تو اُتار دیتے اور قیام کرتے تو پھر چڑھا لیتے۔[۱]

چھوٹی بیٹی[۲]، حضرت فاطمہ رض اور اُن کے بچّوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین، علیہم السلام سے تو محبّت کی انتہا نہیں تھی حضرت

---

[۱] یہ اُس زمانے کی بات ہے جب نماز میں اور بہت سی باتیں بھی جائز تھیں۔ اب ہمارے سامنے نماز کی تکمیل شدہ شکل ہے۔

[۲] حضورؐ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے چار لڑکے تھے اور چار لڑکیاں۔ حضرت قاسم۔ حضرت طاہر۔ حضرت طیّب۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت زینب رض۔ حضرت رقیہ رض۔ حضرت ام کلثوم رض۔ حضرت فاطمہ رض۔ لڑکے چاروں اوائل عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ لڑکیوں نے بھی زیادہ عمریں نہیں پائیں۔ حضرت فاطمہ کے سوا حضورؐ کی وفات کے وقت کوئی صاحبزادی زندہ نہیں تھیں۔ حضرت فاطمہ حضورؐ کے بعد چھ مہینے زندہ رہیں۔ اُن کی عُمر کُل اُنتیس تیس برس کی ہوئی —— حضرت زینب رض کے شوہر ابوالعاص عرصہ دراز تک اسلام نہیں لائے تھے۔ حضرت زینب کو ابوالعاص نے مکّے میں روک رکھا تھا، ابوالعاص جنگ بدر میں مسلمانوں سے لڑنے آئے اور گرفتار ہوئے تو حضرت زینب نے اپنا ہار بطور فدیہ بھیجا اور ابوالعاص کو چھڑایا۔ اِس کے بعد ابوالعاص نے حضرت زینب کو مدینے جانے کی اجازت دے دی۔ پھر ابوالعاص ایک سریہ میں پکڑے گئے۔ اور بالآخر اسلام قبول کیا۔

حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم یکے بعد دیگرے حضرت عثمان غنی رض سے بیاہی گئیں۔ اسی لئے حضرت عثمان ذوالنورین کہلاتے ہیں۔ حضرت فاطمہ رض حضرت علی مرتضیٰ رض کی اہلیہ تھیں۔

Marfat.com

فاطمہ رض جب حضورؐ کے پاس آتی تھیں تو حضورؐ فرطِ محبت سے کھڑے ہو جاتے تھے اور اپنی جگہ اُن کے لئے چھوڑ دیتے تھے۔ اُنھیں اپنی جگہ بٹھاتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت علی رض نے حضرت فاطمہ پر کچھ سختی کی۔ حضرت فاطمہ شکایت لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضرت علی بھی پیچھے پیچھے پہنچ گئے۔ حضورؐ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا۔ بیٹی! تمھیں سمجھنا چاہیئے کہ شوہر بیویوں کو غصّہ دکھایا ہی کرتے ہیں۔ اس مختصر سے فقرے کا حضرت علی پر اتنا اثر پڑا کہ اُنھوں نے حضرت فاطمہ سے کہا۔ آئندہ میں تمھارے مزاج کے خلاف کوئی بات نہیں کروں گا۔ حضورؐ ہمیشہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ کی اسی طرح صفائی کرا دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضورؐ حضرت علی کے گھر میں گھُسے تو ملول سے تھے۔ گھر سے نکلے تو بشاش نکلے۔ لوگوں نے دریافت کیا۔ ملال کا کیا سبب تھا اور بشاشت کا کیا سبب ہے۔ فرمایا۔ علی اور فاطمہ میں رنجش تھی۔ صفائی ہو گئی۔

حضرت ابراہیم حضورؐ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ حضرت ماریہ قبطیہ رض کے بطن سے۔ حضرت ابراہیم نے ڈیڑھ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ اُن پر نزع طاری ہوئی تو حضورؐ نے گود میں لے لیا اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رض نے کہا۔ یا رسول اللہ! آپؐ روتے ہیں۔ فرمایا:۔ یہ رونا رحمت کا رونا ہے

Marfat.com

ہے [1] زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہیں نکلے گا جسے اللہ ناپسند کرے۔

ایک دفعہ حضورؐ حضرت امام حسینؑ کو پیار کر رہے تھے۔ قرع بن حابس نے کہا۔ میرے دس بچے ہیں، میں نے کبھی کسی کو پیار نہیں کیا۔ فرمایا۔ جو اوروں پر رحم نہیں کرتا وہ اللہ کے رحم سے محروم ہو جاتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے۔ حسنین میرے گلدستے ہیں۔ حضورؐ اُن دونوں کو سینے سے لپٹاتے اور سونگھتے تھے ــــ ایک دفعہ حضرت امام حسن یا حضرت امام حسین دوش مبارک پر سوار تھے۔ کسی کی زبان سے نکلا۔ کیا اچھی سواری ہے۔ فرمایا۔ سوار بھی کیسا ہے۔

ایک دفعہ حضرت امام حسن یا امام حسین حضورؐ کے پیروں پر پیر رکھے کھڑے تھے۔ فرمایا۔ اوپر چڑھ آؤ۔ اُنھوں نے حضورؐ کے سینے پر پیر رکھ دیئے۔

---

[1] حضرت ابراہیم کی رحلت کے دن کا ایک واقعہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔ جس دن حضرت ابراہیم نے وفات پائی تھی اُسی دن اتفاق سے چاند گرہن پڑا۔ لوگ سمجھے۔ حضرت ابراہیم کی موت کا اثر ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اہلِ عرب کا یہ خیال تھا کہ چاند اور سورج جب گہناتے ہیں جب کسی بڑے شخص کی موت واقع ہوتی ہے اُس دن کے گرہن کو اُنھوں نے ابنِ رسول اللہ کی رحلت سے منسوب کر دیا۔ حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حالت غم میں بھی اپنا فرض منصبی نہیں بھولے۔ حضورؐ نے فرمایا:۔

"چاند اور سورج آیات اللہ ہیں۔ اِن سے اللہ پہچانا جاتا ہے۔ اِنھیں گہن کسی کی موت کی وجہ سے نہیں لگا کرتا۔"

Marfat.com

حضورؐ نے مُنہ چوم لیا اور کہا۔ الہٰی! مجھے اِس سے محبّت ہے۔ تو بھی اس سے محبّت کر۔

ایک دفعہ فرمایا:۔ حسین میرا ہے اور میں حسین کا ہوں۔ اللہ اُس سے محبت رکھے جو حسین سے محبّت رکھتا ہے۔

ایک دفعہ فرمایا:۔ یا اللہ! میں حسن کو چاہتا ہوں اور اُسے بھی چاہتا ہوں جو اِسے چاہتا ہے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں۔ میں نے خاندان سے اتنی محبّت کرنے والا دوسرا کوئی شخص نہیں دیکھا جتنی محبّت حضورؐ اپنے خاندان سے کرتے تھے۔ لیکن ساتھ کے ساتھ یہ بھی سُن لیجئے کہ جس طرح حضورؐ کی ازواج مطہّرات کو بادشاہی میں فقیری کرنی پڑتی تھی اُسی طرح حضورؐ کی بیٹی اور نواسے بھی ٹھاٹ کی اور عیش و آرام کی زندگی نہیں گزار سکتے تھے۔ حضورؐ کا دستور تھا کہ جب کبھی مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو بالکل آخر میں حضرت فاطمہ سے ملتے تھے۔ اور جب واپس پہنچتے تھے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ کے ہاں آتے تھے۔ ایک دفعہ کسی غزوے سے لوٹے تو دیکھا کہ حضرت فاطمہ کے دروازے پر ذرا مکلّف پردہ لٹکا ہوا ہے اور حضرت امام حسن و حضرت امام حسین چاندی کے کنگن پہنے پھر رہے ہیں۔ حضورؐ نے حضرت فاطمہ کے گھر میں قدم نہیں رکھا۔ حضرت

Marfat.com

فاطمہ سمجھ گئیں۔ اُنھوں نے پردہ چاک کرڈالا اور صاحبزادوں کے کنگن اُتار لئے۔ صاحبزادے روتے ہوئے حضورؐ کی خدمت میں آئے حضورؐ نے چاندی کے کنگنوں کو ہاتھی دانت کے کنگنوں سے بدلوا دیا اور پھر بیٹی کے گھر گئے۔

حضورؐ ایک روز جنگی قیدی، یعنی لونڈی غلام تقسیم کر رہے تھے۔ حضرت فاطمہؓ حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں۔ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔ کھانا بھی پکاتی ہوں اور پانی کی مشکیں بھی بھر بھر کر لاتی ہوں۔ گھر کی جھاڑو بہارو بھی کرتی ہوں۔ کوئی مددگار عورت مجھے مل جائے تاکہ میرا بوجھ ہلکا ہو۔ حضورؐ نے دلاسا دیا۔ مگر لونڈی نہیں دی۔ حضورؐ اپنے بیوی بچوں کو آرام طلب اور آسائشوں کا خوگر بنانے کے سخت خلاف تھے۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کے لئے سونے کا ہار خریدا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ بیٹی! لوگوں سے کہوانا چاہتی ہو کہ اللہ کے رسول کی بیٹی آگ کا ہار پہنتی ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے ہار فوراً الگ کر دیا۔

حضرت فاطمہ اولاد میں اور حضرت عائشہ بیویوں میں سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ حضرت عائشہ کے پاس بھی دوسری بیویوں کی طرح کپڑوں کا فقط ایک جوڑا رہتا تھا۔ سنہری رو پہلی زیوروں اور بڑھیا اور متعدد لباسوں سے نہ اولاد کو واسطہ تھا اور نہ ازواجِ مطہرات کو۔

Marfat.com

اسلام پُوری قوم کا معیارِ زندگی بلند کرنا چاہتا ہے۔ قوم کے چند افراد، خصوصاً قوم کے سردار، رہبر و پیشوا قومی محاصل سے اپنا معیارِ زندگی اونچا کرکے بیٹھ جائیں یہ اس کی عملی مخالفت تھی کہ حضورؐ اپنا اور اپنی ازواج و اولاد کا معیار قوم کے غریب ترین اشخاص سے کم تر رکھتے تھے۔ اس کے بغیر ناممکن تھا کہ پُوری قوم کا معیارِ زندگی اونچا ہو جاتا۔

حضورؐ نے اپنے لئے تو کبھی کچھ روکا ہی نہیں۔ جو آیا شام تک قومی کاموں میں خرچ کر دیا۔ گھر میں اُسی وقت جاتے تھے جب ایک ایک پیسہ ٹھیک لگا چکتے تھے۔ ازواجِ مطہرات کے اخراجات کے لئے البتہ بنو نضیر کے نخلستان کا تھوڑا سا حصّہ مقرر تھا وہ بکتا تھا اور سال بھر اُس کی آمدنی سے گزارا کیا جاتا تھا۔

Marfat.com

نبیؐ اور نبیؐ کے قول و عمل کا مُقام

اُردو زبان کی ایک کہاوت ہے۔ دِلّی کی پُرانی عورتیں اِسے بہت بولا کرتی تھیں۔ "اللہ کو دیکھا نہیں، عقل سے پہچانا" عقل سے اللہ تعالیٰ صرف پہچانا جاسکتا ہے کہ زمین و آسمان کا کارخانہ خود بخود نہیں بن گیا اور خود بخود نہیں چل رہا۔ کسی نے اِسے بنایا ہے اور وہی اِسے چلاتا ہے۔ اور وہ بڑا صاحبِ قدرت ہے ـــــ لیکن اللہ تعالےٰ کیسا ہے۔ یہ بتانا ممکن نہیں ہے۔ بغیر دیکھے بھلا کوئی کیوں کر بتا دے ـــــ علیٰ ہذا نبی کو بھی بس پہچانا جاسکتا ہے۔ نبوّت کی ماہیّت کو سمجھنا اور سمجھانا محال ہے۔

نبی یقیناً انسان ہوتا ہے۔ انسانوں کی طرح جنم لیتا ہے۔ انسانوں کی طرح پلتا بڑھتا ہے اور انسانوں کی طرح جیتا مرتا ہے۔ بہ ایں ہمہ عام انسانوں میں اور اُس میں بڑا فرق ہے۔ اتنا فرق کہ فرق کا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ عام انسان تک تو سب یکساں ہوتے نہیں۔ دیوانوں اور فرزانوں بدوں اور نیکوں، سب کو اعضاء یکساں ملتے ہیں۔ لیکن رُوح یکساں

Marfat.com

نہیں ملتی۔ نبی فرزانوں میں ایسا فرزانہ اور نیکوں میں ایسا نیک ہوتا ہے کہ اُس کی فرزانگی اور نیکی کے تصور سے انسانی دماغ عاجز ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حکم دیا۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (الخ) کہو کہ میں تم جیسا انسان ہوں (البتہ) مجھ پر (یہ یہ) وحی آئی ہے —— حضورؐ انسانوں میں شامل ہیں۔ مگر انسانوں سے ممتاز ہیں۔ کیونکہ حضورؐ پر وحی آتی تھی۔ انسانوں میں ممتاز نہیں۔ انسانوں سے ممتاز ہیں۔

اگر کہوایا جاتا کہ میں تم جیسا انسان ہوں مگر تم سے زیادہ قوی ہوں۔ تم سے زیادہ عاقل ہوں۔ یا تمھارا بادشاہ اور حاکم ہوں۔ تو تصور کر لیا جاتا۔ انسانوں میں جو ممتاز ہو اُس کا تصور ہم کر لیتے ہیں۔ ارسطو و افلاطون اور شاہ جہاں و اورنگ زیب کا تصور مشکل نہیں ہے۔ لیکن جو انسانوں سے ممتاز ہو اُس کا تصور اُس ہی کی صف کے لوگ کر سکتے ہیں۔ یعنی نبی ہی جانتے ہیں کہ نبوت کس شان کا امتیاز ہے —— جیسے ایک شئے سے واسطہ نہ پڑا ہو وہ اُس شئے کی ماہیت کیا بتائے گا۔ آپ بُو کی کیفیت اور کھانے کی لذت سنگھائے اور چکھائے بغیر نہیں بتا سکتے تو وحی تو سونگھی اور چکھی بھی نہیں جا سکتی۔ لہذا —— اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کا یقین کرنے کے ساتھ يُوْحٰٓى اِلَيَّ کی طرف نظر رکھنی چاہیئے۔ يُوْحٰٓى اِلَيَّ حضور سرور کائنات

Marfat.com

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور ہر نبی کو دوسرے انسانوں سے اس طرح ممتاز کر دیتا ہے جس طرح انسان حیوانوں سے ممتاز ہے۔

آجکل کے مسلمانوں اور خلفائے راشدین میں شاید ایک آدھ وصف مشترک نکل آئے لیکن خلفائے راشدین کی یہ مجال نہیں ہے کہ انبیاء کی صف میں کھڑے ہو جائیں[1]۔ اولی الامر کو مامور من اللہ سے کیا نسبت۔ انبیاء کی نوع ہی الگ ہے۔ ؏

نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ اینجا!

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ۔ یہ (نبوت) اللہ کا فضل ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے مختص کر لیتا ہے۔ نبی کا انتخاب امیر اور حاکم کی طرح انسانوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ امیر اور حاکم معصوم تھوڑا ہی ہوتے ہیں۔ انھیں تو منتخب کرنے والے معزول کر سکتے ہیں۔ بلکہ منصب نبوّت محنت اور کوشش یا عبادت و ریاضت سے بھی نہیں ملتا۔ نبی قوائے نبوت پیدائش کے وقت ساتھ لاتا ہے۔ حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ "میں اُس وقت نبی تھا

---

[1] حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ برسرِ منبر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے سو فی صدی صحیح ہوا کرتی تھی کیونکہ وہ رائے اللہ انھیں بتاتا تھا اور ہماری رائیں محض ظن اور تکلف پر مبنی ہیں۔

Marfat.com

جب آدمؑ منزلِ آب و گل میں تھے۔"

اسے محنت و کوشش اور عبادت و ریاضت کی تنقیص مت سمجھئے۔ مطلب یہ ہے کہ نبوّت اکتسابی شئے نہیں ہے۔ عبادت و ریاضت سے انسانیت ترقی کر سکتی ہے۔ روحانیت بڑھ سکتی ہے۔ انسان ولی بن سکتا ہے۔ لیکن نبی نہیں بن سکتا۔ جس طرح فرشتہ نہیں بن سکتا۔ یہ اللہ کا کام ہے کہ جسے چاہے جانور پیدا کر دے۔ جسے چاہے انسان پیدا کر دے۔ اور جسے چاہے نبی پیدا کر دے۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَہٗ۔ اللہ ہی خوب واقف ہے کہ اپنی پیامبری کا منصب کسے دے۔

انبیاء نبوّت پانے سے قبل جو عبادت و ریاضت کیا کرتے تھے وہ بیشک اللہ اُن سے قبولیت وحی کی استعداد بڑھانے کے لئے کراتا تھا۔ مگر انبیاء کی ریاضتیں ایسی ہیں جیسے انسان انسانیت کے ممکن الحصول کمالات حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرے۔ جب عام انسان اللہ کو خالق مان لینے کے بعد اللہ کے آگے جُھکتا ہے اور چاہتا ہے کہ حق بندگی بجا لاؤں تو نبی تو نبی ہے۔ نبی ہونے والے انسان سے زیادہ حق بندگی ادا کرنے کا احساس اور کسے ہوگا۔ المختصر نبوّت عبادت و ریاضت کے صلے میں نہیں عطا کی جاتی۔ عبادت و ریاضت آثار نبوّت میں سے ہے اور نبی پر لازم ہے کہ وہ عبادت و ریاضت کرے لیکن عبادت و ریاضت کے لئے لازم نہیں ہے

Marfat.com

کہ اس کا کرنے والا نبی بن جائے۔ اچھا نسب، خوش شکلی، نیک طینتی۔ معتدل مزاجی، سنجیدگی و متانت۔ راست گفتاری، امانت داری وغیرہ بھی آثارِ نبوت میں ہیں۔ لیکن ضروری نہیں ہے کہ ہر صحیح النسب، خوب صورت، نیک طینت، معتدل مزاج، سنجیدہ و متین، راست گفتار اور امانت دار نبی ہو۔ نبی کے محاسن قبل از بعثت اور غیر نبی کے محاسن میں کچھ نہ کچھ فرق رہ ہی جاتا ہے غیر نبی ٹھوکر کھائے پر کھائے۔ اور نبی کی شان یہ ہے۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰی۔ تمہارے ساتھی (محمد رسول اللہ) نہ (کبھی) گمراہ ہوئے اور نہ (کبھی) بہکے۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ اُن کی نگاہ صراطِ مستقیم سے (کبھی) نہیں ہٹی اور اُنہوں نے (کبھی) سرکشی نہیں کی۔

نبی قبل نبوت انتہائی سعید ہوتا ہے۔ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ۔ شروع سے اللہ تعالےٰ اُس کی خاص نگرانی رکھتا ہے۔ اس کا دماغ غلط بات نہیں سوچتا اور اُس کی آنکھ ٹیڑھا راستہ نہیں پکڑتی۔ اسے ایک روشنی [1]

---

[1] علمائے اسلام نے اسی روشنی کا نام وحی خفی رکھا ہے۔ وحی خفی کی چند مثالیں پارہ عم یتساءلون کی قریباً تمام سورتیں مکی ہیں۔ لیکن یہ پارہ ترتیب میں تیسواں اور آخری پارہ ہے اور سورۃ تَبَّتْ یَدَا کو تیسویں پارے کی بھی صرف تین سورتوں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَق اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس سے پہلے جگہ ملی ہے۔ حالانکہ تَبَّتْ یَدَا کے نزول کا زمانہ بالکل ابتدائی تھا۔ غرضکہ سب جانتے ہیں کہ قرآن مجید کی ترتیب تنزیل کے مطابق نہیں ہے۔ قرآن مجید تھوڑا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

دی جاتی ہے۔ جو غیر نبی کو نہیں دی جاتی اور نبوت کے بعد خواہ اسے کتنا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۸۰ کا) تھوڑا نازل ہوتا رہتا تھا اور حضورؐ حکم دیتے رہتے تھے کہ فلاں آیت فلاں آیت کے آگے رکھ دو۔ حضورؐ کا یہ عمل اسی روشنی یا وحی خفی کے تحت تھا۔ کیونکہ یوں ترتیب دینے کا حکم وحی جلی (قرآن مجید) میں نہیں ہے۔ البتہ یہ ذکر قرآن مجید میں ہے کہ محمدؐ کو اپنی طرف سے قرآن میں ردو بدل کا اختیار نہیں ہے۔ محمدؐ فقط وحی کے تابعدار ہیں۔ ارشاد ہے:۔ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ۔ (۲) یا ایک آیت ہے۔ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ۔ یعنی ورثہ، وصیت اور قرض کی رقم ادا کر کے تقسیم ہونا چاہیئے۔ اس آیت کی رُو سے وصیت مقدم ہے اور قرض مؤخر۔ مگر حضورؐ نے عملاً قرض کو مقدم کر دیا اور وصیت کو موخر۔ اس تقدیم و تاخیر کی قرآن مجید میں ہدایت نہیں ہے۔ لیکن حضورؐ نے وحی خفی کے ذریعہ ترتیب بدل دی (۳) ایک آیت ہے۔ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ۔ یعنی جب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی کسی بیوی سے رازدارانہ طور پر کوئی بات کہی (اور اُن بیوی نے اسے راز نہ رکھا) اور جب نبیؐ نے (اللہ کی ظاہر کی ہوئی) بات کا کچھ حصہ (اُن بیوی سے) بیان کیا اور کچھ حصہ بیان نہیں کیا۔ (خیر) جب نبیؐ نے اُن بیوی کو جتایا تو بیوی نے پوچھا آپ سے کس نے کہا۔ نبیؐ نے جواب دیا۔ یہ مجھ سے علیم وخبیر (اللہ) نے کہا ہے۔ اللہ کا یہ کہنا جس کی طرف قرآن میں اشارہ ہے قرآن میں نہیں ہے۔ وہ وحی خفی کے ذریعہ کہا گیا تھا۔ (۴) اللہ تعالےٰ نے

Marfat.com

ہی اقتدار مل جائے اُس میں غرور و تکبّر ، درشت مزاجی اور جفاکاری نہیں آتی - وہ ذرا سی لغزش کرتا ہے[1]

جب بیت المقدس کی بجائے بیت الحرام کو قبلہ بنانے کا حکم فرمایا تو بیت المقدس کے سابقہ تقرر کا ذکر ان الفاظ میں کیا کہ جس قبلہ کی طرف (رُخ کرکے) تم (اب تک نماز پڑھتے) تھے اُسے ہم نے (عارضی طور پر) صرف اس لئے (قبلہ) مقرر کر دیا تھا کہ دیکھیں کون (الخ) وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ کُنْتَ عَلَیْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ (الخ) حالانکہ بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم قرآن میں نہیں ہے - یہ حکم بھی وحی خفی کے ذریعہ آیا تھا - قرآن مجید میں ہے - مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ - یعنی کوئی انسان اس قابل نہیں ہے کہ بجز ان تین طریقوں کے (براہ راست) اللہ سے ہم کلام ہو سکے - (۱) یا وحی آئے گی (۲) یا پردے کے پیچھے سے بات کی جائے گی - (۳) یا پیغام رساں (جبریل فرشتے) کو بھیجا جائے گا اور وہ اللہ کی اجازت سے اللہ کی مشیّت کے مطابق وحی کریں گے - مطلب یہ نکلا کہ حضرت جبریلؑ ہی وحی نہیں لاتے تھے - اُن کے توسط کے بغیر بھی وحی آتی تھی - وہی وحی خفی تھی - نیز پردے کے پیچھے سے بھی ہم کلامی ہوتی تھی جیسی حضرت موسیٰؑ سے کوہ طور پر ہوئی تھی -

[1] نبیوں سے بھول چوک اس سے زیادہ نہیں ہوا کرتی تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بیٹے کو ڈوبتے دیکھا تو چیخ اُٹھے - الٰہی ! یہ میرا بیٹا ہے - اللہ نے سمجھا دیا کہ بیٹا تو ہے مگر بد اعمال ہے - اس لئے تمہارا اہل اور ساتھی نہیں ہے - اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ - اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ - حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ساحروں کے سانپ دیکھے تو ڈر گئے - اللہ نے اطمینان دلا دیا - لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی - حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ایک غریب نابینا اُمتی کی بات نہ سُنی مُنہ پھیر لیا اور تیور چڑھا لی - آیت نازل ہو گئی - عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی -

(بقیہ نوٹ صفحہ ۸۳ پر)

Marfat.com

تو فوراً ٹوک دیا جاتا ہے۔ اُسے صراطِ مستقیم سے بال برابر نہیں ملنے دیا جاتا۔

جس طرح حیوانوں پر نوعِ انسان کو نُطق اور عقل و دماغ اور ذی اختیاری کے سبب فوقیت حاصل ہے اسی طرح انسانوں پر انبیاء نبوت کی وجہ سے فائق ہیں۔ انبیاء کو اللہ تعالیٰ جو دماغی توازن اور عقلی و روحانی قوت دیتا ہے وہ دوسرے انسانوں کو نہیں دیتا۔ انبیاء ولادت سے وفات تک راہِ راست پر خود ہی قائم نہیں رہتے، اوروں کو راہِ راست پر لانے کی اللہ تعالےٰ اُنھیں غیر معمولی قابلیت بخشتا ہے۔ انبیاء اچھے بُرے اور صحیح و غلط میں تمیز کرنے کی حقیقی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اُن کا علم وجدانی ہوتا ہے۔ وہ اچھائی بُرائی کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح انسان بھوک اور پیاس کو جانتا ہے جس طرح انسان حرکت کرنے کیلئے ارادے اور اختیار کا محتاج ہے اسی طرح ارادے اور اختیار کو صحیح راستے پر لگانے کیلئے نبی کا ضرورت مند ہے۔ نبی کی رہنمائی کے بغیر سمجھدار سے سمجھدار انسان بہیمت کے پھندے سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ اور اس کی ملکوتی قوت بہیمی قوت پر غالب نہیں آسکتی۔

اللہ کا ہر انسان قائل ہے۔ یا ہر انسان کی فطرت میں اللہ سے تعلق کا ایک جوہر موجود ہے۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا (قرآن) اور کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام (حدیث)

(بقیہ صفحہ ۸۲ کا) یا حضور ﷺ نے شہد نہ کھانے کا عہد کر لیا۔ آیت اُتری۔ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ۔ جسے اللہ نے حلال کیا ہے اُسے تم (اپنے اوپر) کیوں حرام کرتے ہو۔

Marfat.com

اللہ کے اقرار پر انسانی فطرت مجبول و مجبور ہے۔ کوئی اللہ کہہ کر مانے یا خدا کہہ کر۔ گاڈ کہہ کر مانے یا پرمیشور کہہ کر۔ اللہ کے وجود کا منکر بھی ایک طاقت کا مُقر ہے۔ دولت اور اقتدار کے نشے میں سرشار ہو جانے والوں کو بھی کبھی نہ کبھی اللہ کا سہارا ڈھونڈنا پڑ جاتا ہے۔ لہٰذا اسلام محض اللہ کو ماننے اور اللہ کے آگے جھکنے کا نام نہیں ہے۔ اسلام نام ہے اللہ کو اُس طرح ماننے اور اللہ کے آگے اُس طرح جُھکنے کا جس طرح اللہ کے رسولؐ نے بتایا ہے۔ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَقَدْ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ بالکل بجا سہی۔ مگر یہ کس کا قول ہے۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔ یہ قول صحیح جب ہے جب اس کے کہنے والے کو سچا تسلیم کر لیا جائے۔ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَقَدْ دَخَلَ الْجَنَّۃَ کا مطلب ہوا کہ محمدؐ رسول اللہ کے قول کے مطابق اللہ کی وحدانیت کا قائل جنّتی ہے۔ اس قول کے صحیح تسلیم کرنے میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول اللہ تسلیم کرنا مضمر ہے[1]۔ اللہ کو واحد بھی بہت سے غیر مسلم مانتے ہیں۔ اللہ

---

[1] نہ صرف رسول اللہ تسلیم کرنا مضمر ہے بلکہ یہ بھی مضمر ہے۔ کہ اگر کوئی اللہ کا اس طرح قائل ہو گیا، جو قائل ہونے کا حق ہے، یعنی جسے اللہ کی ذات وصفات کی سچی معرفت حاصل ہو گئی، وہ پھر اللہ اور اُس کے رسولؐ سے سرکشی نہیں کر سکتا۔ اُس کا ہر عمل پھر اللہ اور اللہ کے رسول کی منشا کے مطابق ہی ہو گا۔ اور اُسے صحیح معنوں میں ھُدی اللہ ہاتھ آ جائے گی۔

Marfat.com

کا واحد ماننا اسلام کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ اللہ کا واحد ماننا اسلام اور بہت سے اور مذاہب میں مشترک ہے۔ مسلمان کو نا مسلمان سے متمیز کرنے والا حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ماننا ہے۔ پہلے حضورؐ کو پہچانئے اور حضورؐ کی ہدایتوں کو سمجھئے۔ پھر حضورؐ کے ذریعہ اور حضورؐ کی ہدایتوں کے تحت اللہ تک پہنچئے ع

امتیاز ما زنام مصطفٰے است!

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ اے محمدؐ! کہو کہ تم اگر اللہ سے محبّت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبّت کرے گا۔

حضورؐ کی معرفت قرآن مجید، اللہ کا بنایا ہوا ضابطۂ حیات آیا اور حضورؐ نے اپنے قول و عمل اور رولنگز (Rulings) سے اُسے سمجھایا۔ اُس کی مراد متعیّن کی[1] قرآن مجید کو حضورؐ نے لفظ بہ لفظ لکھوا دیا۔ اور حفظ کرا دیا۔ اُس کی حفاظت کا یہاں تک اہتمام فرمایا کہ ایک دفعہ کہا کہ قرآن کے علاوہ

---

[1] مثلاً قرآن مجید کی ایک آیت ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ۔ جو لوگ ایمان لے آئے اور اُنھوں نے اپنے ایمانوں میں ظلم کی آمیزش باقی نہیں رکھی۔ وہی لوگ ہیں کہ اُن کے لئے امن ہے اور وہ راہ ہدایت پر ہیں اس آیت میں ظلم سے مراد اگر معمولی گناہ ہے تو معمولی گناہ باستثنا انبیار کون نہیں کرتا۔ پھر امن کسے ملا اور راہ ہدایت کس نے پائی۔ حضورؐ نے ظلم کے معنی متعین کر دیئے۔ اور اس آیت میں ظلم کے معنی شرک بتائے۔

مجھ سے جو کچھ اور سنو اُسے مت لکھو اور کچھ لکھ لیا ہو تو تلف کر دو۔ لا تکتبوا عنی سوی القرآن ومن کتب عنی شیئاً فلیمحہ[۱] منشاء یہ تھا کہ قرآن مجید میں قرآن مجید کی توضیحیں اور تشریحیں نہ رَل مِل جائیں۔ قرآن کو اپنی اصلی حالت میں رہنا چاہیئے۔ توضیحوں اور تشریحوں کو لکھنے لکھانے کی حضورؐ کی موجودگی میں ضرورت بھی کیا تھی۔ چنانچہ حضورؐ کے زمانے میں یعنی تکمیل قرآن کے وقت تک حضورؐ کے اقوال و اعمال اور رد لنگز بالالتزام اور تعمیم کے ساتھ قلمبند نہیں کیئے گئے۔ صحابہ ذاتی طور پر نوٹ کرتے رہے اور یاد رکھتے رہے۔ یاد رکھنے کے اعتبار سے عربوں کا دُنیا میں جواب نہیں تھا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس نے عمر بن ابی ربیعہ کا ستر اشعار کا قصیدہ صرف ایک دفعہ سُن کر یاد کر لیا تھا۔ جس طرح آج ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قسم کے حافظے بھی ہو سکتے ہیں اسی طرح حضرت ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ آدمی

---

[۱] یہ حدیث یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ آگے ہے وحدثوا عنی ولا حرج و من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار میری باتوں کو بیان کرتے رہو۔ اس میں حرج نہیں ہے۔ ہاں یہ یاد رکھو کہ جو مجھ سے غلط بات منسوب کرے گا اُس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا ــــــ نشا صرف اس قدر تھا کہ جب تک قرآن مجید نہ لکھ لیا جائے احادیث کو لکھو مت۔ بیان کرو۔ منشا احادیث کو کالعدم کرنا نہیں تھا ورنہ کتابت کی طرح روایت سے بھی روک دیتے اس کے برعکس حکم ہوا کہ روایت کی جائے۔ البتہ جھوٹی روایت نہ کی جائے۔

Marfat.com

ایک دفعہ کوئی بات سُنے اور اُسے یاد نہ رکھے۔ کیا ایسا بھی ممکن ہے۔ شعبی کہتے ہیں کہ میں شعر سُنانے چاہوں تو مہینہ بھر مسلسل سُنا سکتا ہوں اور ایک شعر بھی مکرر نہیں پڑھوں گا۔

زمانہ جاہلیت کا جتنا ادبی ذخیرہ آج موجود ہے۔ سب عربوں کی یادداشت سے جمع کیا گیا ہے۔ عرب اونٹوں اور گھوڑوں کے نسب تک یاد رکھتے تھے تو حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اقوال و اعمال اور رولنگز یاد رکھنے انھیں کیوں دشوار ہوتے۔ اُنھوں نے حضورؐ کے اقوال و اعمال اور رولنگز کو ایسا یاد رکھا جو یاد رکھنے کا حق تھا۔ دنیا کی کوئی قوم اس کی نظیر نہیں پیش کرسکتی۔ حکمت و موعظت سے لے کر ایسی باتیں تک محفوظ ہیں کہ حضورؐ کس طرح چلتے تھے۔ کس طرح بیٹھتے تھے۔ لیٹتے تھے تو پاؤں پر پاؤں ہوتا تھا یا نہیں۔ حضورؐ کے سوا بھلا ایسے عشاق کیسے مل سکتے ہیں جو اتنی معمولی معمولی باتوں کو بھی حرزِ جان بنالیں۔ اور آنکھوں والے کے لئے اِن باتوں میں بھی حکمت و موعظت کے خزانے پنہاں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک انتظام تھا۔ اور کسی نبی کا ریکارڈ محفوظ نہیں ہے۔ اور نبیوں کے ریکارڈ کی ضرورت کیا تھی صرف خاتم النبیین ہی کا ایسا مکمل ریکارڈ رہنا چاہیئے تھا۔ تاکہ قیامت تک کے لوگوں کی رہنمائی ہو سکے اور زندگی کے ہر مرحلے کی رہنمائی ہوسکے۔

قرآن مجید مکمل اور منضبط ہو چکا اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وآلہ وسلم عالم فانی سے عالم باقی تشریف لے جا چکے تو احادیث کے بیان کا زیادہ موقع آیا۔ احادیث بیان حضورؐ کے زمانے میں بھی کی جاتی تھیں۔[۵۱] جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے۔ کہ مجھ سے غلط بات منسوب کرنا جہنمی بننا ہے۔[۵۲] صحابہ جو سنتے تھے اور دیکھتے تھے وہ ایک دوسرے سے ضرور بیان کرتے تھے۔ لیکن حضورؐ کی وفات کے بعد احادیث کے بیان کی ضرورت قدرتاً بڑھ گئی۔[۵۳] اوّل تو حضورؐ کا ذکر باعث تسکین تھا۔ دوم قرآن مجید کے مطالب سمجھنے کے لئے

---

۵۱ بلکہ حضرت ابوشاہ یمنی رضؓ کو خود حضورؐ نے کچھ احکام لکھوائے تھے اور کتاب الصدقات لکھوا کر حضورؐ نے عمرو بن حزم انصاری رضؓ کو بھیجی تھی۔

۵۲ حضرت علی مرتضیٰ رضؓ اور حضرت مسلمہ بن اکوع رضؓ راوی ہیں کہ حضور سرور کائنات نے فرمایا "جو شخص مجھ سے غلط بات منسوب کرے، وہ جہنم کی آگ کے واسطے تیار رہے" اور فرمایا کہ مجھ سے (جو سنو، اس میں سے اتنا بیان کرو جتنا بیان کرنا از حد ضروری ہو) زیادہ حدیثیں نہ روایت کرتے پھرو۔ لیکن ان تہدیدوں کے یہ معنی نہیں ہیں کہ نفس روایت ہی کو منع فرما دیا تھا۔ اپنے قول و عمل کو نظر انداز کرا دینے کے معنی تو یہ ہیں کہ حضورؐ کی بعثت غیر ضروری تھی۔ قرآن مجید فرشتوں کے ذریعہ ہر ہر شخص کے گھر پہنچا دیا جاتا اور ہر ہر شخص اسے خود سوچتا سمجھتا رہتا۔

۵۳ احادیث کو کتابی شکل میں سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ نے اپنے گورنر مدینہ امام ابوبکر ابن حزم رضؓ سے جمع کرایا تھا۔ حضرت عمر بن العزیز کی خلافت ۹۹ھ سے ۱۰۱ھ تک رہی تھی۔

Marfat.com

حضورؐ کی بجائے اب حضورؐ کے قول و عمل اور رد لنگز سے سند لینی پڑتی تھی۔
احادیث رسولؐ قرآن پاک ہی کی عملی تفصیل اور قولی تفسیر ہیں۔ اور مسلمانوں کو اللہ کا حکم ہے کہ رسولؐ تمہیں جو ہدایت دیں اسے قبول کرو اور جس بات کو منع کریں اُسے چھوڑ دو۔ وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔
اور اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ[۱]

---

[۱] حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے بعض اقوال و اعمال کی تعمیل و تقلید واجب اور فرض ہے اور بعض کی تعمیل و تقلید مستحب۔ صحابہ کرام نے جو معاملہ حضورؐ کے اقوال و اعمال کے ساتھ کیا۔ وہ ہمارے لئے نمونہ ہے۔ صحابہ اُن چیزوں میں جنہیں اب دین داری کہا جاتا ہے حضورؐ کے اقوال و اعمال کی تعمیل و تقلید حرف بہ حرف اور قدم بہ قدم کرتے تھے۔ طابق النعل بالنعل۔ اور جنہیں اب دنیا داری کہا جاتا ہے۔ جیسے سیاست ہے یا تمدن و معاشرت ہے۔ ان چیزوں میں حرف بہ حرف اور قدم بہ قدم تعمیل و تقلید کی پابندی نہیں کرتے تھے بلکہ حضورؐ کا منشاء سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور منشاء کی پیروی کرتے تھے۔ ایسی دُنیا داری بھی دین ہے۔ دُنیا داری اور دین داری کے الفاظ خدا معلوم کہاں سے چل پڑے ہیں۔ مسلمان اپنے جس کام میں اللہ اور رسولؐ کی خوشنودی مدِ نظر رکھے اس کا وہ کام دین ہے۔ دُنیا کو اللہ اور رسولؐ کے احکام کے مطابق استعمال کرنا اسلام میں دُنیا داری نہیں ہے، دین داری ہے۔ سیاست اور تمدن و معاشرت میں تقاضائے حالات کو پیش نظر رکھنا خود سنت اور دین ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے مسلمانوں کی عقلیں

Marfat.com

صرف اللہ کی طرف نہیں۔ رسولؐ کی طرف بھی رجوع کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ اقوال واعمال رسولؐ پر نظر رکھے بغیر نہ رسولؐ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے اور نہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کی تعمیل کی جا سکتی ہے۔ اقوال

معطّل نہیں کی ہیں۔ بلکہ عقلوں کو استعمال کرنے کی انتہائی آزادی بخشی ہے۔ ابتدائی تین سو سال میں صرف ایسی ہی مثالیں نہیں ملتیں کہ مسلمان مطلق العنان بادشاہوں کے سامنے سینہ سپر ہو جاتے تھے۔ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ اُن کی اندھی تقلید نہیں کرتے تھے جن کے علم وفضل اور تقدس کا لوہا مانتے تھے۔ حتّٰی کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صحابہ کرام رضؓ کی رائیں خطا سے خالی نہیں ہیں۔ تمہیں چاہیئے کہ اُنہیں چھانو پھٹکو۔ خَطَاءٌ وَصَوَابٌ فَانْظُرْنِي ذٰلِكَ۔

ہم اہل ہوں تو اجتہاد کا اور روایات پر جرح قدح کا ہمیں آج بھی حق ہے۔ ہمارے پاس صرف حدیثوں کا انبار ہی نہیں ہے۔ محدثین میں جو اختلافات رہے وہ بھی محفوظ ہیں۔ اور ہر ایک کے دلائل وشواہد کے ساتھ محفوظ ہیں۔ ہم انھیں پڑھ کر اور حالات پر نظر رکھ کر نیک نیتی سے ریسرچ کریں تو کون روکتا ہے۔ جرح قدح اس امر میں کی جا سکتی ہے کہ فلاں قول وعمل اُس ذات والاصفات کا ہو سکتا ہے یا نہیں جس پر قرآن جیسی بلند پایہ اور معیاری کتاب اُتری تھی۔ اور جس کی بابت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرما گئی ہیں كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن۔ یعنی حضورؐ کا قول وعمل بالکل قرآن مجید کے مطابق تھا۔ جرح وقدح اس امر میں نہیں کی جا سکتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے قول وعمل اور قول وعمل کے منشاء کی تعمیل وتقلید کی جائے یا نہ کی جائے۔

Marfat.com

واعمال رسولؐ نظر انداز کردیئے جاتے تو اسلام آدھا رہ جاتا۔ دین کی اندھی شکل بن جاتی۔ حقیقت بے نقاب نہ ہوتی۔

خلفائے راشدین اور اکابر اُمت حضورؐ کی اُس ہدایت کا بڑا خیال رکھتے تھے کہ حضورؐ سے غلط قول و عمل نہ منسوب ہونے پائے۔ قال او کما قال یعنی حضورؐ نے یہ فرمایا۔ یا اس سے کچھ کم۔ یا اس سے کچھ زیادہ۔ یا اس سے ملتا جلتا احادیث کے مجموعوں میں آج بھی لکھا جاتا ہے۔ یہ فقرہ عہد صحابہ کی یادگار ہے۔ چونکہ قرآن مجید کی مانند احادیث کے الفاظ حفظ نہیں کیئے گئے تھے۔ عموماً فقط مفہوم یاد تھا۔[1] صحابہ احادیث بیان کرتے ہوئے لرزتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی زبان سے صرف "قال" نکل گیا۔ "کما قال" کہنا بھول گئے۔ بس پریشانی کا حدوحساب نہیں رہا۔ گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ گریبان کھول دیا اور رونے لگے۔ اور بالآخر "کما قال" کہا۔

ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے بیان کیا:۔

"میں نے حضورؐ سے سُنا ہے کہ تین بار آواز دینے پر بھی گھر میں سے جواب نہ آئے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ جسے بلایا جا رہا ہے وہ اس وقت نہیں مل سکتا۔ اور

---

[1] نظم کے الفاظ یاد رہ جاتے ہیں۔ نثر کے الفاظ یاد نہیں رہتے۔ نثر کا عموماً مفہوم یاد رہتا ہے۔ قرآن مجید ہی فقط ایک نثر ہے کہ طویل ہونے کے باوجود نو نو برس کے مسلمان بچے اسے نظم سے زیادہ آسانی کے ساتھ یاد کر لیتے ہیں۔

Marfat.com

وہاں سے چلا جانا چاہیئے۔"

حضرت عمر فاروق رضؓ نے پوچھا۔ "جب حضورؐ نے یہ فرمایا تھا تو سُننے والے تم اکیلے تھے یا کسی اور نے بھی تمہارے ساتھ سُنا تھا۔ اکیلے تھے تو تم نے اپنے اوپر اہم ذمہ داری لے لی ہے۔ میں اِس کی تمہیں سزا دوں گا۔ اور روایت میں کوئی اور شریک ہے تو اُسے پیش کرو۔"

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ جلیل القدر صحابی ہیں۔ لیکن ذرا سی جرأت کرکے پکڑے گئے۔ وہ گواہ نہ پیش کرتے تو یقیناً سزا پاتے۔[۱]

حضرت ابو ہریرہ رضؓ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضؓ سے کہا کہ حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

---

[۱] اِس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خبرِ واحد (تنہا ایک صحابی کا روایت کرنا) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک کبھی بھی کافی نہیں تھا۔ حضرت عمر نے اپنے فرزند حضرت عبد اللہ رضؓ سے حضرت سعد رضؓ کے متعلق ایک دفعہ فرمایا کہ سعد کسی حدیث کی روایت کریں تو گواہی مت مانگو۔ خبرِ واحد کے معتبر ہونے کی بہت سی مثالیں ہیں۔ حضور سرورِ کائنات ؐ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضورؐ فرما گئے ہیں الامراء من قریش تو گواہی نہیں مانگی گئی اور سب کی گردنیں اس فرمان کے آگے جُھک گئیں۔ علیٰ ہذا جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حج کے موقع پر یہ حکم دیا کہ صرف حج کرو۔ تمتّع نہ کرو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُنھیں جتایا کہ حکم خلافِ سنّت ہے تو تنہا حضرت علی رضؓ کا اعتبار کر لیا گیا اور حکم واپس لے لیا گیا۔

گواہی ہر صحابی کی روایت پر مانگنی لازمی نہیں تھی اور بعض معاملات ایسے ہیں کہ اُن میں زیادہ ردّ و قدح کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فوراً اصلاح کی کہ روایت غلط ہے۔ کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ گرم پانی سے وضو نہیں کیا جا سکتا۔ شاید حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی یہ روایت مروی ہے۔ یا ممکن ہے راوی اور صحابی ہوں۔ مگر مشہور روایت ہے کہ نوحہ کرنے سے مُردے کو عذاب ہوتا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے سُنا تو فرمایا۔ کیا کہتے ہو، قرآن میں ہے لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْریٰ ایک کے قصور کا خمیازہ دوسرا نہیں بھُگتے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ فتح مکّہ سے پہلے کے مسلمان ہیں۔ اور نہایت برگزیدہ صحابی ہیں۔ فتح مکّہ سے پہلے کے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح مکّہ کے بعد کے مسلمانوں پر فوقیت دی ہے۔ لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ۔ لیکن لازمی نہیں تھا کہ فتح مکّہ سے پہلے کے تمام صحابی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے برابر فقیہ بھی ہوتے۔

جس شخص نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بحالتِ اسلام ایک نظر دیکھ لیا ہے اُس کی فضیلت کے ہم کیا ائمہ کرام و اولیائے عظام معترف ہیں۔ تاہم دیکھنے دیکھنے میں فرق ہے جس نے حضورؐ کو دیکھا وہ اُس پر فائق ہے جس نے حضورؐ کو نہیں دیکھا لیکن دیکھنے والوں کے آپس کے امتیاز سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کُل صحابی

Marfat.com

یکساں نہیں تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ کی بصیرت اور دقیقہ رسی کا بدوی صحابی کیسے مقابلہ کر سکتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رض جیسا تفقہ اور اجتہاد کا مادہ ہر ہر صحابی میں نہیں تھا۔ حضرت عائشہ رض میں ملکہ تھا کہ جہاں قرآن مجید کے خلاف حدیث سُنی اور حضرت عائشہ رض نے آیت پڑھی۔ حضرت عائشہ رض صحابہ سے فرمایا کرتی تھیں کہ تم لوگ دروغ گو نہیں ہو لیکن تمہارے کان غلطی کر سکتے ہیں۔

غرض بے حد چھان پھٹک احادیث کے معاملہ میں کی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ جب محدثین احادیث کو مدوّن کرنے بیٹھے تو امام بخاریؒ نے تو چھ لاکھ دو سو[۵۱] حدیثوں میں سے پانچ لاکھ چورانوے ہزار حدیثیں ساقط المعیار قرار دے دیں اور تجسس وتحقیق کی انتہا کر دی۔ محدثین نے آنکھیں بند کر کے روایتوں کو نہیں قبول کر لیا تھا۔ محدثین نے روایتوں کی صحت کا وہ التزام کیا کہ دوسرے اتنا التزام صحف آسمانی کی صحت کا نہ رکھ سکے تھے۔

---

۵۱ حدیثیں چھ لاکھ ریکارڈ کر لی گئی ہیں تاکہ حدیثوں میں مزید اضافہ نہ ہو۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شدید تنبیہ کے باوجود لوگوں نے اتنے سچے جھوٹے قول و عمل حضورؐ سے منسوب کئے کہ یہ بھی ایک وجہ حدیثوں کی تدوین کی تھی۔ تدوین سے حدیثیں وضع کرنے کا دروازہ بند ہو گیا۔ واضعین احادیث میں صرف منافق، اور شریر ہی نہیں تھے نادان دوست بھی تھے۔ جو بات کو قوی تر بنانے کے لئے حدیثیں گھڑتے تھے اور انہیں ایسا پھیلا دیتے تھے کہ اگر کوئی تردید کرتا تو اس کی جان کے لالے پڑ جاتے تھے۔

Marfat.com

روایات کی تحقیق و تدقیق نے درایت اور اسماء الرجال دو فن ایجاد کرا دیئے۔ تقریباً تیرہ ہزار اسماء اُن بزرگوں کے مع حالات جمع کر لئے گئے جنہیں حضور ؐ سرورِ کائنات کی ہم نشینی کا شرف حاصل رہا تھا۔[ف۱] روایتوں کے پرکھنے (یعنی درایت) کا طریقہ یہ تھا کہ جو شخص کوئی واقعہ بیان کرتا وہ یا تو اس واقعہ میں خود شریک ہوتا۔ یا شریک واقعہ تک کُل راویوں کے نام ترتیب وار بتاتا۔ پھر دیکھا جاتا کہ راوی کس قسم کے ہیں۔ اُن کے چال چلن۔ اُن کے پیشے۔ اُن کا علم و فضل۔ اُن کی ثقاہت۔ اُن کی عقل۔ ایک ایک بات کو پرکھا جاتا۔ محدّثین لمبے لمبے سفر کر کے راویوں کے شہروں اور قصبوں میں پہنچتے۔ اور راویوں کے دیکھنے والوں سے راویوں کی بابت پُوچھ گچھ کرتے۔ اور بال کی کھال نکالتے۔ ذرا سا جھکر پڑ جاتا تو اپنی ساری محنت خاک میں ملا دیتے۔ جن سے پُوچھ گچھ کرتے اُن کا بھی جائزہ لیا جاتا۔ مثلاً ایک صاحب تھے، جن سے پُوچھ گچھ کے لئے محدّث نے سفر کیا تھا۔ محدّث کو معلوم ہوا کہ وہ صاحب سجدے میں ہاتھوں کی اُنگلیاں ملا کر نہیں رکھتے۔ محدّث واپس لوٹ آئے کہ جسے نماز پڑھنے کی تمیز نہیں ہے وہ مجھے کیا بتائے گا۔ راویوں کی لڑی میں ایک شخص مشتبہ پایا جاتا تو لڑی کی لڑی توڑ پھینکتے تھے اور جن روایتوں

ف۱ جرمن مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر نے لکھا ہے کہ پانچ لاکھ حضرات ہیں جن کے نام اور حالات روایات کے سلسلہ میں ضبطِ تحریر میں لائے گئے تھے۔

Marfat.com

سے حلال وحرام اور احکام کا تعلق ہوتا اُن کی تحقیق وتعدیل میں تو جانیں لڑا دی جاتی تھیں۔ اور خون پانی ایک کر دیا جاتا تھا۔ احتیاط بلکہ سختی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا تھا۔ جس درجہ کی روایت ہوتی تھی۔ اُسی درجہ کی شہادت طلب کرتے تھے۔[۱]

امام بخاریؒ نے محمد بن اسحٰقؒ جیسے بزرگوں کی روایتیں بخاری میں نہیں لیں۔ ان کا قصور یہ تھا کہ غزوہ خیبر کے واقعات اُنھوں نے ایسے مسلمانوں سے سُن کر لکھ لئے تھے جو غزوے کے وقت یہودی تھے۔

امام زہریؒ، امام مالکؒ کے اُستاد کے اُستاد ہیں اور امام بخاریؒ کے اُستادوں کے اُستاد۔ سنہ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اُنھوں نے مدینہ منورہ

---

[۱] بعض باتیں ہیں جنھیں شاید اُس زمانے میں بالکل قابل اعتنا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مثلاً ازواج مطہرات کی صحیح تاریخ ہائے وفات کا پتہ نہیں چلتا۔ حضرت عائشہؓ کے عقد کے وقت کی عمر جو مشہور ہوگئی ہے اس کی وجہ بھی ممکن ہے یہی ہو کہ اس روایت کو قابل اعتنا ہی نہیں سمجھا گیا۔ عمر کم تھی تو کیا اور زیادہ تھی تو کیا۔ عمر کا ذکر یا عمر کا تفاوت قدیم زمانہ میں اس قابل نہ تھا کہ اُس پر دماغ لڑایا جاتا۔ ایک روایت ہے کہ جس وقت حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعویٰ نبوت کیا ہے اُس وقت حضرت عمرؓ پورے ستائیس سال کے نہیں تھے۔ ستائیسویں سال میں تھے۔ دوسری روایت ہے کہ حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمرؓ کا عقد حضورؐ سرورکائنات سے سنہ ۳ھ میں ہوا۔ یعنی جبکہ حضرت عمرؓ ۲۷ + ۱۳ + ۳ = زیادہ سے زیادہ ۴۳ برس کے تھے۔ تیسری روایت ہے کہ حضرت حفصہؓ کی عمر حضورؐ سے عقد کے وقت ۳۵ برس کی تھی۔ گویا باپ سے صرف ۹ برس کم۔ کسی نے ان تینوں روایتوں کو قبول کرتے وقت صحت کی طرف دھیان نہیں دیا۔

Marfat.com

میں ایک ایک انصاری کے گھر کی کنڈی کھٹکھٹا کر روایتیں جمع کی تھیں۔لیکن امام بخاری نے اُن کی بھی بہت سی روایتوں کو منقطع کہہ کر ناقابلِ قبول بنایا ہے۔

امام وکیع رحنے اپنے باپ کی روایت کو اُس وقت تک تسلیم نہیں کیا جب تک کوئی اور تائید کرنے والا نہ مل گیا۔کیوں کہ اُن کے باپ سرکاری خزانچی تھے۔

مسلمانوں کا محدثین کی بابت یہ عقیدہ نہیں ہے کہ وہ نبیوں کی مانند معصوم تھے۔غلطی کر ہی نہیں سکتے تھے۔قطعی ممکن ہے کہ جن حدیثوں کو اُنھوں نے قبول نہیں کیا ہے اُن میں قبول کرنے کے لائق حدیثیں رہ گئی ہوں اور جن حدیثوں کو اُنھوں نے قبول کرلیا ہے اُن میں ایسی حدیثیں آگئی ہوں،جنھیں قبول نہ کرنا چاہیے تھا[1]۔تاہم جتنی تحقیق و جستجو انسان کے بس کی ہے اِس میں محدثین نے کسر نہیں اُٹھا رکھی۔اتنی تحقیق و جستجو کے باوجود مسلمان احادیث کو قرآن کا درجہ ہرگز نہیں دیتے۔قرآن مجید کی صحت اور احادیث کی صحیح ترین کتاب بخاری کی صحت میں فرق کرنا مسلمانوں کا ایمان ہے۔بخاری کی تعریف میں یہ فقرہ بولا جاتا ہے۔ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ۔قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتاب۔صرف ذہنیت یہ رہنی چاہیئے کہ اللہ کے حکم کے بموجب حضورؐ سرورِ کائنات کے احکام کی تعمیل کرنی ہے۔باقی یہ نہیں ہے کہ عربی زبان کا جو فقرہ مل جائے اُسے حضورؐ

---

[1] ایک ضعیف حدیث ہے کہ جس نے عشق کیا اور پاک دامن رہا اور مرگیا،وہ شہید ہے۔ حافظ ابن القیم اسے جھوٹا ثابت کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔اگر اس کی اسناد آفتاب کی طرح روشن ہوتیں تو بھی وہ غلط اور وہم سمجھی جاتیں۔

Marfat.com

کا قول تسلیم کر لیا جائے اور جس عمل کی بابت کوئی کہہ دے کہ حضورؐ نے ایسا کیا تھا اُسے حضورؐ کا عمل مان لیا جائے۔[1] قرآن مجید کے زیر، زبر، پیش تک اس طرح

---

[1] امام شاطبی رح لکھتے ہیں کہ بعض محدثین نے جن کے مزاج میں حدیث کا رنگ تفقہ پر غالب تھا بہت سے فروعی مسائل میں امام ابو حنیفہ رح پر حدیث کی مخالفت کا الزام لگایا ہے۔ حافظ عبدالبر رح اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اکثر محدثین نے امام ابو حنیفہ رح پر اس لئے طعن کیا ہے کہ اُنھوں نے بہت سے ثقہ شخصوں کی حدیثوں پر عمل نہیں کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ امام صاحب کا دستور تھا کہ وہ خبر واحد کو اُس باب کی دوسری حدیثوں اور قرآن مجید سے ملا کر دیکھا کرتے تھے۔ اگر اُس کا مضمون مطابقت کھاجاتا تو اُس پر عمل کر لیتے ورنہ اُسے قبول نہ کرتے اور اُن کو شاذ حدیث سمجھتے (ترجمان السنہ) ـــــــ کچھ روایتیں ہیں جو طریقۂ اظہار وبیان اور تمدن و معاشرت کے اختلاف کی وجہ سے اُوٹ پٹانگ اور عجیب معلوم ہوتی ہیں۔ اُنھیں اسی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔ اور اُنھیں اپنے طور طریقے اور ذوق پر نہیں گننا چاہیئے۔ بھارت اور پاکستان کے تمام صوبوں میں ہر ہر بات یکساں نہیں ملتی تو عرب تو دوسرا ملک تھا۔ اور ہے۔ ہمارے ہاں بیٹی والوں کی طرف سے رشتہ کا پیغام نہیں جاتا۔ عرب اس تکلف کو ضروری نہیں گردانتے تھے۔ حضرت حفصہؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ اور حضرت ابو بکرؓ سے تحریک کی کہ میری بیٹی سے عقد کر لو۔

ہم اگر کسی ادھیڑ مرد کے متعلق بھی سن پائیں کہ وہ بیوی کی موجودگی میں نہیں، بیوی کے مرجانے کے بعد دوبارہ گھر بسانا چاہتا ہے تو اُس پر ہنسیں گے۔ برخلاف اس کے عرب اسے ناپسند کرتے تھے کہ عورت کو بے بیاہا بیٹھا رہنے دیں۔ عرب مرد عرب عورت سے براہ راست اور بے دھڑک کہہ سکتا تھا کہ "تو اپنے نفس کو میرے واسطے ہبہ کر دے"۔ ہمیں یہ الفاظ

(باقی صہ ۹۹ پر)

Marfat.com

محفوظ ہیں جس طرح حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئے تھے۔ اور

(بقیہ صہ ۹۸ کا حاشیہ) کھٹکتے ہیں۔ حالانکہ عورت دُنیا بھر میں نکاح کے وقت مرد سے جو الفاظ کہتی ہے یا اپنے وکیل کو کہنے کی اجازت دیتی ہے اُن کا مفہوم اس کے سوا اور کیا ہے کہ میں اپنا نفس تیرے واسطے ہبہ کرتی ہوں۔ ایک بات کی عادت پڑ گئی ہے۔ دوسری کی عادت نہیں پڑی۔ روایات کی کسوٹی بھی محدثین نے بتا دی ہے جو آگے ملاحظہ سے گزرے گی۔

بہر حال اسلام ساری دُنیا کو مجبور نہیں کرتا کہ عرب کے طور طریقے ضرور اختیار کئے جائیں۔ طور طریقے تو اب خود عربوں کے وہ نہیں ہیں جو چودہ سو برس قبل تھے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے زمانے کی چند غذائیں مرغوب تھیں۔ لیکن آپ آزاد ہیں کہ اپنے زمانے کی اور اپنی مرغوب غذائیں کھائیں۔ حضورؐ تہہ بند باندھتے تھے اور لمبا کرتا پہنتے تھے۔ یہی حضورؐ کے زمانے کا شریفانہ لباس تھا۔ لیکن اسلام آپ سے نہیں کہتا کہ آپ آج بھی تہہ بند باندھیں اور لمبا کرتا پہنیں۔ حضورؐ سے غیر معمولی محبت ہونے کے سبب حضورؐ کی غذا اور حضورؐ کا لباس اختیار کیا جائے تو زہے نصیب۔ محبت کی افراط اس نوع کے مطالبے بھی کر سکتی ہے۔ مگر اسلام کا مطالبہ فقط اتنا ہے کہ تمدن و معاشرت اور سیاست میں حضورؐ کے قول و عمل کی روح سمجھ لی جائے۔ حضورؐ کی مرغوب غذا کھانی مسنون نہیں ہے۔ غذا کی سادگی اور بہ یک وقت کئی کئی غذائیں نہ کھانا مسنون ہے۔ حضورؐ وہ لباس پہنتے تھے جو اُس زمانے کے سب مسلمانوں کا لباس تھا اور وہ لباس نہیں پہنتے تھے جو اُس زمانے کے مغروروں اور متکبروں کا لباس تھا۔ تو سنت حضورؐ کے لباس کی نقل نہیں ہے۔ سنت اُس لباس کا پہننا ہے جسے سب مسلمان پہن سکیں۔ اور جس لباس کو مغرور اور متکبر جماعتیں پہنیں اُن کا ترک سنت ہے۔ میں پہلے بھی لکھ آیا ہوں کہ حضورؐ کے قول و عمل کی تعمیل و تقلید بعض معاملوں میں حرف

(باقی صہ ۱۰۰ پر)

Marfat.com

اور بخاری میں جو حدیثیں ہیں وہ حضورؐ کی مرتب کردہ نہیں ہیں امام بخاریؒ کی مرتب کردہ ہیں

(بقیہ صد ۹۹ کا حاشیہ) بہ حرف اور قدم بہ قدم کی جاتی ہے۔ اور بعض معاملوں میں قول و عمل کے صرف منشاء کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ تمدن و معاشرت میں بھی کچھ چیزیں ہیں جن کی تعمیل و تقلید حرف بہ حرف اور قدم بہ قدم کی جاتی ہے۔ مثلاً ڈاڑھی بڑھانا اور مونچھیں ترشوانا۔ لیکن تمدن و معاشرت میں زیادہ تر قول و عمل کا منشاء ہی کافی رہتا ہے۔۔ اُوپر میں طریقہ اظہار و بیان کا ذکر کر آیا ہوں۔ چودہ سو برس قبل کے بعض عرب راویوں کا طریقۂ اظہار و بیان ہمارے آجکل کے طریقۂ اظہار و بیان سے مختلف ضرور تھا۔ لیکن عربی میں وہ اب بھی اتنا گراں نہیں گزرتا ہے۔ اور ترجمے کرنے والے چاہتے تو عربی کے مفہوم کو اپنے طریقے سے ادا کر سکتے تھے۔ چودہ سو برس قبل کیا بہت بعد کے علماء اس قسم کے فقرے لکھ جاتے ہیں۔ جن سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ شاید سنّت کو قرآن سے بڑھا دیا ہے۔ علامہ مکحول الدمشقی فرماتے ہیں۔ القرآن احوج الی السنۃ من السنۃ الی القرآن۔ قرآن سنّت کا زیادہ محتاج ہے سنّت کو قرآن کی اتنی احتیاج نہیں ہے۔ علامۃ یحییٰ بن ابی کثیر فرماتے ہیں۔ السنۃ قاضیۃ علی الکتاب ولیس الکتاب قاضیاً علی السنۃ۔ سنّت قرآن کے لئے قاضی (کا حکم) رکھتی ہے۔ قرآن سنّت کے لئے قاضی نہیں ہے۔ مطلب یہ تھا کہ سنّت قرآن مجید کی شارح ہے۔ قرآن سنّت کا شارح نہیں ہے۔ قرآن تو متن ہے اور سنّت مبیّن۔ اس مطلب کے اظہار و بیان کا جو طریقہ ان حضرات نے اختیار کیا وہ اُردو میں (کم از کم آجکل) رائج نہیں ہے۔ پچاس ساٹھ برس قبل تک رائج ہو تو ہو۔ آجکل قرآن تو قرآن اُردو بولنے والے اپنے باپ کو بھی محتاج ہونے کے باوجود، نہیں کہتے کہ باپ میرا محتاج ہے۔ بہرحال قدما کا مقصد احتیاج کا لفظ استعمال کرنے سے شرح کو متن سے بڑھانا ہرگز نہیں تھا۔

(باقی صد ۱۰۱ پر)

Marfat.com

بخاری اور حدیث کی پانچ اور کتابوں کے نام کے ساتھ صحیح کا لفظ لگایا جاتا ہے۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم وغیرہ۔ یہ "صحیح" لفظ غلط کے مقابلہ کا صحیح نہیں ہے۔ یہ محدثین کی اصطلاح ہے۔ اصطلاح میں صحیح ظن غالب کو کہتے ہیں۔

قرآن کی ایک بات کے انکار سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ لیکن بخاری کی کسی خاص حدیث کا انکار کفر نہیں ہے۔ خود ائمہ حدیث نے آپس میں اختلاف کیا ہے۔ صحیح مسلم، صحیح ترمذی اور صحیح نسائی کے مؤلفین امام بخاری کے شاگرد ہیں مگر اُستاد سے بے دھڑک اختلاف کرتے ہیں۔ قرآن مجید کے بعد جس شے سے انحراف خطرناک ہے وہ اجماع اُمّت ہے۔ جن احادیث کو اجماع کی تائید حاصل ہو گئی ہے اُن میں قیل وقال اور چون وچرا نہیں کرنی چاہیئے۔ مثلاً قرآن مجید میں صرف اتنا حکم ہے کہ دو بہنوں سے بہ یک وقت نکاح نہ کیا جائے۔ حضورؐ نے پھوپی۔ بھتیجی اور خالہ بھانجی سے بہ یک وقت نکاح کرنیکو بھی منع فرمادیا۔ چنانچہ بالکل دو بہنوں کی طرح پھوپی، بھتیجی اور خالہ بھانجی کا جمع کرنا حرام ہے۔

(بقیہ صـ۱۰۰ کا حاشیہ) متن تو اصل شے ہے۔ متن نہ ہوتا تو شرح کس کی کی جاتی۔ مگر یہ بھی صحیح ہے کہ شرح نہ ہوتی تو متن اس طرح سمجھ میں نہ آتا جس طرح اب آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اصول محکمہ قایم فرمائے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصول محکمہ کی اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق تشریح کردی ہے۔ رسول اللہؐ کی رائے اللہ کی ارادت سے پیدا ہوتی تھی۔ قرآن میں اللہ کے الفاظ ہیں اور سنت رسول اللہ میں ان الفاظ کی مراد ہے۔

Marfat.com

یا نماز کے پانچ وقتوں کا قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ ذکر نہیں ہے۔ مگر پانچ وقت کی فرضیت سے مسلمانوں کے تمام فرقے متفق ہیں۔ اسے اجماع اور تواتر کی اعانت و قوت حاصل ہے کہ حضورؐ نے پانچ وقت کی نمازیں فرض بتائی تھیں۔ لہٰذا اگر کہا جائے کہ نماز پانچ وقت کی فرض نہیں ہے تو احادیث کا اس نوعیت کا انکار اسلام کا انکار سمجھا جائے گا۔ لیکن نماز ہاتھ باندھ کر پڑھنی چاہیئے یا ہاتھ چھوڑ کر۔ سینے پر ہاتھ باندھ کر پڑھنی چاہیئے یا ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر۔ اس نوعیت کی حدیثوں میں اختلاف کرنے سے کچھ نہیں بگڑتا۔ صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي۔ جس طرح بھی تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا اُس طرح نماز پڑھو۔ مگر پڑھو ضرور لو۔ چنانچہ ایک طریقے کے عامل دوسرے طریقے کے عامل کو گمراہ نہیں کہتے۔

قرآن کے ماننے اور احادیث کے ماننے میں ایسا فرق سمجھئے جیسا فرق ماں کے ماں ماننے اور باپ کے باپ ماننے میں ہے۔ ماں کا ماں ہونا یقینی ہے اور باپ کا باپ ہونا ظنّی۔ لیکن ماں اور باپ کے ساتھ اولاد معاملہ اتنا یکساں کرتی ہے کہ یقین اور ظن کا فرق مٹ جاتا ہے۔ مظنونات پر عمل کرنا ہی پڑتا ہے۔ مظنونات پر عمل نہ کیا جائے تو دُنیا کے کام نہ چلیں۔ ریلوں اور ہوائی جہازوں کے حادثے روز پیش آتے ہیں۔ پھر بھی لوگ یہ سمجھ کر ریلوں اور ہوائی جہازوں میں سفر کیئے جاتے ہیں کہ ریل اور ہوائی جہاز ہمیں بخیر و عافیت

Marfat.com

پہنچادیں گے۔ دوا کی تاثیر ظنّی ہوتی ہے اور دوا پی جاتی ہے۔ تجارت میں کامیابی ظنّی ہوتی ہے اور تجارت کی جاتی ہے۔ عقدِ نکاح میں وکالت و شہادت ظنّی ہوتی ہے مگر وکیل اور شاہد کو سچّا تسلیم کیا جاتا ہے۔ پیدائش سے لے کر موت تک ظن کارفرما ہے۔ ظن پر عمل نہ ہو تو نظامِ عالم درہم برہم اور مختل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ۔ یعنی چار گواہ کیوں نہ لے آئے۔ حالانکہ چار گواہ بھی تو جھوٹے ہو سکتے ہیں۔ چار گواہوں کی گواہی ظنّی ہے۔ لیکن اللہ کے فرمان کی رُو سے مقبول ہے۔ اور روزہ دو ہی گواہوں کی گواہی پر ترک کر دیا جاتا ہے۔

محدثین یہ نہیں کہتے کہ یہ وہ الفاظ ہیں جو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زبانِ مبارک سے نکلے تھے۔ ان پر ایمان لاؤ۔ یہ کہتے ہیں کہ ظنِ غالب ہے کہ یہ حضورؐ کے ارشادات ہیں۔ لہٰذا ان پر عمل کرو۔

کوئی حدیث قرآن مجید کے خلاف ہو، یعنی متناقض۔ تو قرآن پر عمل کیا جائے گا۔ حدیث پر نہیں۔ اور خلاف سے مراد اگر یہ ہے کہ قرآن مجید کے اجمال کی حدیث میں تفصیل ہے یا قرآن سے زائد کسی مضمون کا بیان ہے اور اس مضمون کی اجماع نے تائید کر دی ہے تو اس پر عمل بھی ہوگا اور اسے مانا بھی جائے گا۔ مگر یہ ماننا فرض یا واجب کے درجے کا نہیں ہے۔ مثلاً اہل سنّت والجماعت کے ہاں اس روایت کو اجماع کی تائید حاصل ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وآلہٖ وسلم حضرت عائشہ رضؓ سے دوسری ازواج مطہرات کی نسبت زیادہ محبت کرتے تھے۔ چنانچہ اہلِ سنت والجماعت اسے مانتے ہیں۔ مگر یہ ماننا اہلِ سنّت والجماعت کے ہاں جزوِ ایمان نہیں ہے۔ یہ مانا جائے، جیسا کہ شیعہ حضرات نہیں مانتے، تو اس کے نہ ماننے سے شیعہ کافر نہیں ہو جاتے۔

بہرحال ظاہر ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قرآن مجید پہنچا کر خاموش نہیں بیٹھ جاتے تھے۔ صحابہ کرام کو دن رات تعلیم و تلقین کرتے رہتے تھے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے احسان جتایا ہے کہ ہم نے تمہارے لئے تم ہی میں سے ایک رسول پیدا کیا ہے جو ہماری آیتیں تمہیں سُناتا ہے۔ اور تمہارا تزکیۂ نفس کرتا ہے۔ اور تمہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ۔

حضورؐ کو اللہ کی طرف سے محض قرآن رسانی کا کام نہیں دیا گیا تھا حضورؐ قرآن کے مُعلّم بھی تھے۔ اور ہمیں قرآن کے سانچے میں ڈھالنا بھی حضورؐ کا فرض تھا۔ حضورؐ قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے نمونہ ہیں۔ نیز حضورؐ کی بابت ارشاد باری تعالےٰ ہے:۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی

محمدؐ جو کچھ کہتے ہیں ہوائے نفس کی بناء پر نہیں کہتے۔ اُن کی بات وحی

Marfat.com

ہوتی ہے جو اُن پر نازل کی جاتی ہے۔ اور ہمیں ہدایت کی گئی ہے کہ جو نبی کرنے کو کہے وہ کرو اور جسے کرنے سے وہ روکے اس سے باز رہو۔ مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ــــ کسی مومن اور مومنہ کو یہ نہیں چاہیئے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملے میں کوئی فیصلہ دے دے تو (وہ اُسے نہ ملنے اور) اپنے معاملے کا خود فیصلہ کرنے بیٹھ جائے۔ جو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ [1]

---

[1] ان احکام باری تعالیٰ اور محدثین کی دیدہ ریزی کے باوجود کچھ لوگ ایسے گزرے ہیں جو احادیث کو ناقابلِ اعتبار داستان کہتے تھے۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی نے ان کے رد میں مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ علامہ ابن حزم اندلسی بھی اپنی کتاب احکام الاحکام میں انکار حدیث کا ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ انسان قرآن کو کلام اللہ مانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کا قائل ہو اور پھر احادیث کی اہمیت سے یکسر انکار کر دے۔ یہ تعجب کی بات ہے۔ لیکن عام طور سے مسلمانوں نے احادیث کو دین میں حجت ہی تسلیم کیا ہے۔ حجت تسلیم نہ کرنے والے آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ اور یہ بات چھپی ڈھکی نہیں ہے۔ تواتر سے ثابت ہے۔ غیر مسلم بھی جانتے ہیں کہ احادیث کی مسلمانوں میں ہمیشہ تشریعی حیثیت رہی ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ نے خوب فرمایا

(بقیہ صفحہ ۱۰۶ پر)

Marfat.com

حضورؐ بشیر اور نذیر ہیں۔ بشارت دینے والے اور ڈرانے والے۔ اور یہ بشارت اور انذار کا کام موقت نہیں تھا۔ حضورؐ کے بعد چونکہ اور نبی نہیں آئے گا حضورؐ قیامت تک کے انسانوں کے لئے بشیر و نذیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔

حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کے کامل پیرو اور اقوال و اعمالِ رسولؐ کے بالکل مطابق عمل کرنے والے جب تک موجود رہے احادیث کی تدوین کی عام ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ حکمت و موعظت کا خزانہ سینوں میں جمع تھا۔ لیکن جب اشتباہ و نسیان کا امکان نظر آنے لگا۔ اور عمل میں کمی پڑنے لگی تو اللہ کے چند بندے اُٹھے اور اُنھوں نے دُودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے حدیثوں کو محفوظ کر دیا۔ قرآن مجید اور قرآن مجید کا لفظ لفظ معجزہ ہے۔ قرآن مجید کو اوّل ہی دن سے محفوظ ہونا چاہیئے تھا۔ احادیث میں اللہ کے احکام کی تعمیل اور مشق کے اذکار ہیں۔ مشق اور پریکٹس

(بقیہ صہ ۱۰۵ کا حاشیہ) ہے کہ رسولؐ کی آواز سے اپنی آواز کا اونچا کرنا اللہ کے بیان کے مطابق عمل کو اکارت کر دیتا ہے تو رسول کے احکام کے مقابلہ میں اپنے خیالات پیش کرنا اعمال کا کیا حال نہ کرتا ہوگا ——— رسول تو مجلس مشاورت کا بھی پابند نہیں ہوتا۔ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔ جب آپ کسی بات کا پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کر کے اُسے کر گزریئے۔ اور حضورؐ نے ایسا کیا ہے۔ غزوہ اُحد میں اوّل اوّل حضورؐ صحابہ سے مشورے لیتے رہے لیکن زرہ پہننے کے بعد صحابہ کی رائے بدلی تو حضورؐ نے فرمایا کہ نبی کی شان سے یہ بعید ہے کہ زرہ پہن کر اُتار دے۔ علیٰ ہذا حضورؐ نے حدیبیہ میں سولہ سو صحابہ کی رائے کے علی الرغم صلح کرلی تھی رسول پر مشورے کی تعمیل لازم نہیں ہوتی۔ تعمیل وہ صرف اللہ کے احکام کی کرتا ہے۔

Marfat.com

کو قلمبند کرنا اُس وقت ضروری ہوتا ہے جب عمل میں کمی آتی دکھائی دے۔

محدثین نے حدیثوں کے غیر معتبر ہونے کے کچھ اصول مقرر کئے ہیں۔ مثلاً:۔

۱۔ جو حدیث عقل کے خلاف ہو اور جس میں فضول باتیں ہوں۔

۲۔ جو حدیث مشاہدے اور محسوسات کے خلاف ہو۔

۳۔ جو حدیث احادیث متواتر اور مسلّمات کے خلاف ہو۔

۴۔ جو حدیث قرآن مجید کے خلاف ہو۔

۵۔ جو حدیث نبیوں کے شایانِ شان نہ ہو اور جس میں رکاکت ہو۔

۶۔ جو حدیث ایسی بات یا ایسے واقعے کے متعلق ہو جسے ہر ہر شخص کو جاننا چاہئے تھا اور اسے بیان فقط ایک شخص کرتا ہو۔

۷۔ جن حدیثوں میں سنہ اور تاریخ کے ساتھ پیشین گوئی ہو۔

۸۔ جن حدیثوں میں معمولی قصور پر سخت عذاب اور معمولی نیکی پر بڑے انعام کا ذکر ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔

ایک صحابی نے کہا۔ میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں مدّتوں مسلسل حاضر رہا ہوں۔ میں نے حضورؐ سے نہیں سُنا کہ حشرات الارض حرام ہیں۔ محدثین نے جواب دے دیا کہ آپ کے نہ سننے سے کیا ہوتا ہے۔

حضرت محمود بن الربیع پانچ برس کے تھے جب حضورؐ کی وفات ہوئی ہے۔ اُنہوں نے بیان کیا کہ حضورؐ نے پیار میں میرے مُنہ پر کلّی کردی تھی۔ پانچ برس کا بچّہ اتنی بات

Marfat.com

یاد رکھ سکتا ہے۔ اور بات ایسی ہے کہ مان لینے میں نقصان نہیں ہے۔ چنانچہ مان لیا گیا۔ لیکن یہی صحابی کوئی ایسا واقعہ سُنائیں جسے پانچ برس کی عمر میں سمجھنا ممکن نہ ہو۔ تو اسے نہیں مانا جائے گا۔ علیٰ ہذا اُن معمّر صحابیوں کی روایات کے ساتھ بھی محدثین نے یہی معاملہ کیا ہے جن کی بابت معلوم ہے کہ وہ فقیہ نہیں تھے۔ اُن کی کسی روایت میں اُلجھاؤ ہے اور اس سے قیاس پر ضرب پڑتی ہے تو صرف صحابی ہونا محدثین کے نزدیک کافی نہیں ہوگا۔ حضورؐ کی ولادت کے زمانے کے لوگ اس وقت زندہ نہیں تھے جس وقت روایتوں کا دور شروع ہوا ہے۔ لہذا بخاری و مسلم میں وہ روایتیں جگہ نہیں پاسکیں جو عام طور سے میلاد کی محفلوں میں بیان کی جاتی ہیں۔

ایک روایت ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے خیبر کے یہودیوں کو جزیہ دینے سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔ اور اس کی تحریر دے دی تھی جسے معاویہؓ نے لکھا تھا اور جس پر سعد بن معاذؓ کی شہادت کے دستخط تھے مُلّا علی قاریؒ اس روایت کی بابت فرماتے ہیں کہ معاویہؓ اس وقت مسلمان کب تھے جو تحریر لکھتے۔ وہ تو فتح مکّہ کے بعد ایمان لائے تھے۔ اور سعدؓ بن معاذ کا غزوہ خیبر سے قبل انتقال ہو چکا تھا۔ غزوہ خندق میں۔

مُلّا علی قاری لکھتے ہیں کہ ایسی روایتیں قطعی غلط ہیں۔ اور ایسی روایتیں بھی ناقابلِ قبول ہیں۔ کہ:-

Marfat.com

۱- بینگن کھانے سے ہر مرض چلا جاتا ہے۔

۲- دھوپ میں رکھے رکھے پانی گرم ہو جائے تو اُس سے مت نہاؤ ورنہ برص کا مرض لگ جائے گا۔

۳- مسلمان شیریں ہوتا ہے اور شیرینی پسند کرتا ہے۔

۴- عوج بن عنق کا قد تین ہزار گز کا تھا۔

۵- دُنیا کی عمر سات ہزار برس کی ہے۔

۶- لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ایک بار کہا جاتا ہے تو اللہ ایک پرندہ پیدا کرتا ہے جس کے مُنہ میں ستر زبانیں ہوتی ہیں - الخ - وغیرہ وغیرہ -

غرضکہ محدثین نے عظیم الشان کام کیا ہے - وہ اگر فقط اتنا ہی کر جاتے کہ جتنی روایتیں صحیح اور غلط اُنھیں ملی تھیں اُن کو جمع کر دیتے اور درایت و انتخاب اگلی نسل کے لئے چھوڑ دیتے تو بھی کچھ کم کام نہ تھا - اتنی حدیثوں کا جمع کرنا ہی معمولی بات نہیں ہے - غور کیجے کہ اتنی روایتوں کو سمیٹنے میں اُنھوں نے کیسی محنتِ شاقّہ برداشت کی ہوگی - ساری روایتیں ریکارڈ کر دینے سے جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں ـــ مزید روایتیں گھڑنے کا دروازہ بند ہو گیا - محدثین کے اسی احسان سے مسلمان سَر نہیں اُٹھا سکتے - بجا کہ روایتیں ریکارڈ کر کے ایک ایک روایت کو تولا گیا اور بتایا گیا کہ یہ حدیث صحیح ہے، یہ متواتر، یہ مشہور، یہ عزیز، یہ حسن، یہ ضعیف، یہ مدرج، یہ متروک، یہ موضوع، ؎

(؎ یہ حاشیہ صفحہ ۱۱۱ پر درج ہے)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ محدثین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اُن کے ذریعہ حکمت و موعظت کا ایک خزانہ مل گیا ہے۔

واضح رہے کہ سیرت اور مغازی لکھنے والوں کی جماعت الگ ہے اور محدثین کی جماعت الگ۔ محدثین بعض اوقات اس سے گھبراتے ہیں کہ روایت محض اس واسطے صحیح تسلیم کرلی جائے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کا کوئی مقرب صحابی اُس کا راوی ہے۔ اُن کے نزدیک خالی تقرّب صحت روایت کی دلیل نہیں ہے۔ اور سیر نویس اس قسم کی روایتیں لکھ جاتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مسلمان ہونے سے پہلے اپنی بہن حضرت فاطمہؓ سے سورۂ حدید کی آیتیں سُنی تھیں۔ اور نہیں سوچتے ـــــ کہ سورۂ حدید تو مدینہ منورہ میں اُتری ہے۔ حضرت عمرؓ کے سامنے اُس وقت دراصل سورۂ طٰہٰ کی آیتیں پڑھی گئی تھیں

خلاصہ مضمون یہ ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے اُمتیوں سے حضورؐ کے اقوال و اعمال اور رُد و لنگز بیان کرنے یا انھیں صحیح و غلط قرار دینے میں اگر غلطی نظر آئے تو دوسرے اُمتی اُس پر جرح قدح تو کرسکتے ہیں۔ لیکن ایسا نہ کرنا چاہیئے کہ غلطی کے امکان کو بُنیاد بنا کر حضورؐ کے قول و عمل اور رُد و لنگز کی اہمیت ہی کا سرے سے

(ص۔ ۱۰۹ کا حاشیہ) ان کے علاوہ متصل، منقطع، مرسل، معنعن، مبہم، احاد، غریب مطلق، وغیرہ بہت سی تقسیمیں ہیں صرف ان تقسیموں ہی پر غور کیجیے تو عقل حیران رہ جاتی ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور صحابہ اور تابعین کے اقوال اور اعمال کا صحیح علم حاصل کرنے کے لئے محدثین نے کتنی کاوش سے کام لیا تھا۔

Marfat.com

انکار کر دیا جائے۔ ایسا کرنا قرآن مجید کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔ جو قول و عمل اور رولنگز واقعی حضورؐ کے ہیں اُن کا بڑا بلند مقام ہے۔ وہ جزو اسلام ہیں۔ احادیث کو نہ ماننے سے قرآن کے ماننے کی کوئی صورت نہیں رہتی۔ یہ بھی تو حدیث ہی ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔

خاتمہ مضمون پر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک قول دُہراتا ہوں۔ هٰذَا رَاْیِیْ فَاِنْ یَکُنْ صَوَاباً فَمِنَ اللّٰہِ وَاِنْ یَکُنْ خَطَاءً فَمِنِّیْ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہ۔ یعنی یہ جو کچھ میں نے سمجھا (اور سمجھایا) اگر صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میرا قصور ہے۔ اللہ سے میں معافی کا خواستگار ہوں۔

Marfat.com

رسُولؐ اور اولوالامر

اولوالامر کے معنی ہیں صاحبِ حکومت ــــ حاکم۔

حاکم دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اللہ کے احکام کے مطابق حکومت کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو اپنی رائے اور مرضی کے مطابق حکومت کرتے ہیں۔ رسولوں میں بھی حاکمیت کی شان پائی جاتی ہے۔ لیکن رسولوں کے واسطے حاکم کا لفظ استعمال کرنا اُن کی حیثیت کو گھٹانا ہے۔ رسول کے واسطے حاکم کا لفظ استعمال کرنا ایسا ہے جیسے (بلا تشبیہہ) کوئی کہے کہ فیڈرل کورٹ کے چیف جسٹس صاحب مجسٹریٹ ہیں۔

اللہ کے احکام کے مطابق حکومت کرنے والوں کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ اُن کی اطاعت اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں پر واجب قرار دی ہے۔ تاہم وہ رسولوں کی صف میں شامل نہیں کئے جا سکتے۔ رسولوں کا انتخاب انسانوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ حاکم کو انسان منتخب بھی کر سکتے ہیں اور معزول بھی کر سکتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے :۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اُس کی بھی جو تم میں سے ہو اور وہ جو خود

Marfat.com

اللہ اور رسولؐ کے احکام کے مطابق چلے اور تمھیں اللہ اور رسولؐ کے احکام کے مطابق چلائے[1]۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ

---

[1] عام طور سے اولوالامر کے معنی حکام کے لئے جاتے ہیں۔ مسلمان حاکموں اور بادشاہوں کو اولوالامر منکم کہا جاتا ہے۔ اس مضمون میں مجھے رسول اور مسلمان حکام کا فرق بتانا ہے، لہذا میں نے بھی اولوالامر کا لفظ مروجہ معنوں میں استعمال کیا ہے، ورنہ اولوالامر سے مراد میرے اُستاد نے تو اجماع بتائی تھی، جس کی اطاعت اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کی طرح بغیر کسی شرط کے فرض ہے ـــــــ حکام کی اطاعت تم اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ حاکم اللہ، رسولؐ اور اجماع کے احکام کی تعمیل کرائے۔ آیت میں شرط کوئی نہیں لگائی ہے۔ کیونکہ اجماع اللہ اور رسولؐ کی منشا کے خلاف جا ہی نہیں سکتا۔ حکام خلاف جا سکتے ہیں ـــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کوئی بات ایسی نہیں کہی جو قرآن سے متضاد ہو۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن سے غیر متضاد باتیں کہہ سکتے تھے۔ اطیعوا الرسول میں اُنھی قرآن سے غیر متضاد باتوں کی اطاعت کا حکم ہے۔ علی ہذا اجماع کوئی بات قرآن و حدیث سے متضاد نہیں کہے گا۔ مگر اجماع قرآن و حدیث سے غیر متضاد بات حالات زمانہ کے پیش نظر کہہ سکتا ہے۔ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی اطاعت میں اجماع کی قرآن و حدیث سے غیر متضاد باتوں کی اطاعت کا حکم ہے۔ حاکم اہل ہو تو اولوالامر میں وہ بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ خلفاء راشدین شامل تھے۔ لیکن حقیقی اولوالامر خلفاء کو انتخاب کرنے والوں کی پوری جماعت ہے۔ حاکم تنہا ذوامر ہوتا ہے۔ اولوالامر کے معنی صاحبانِ امر ہیں۔ صاحب امر نہیں ہیں۔ اولوالامر ذوامر کی جمع ہے۔

Marfat.com

اور (اطاعت کرتے کرتے) کسی معاملے میں تمھارے (اور اُس کے) درمیان اختلاف (رائے) ہو جائے تو معاملہ اللہ اور رسولؐ کی عدالت میں لے آؤ[1]

اختلاف رائے اللہ اور رسول سے تو کیا نہیں جا سکتا۔ اختلاف رائے ہوگا تو آپس میں ہوگا یا حاکم و محکوم اور متبوع و متّبع میں ہوگا۔ سو حکم ہے کہ آپس کے اور حاکم و محکوم کے، سب قضیے قضیئے اللہ اور رسولؐ کے بتائے ہوئے اصول اور قاعدہ قانون کی کسوٹی پر کسو اور قرآن و سنّت سے فیصلے طلب کرو۔

مسلمان حاکم اور مسلمان محکوم کے درمیان اختلاف اس کے سوا ممکن نہیں ہے کہ محکوم حاکم کو اور حاکم محکوم کو توجہ دلائے کہ فلاں کام قرآن و سنّت کے خلاف ہو رہا ہے تو پھر قرآن و سنّت ہی محکوم و حاکم کا فیصلہ چکا سکتے ہیں۔

اگر ارشاد باری تعالیٰ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ پر رُک جاتا اور فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ

---

[1] یہ آیت میرے اُستاد کے بیان کے مطابق اجتہاد کے متعلق ہے۔ مثلاً جب سوال پیدا ہو کہ بھنگ حلال ہے یا حرام، تو خاص بھنگ کا نہ قرآن میں ذکر ہے اور نہ حدیث میں۔ لہٰذا فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ۔ یعنی قرآن و حدیث میں تلاش کرو کہ آیا بھنگ سے کسی مشابہ شے کا قرآن و حدیث نے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ شراب کا ذکر تمھیں مل جائے گا اور تم شراب کی حُرمت کی بنیاد پر بھنگ کو حرام قرار دے سکو گے۔ لیکن اِس مضمون میں میرے سامنے اولی الامر کے معنی حاکم رہیں گے۔

Marfat.com

نہ کہا جاتا تو اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت اور اولوا الامر کی اطاعت میں کسی کے نزدیک بھی فرق نہ رہتا۔ لیکن فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ نے فرق کر دیا۔ حقیقی اطاعت اللہ اور رسول ہی کی اطاعت ہے۔[ل]

[ل] حضرت عمر بن عبدالعزیز رح فرماتے ہیں:۔ میرا کام بہ حیثیت خلیفہ کے احکام کو صرف نافذ کرنا ہے۔ میں حکم دینے والا نہیں ہوں۔ مجھے تم میں سے کسی ایک شخص پر بھی برتری حاصل نہیں ہے۔ البتہ میرے بازو ضرور زیادہ بوجھل ہیں اور مجھ سے بازپرس زیادہ سخت ہوگی۔ میں دین (شرعی قوانین) میں کمی بیشی اور گتر بیونت کا حق نہیں رکھتا۔ قوانین کی اتباع میرا فرض ہے۔

یہاں ایک اور واقعہ بھی بیان کر دیا جائے تو غالباً بے جوڑ نہیں رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف مدینہ منورہ کے والی عمرو بن سعید نے اموی "خلیفہ" کی ہدایت پر مکہ معظمہ فوج لے جانے کا قصد کیا تو ایک صحابی، حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور بولے:۔

> اے امیر! مجھے اجازت دیجے کہ میں آپ سے ایسی بات کہوں جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فتح مکہ کے دوسرے دن فرمایا تھا۔ میرے دونوں کانوں نے اُسے سُنا ہے اور میرے دل نے اُسے یاد رکھا ہے اور جس وقت حضورؐ یہ بات فرما رہے تھے میری آنکھیں حضورؐ کو دیکھ رہی تھیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ "حرم مکہ میں خونریزی ہمیشہ کے لئے حرام کی جاتی ہے"

عمرو بن سعید نے جھڑک کر کہا:۔

(باقی حاشیہ صہ ۱۱۶ پر)

Marfat.com

اولوالامر (یعنی حاکم) کی اطاعت ذیلی اور مشروط اطاعت ہے۔ نیز رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت کی طرح مستقل چیز ہے اور اولوالامر (یعنی حاکم) کی اطاعت غیر مستقل۔ اولوالامر (یعنی حاکم) کی اطاعت اُس کی وفات کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے خاتم الرسل کی اطاعت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ختم نہیں ہوئی۔

اللہ کی اطاعت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت یکساں ہے۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔ رسول کی اطاعت اور اللہ کی اطاعت الگ الگ نہیں ہیں۔ اولوالامر (یعنی حاکم) کی اطاعت الگ ہے۔ اولوالامر (حاکم)

(صہ ۱۱۵ کا بقیہ حاشیہ) — ابوشریح! میرا علم تمہارے علم سے زیادہ ہے اور ان امور کو میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ حرم کسی نافرمان اور خوں ریزی کر کے بھاگنے والے کو پناہ نہیں دیتا۔

حضرت ابوشریح نے جواب دیا:۔

میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھا اور آپ موجود نہ تھے۔ بہرحال حضورؐ کا یہ بھی فرمان تھا کہ جو موجود ہیں وہ اُنھیں جو موجود نہیں ہیں میری بات پہنچا دیں، لہٰذا میں نے آپ تک بات پہنچا دی۔ آگے آپ جانیں اور آپ کا اللہ جانے۔

(یہ واقعہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی مصنفہ مولانا مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمۃ سے بہ تغیر الفاظ ماخوذ ہے)

Marfat.com

اللہ اور رسولؐ کے تجویز کردہ راستے سے بھٹک سکتا ہے۔ رسولؐ، اللہ کے راستے سے نہیں بھٹک سکتا۔

صحابہ کرام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے فیصلوں کو اس طرح مانتے تھے کہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دم نہیں لیا جب تک وہ کام جو حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے وفات سے قبل تجویز کر دیئے تھے اور تشنۂ تکمیل تھے پورے نہ کر لئے۔ مثلاً جہاں حضورؐ نے فوج بھیجنے کا فیصلہ کر رکھا تھا وہاں فوج بھیجی۔ اور جسے حضورؐ نے فوج کا سالار مقرر فرما دیا تھا اُسے سالاری سے نہیں ہٹایا۔ ایک دو اصحاب نے حالات بدل جانے اور وقت کے مصالح کی طرف توجہ دلائی اور ترمیمیں کرانی چاہیں تو حضرت ابوبکرؓ نے اُنھیں سمجھا دیا کہ حضورؐ کے احکام اٹل ہیں۔

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بر سرِ منبر کہا:- لوگو! رسول اللہؐ کی رائے سو فیصدی صحیح ہوا کرتی تھی، کیونکہ رسول اللہؐ کو اللہ رائے بتاتا تھا۔ ہماری رائیں محض ظن اور تکلف پر مبنی ہیں۔

خلفائے راشدین سے اعلیٰ اتر اولی الامر (حاکم) اور کون ہو سکتا ہے۔ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی رائے کے آگے اپنی رائے کو قطعی وقعت نہیں دیتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ رائے قایم کریں تو قرآن و سنت کی روشنی میں قایم کریں، قرآن و سنت سے آزاد رہ کر قایم نہ کریں۔ امیروں اور حاکموں کو

Marfat.com

اپنی اتباع اور اطاعت کے لئے قرآن وسنت کا حوالہ دینا پڑتا تھا۔ اور قرآن وسنت کا حوالہ تو اجماع کو بھی دینا پڑتا ہے اور مجتہد کو بھی دینا پڑتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کبھی کسی نے قرآن کی دلیل پیش کرنے کا مطالبہ نہیں کیا۔ رسول اللہؐ کا فرمان اللہ کا فرمان تھا اور اولوا لامر (حاکم) کی حیثیت یہ ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات میں ایک سالار فوج نے فوج کو حکم دیا کہ آگ میں گھس جاؤ۔ فوج نہیں گھسی۔ فوج کا سالار بھی اولوا لامر (حکام) میں شامل ہے۔ مگر اُس کے حکم کی تعمیل نہ کرنے پر حضورؐ نے فرمایا۔ سالار کا حکم خلاف شریعت تھا۔ کوئی امیر اور حاکم ایسے احکام دے تو اُن کی تعمیل واجب نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قرآن مجید پہنچاتے وقت بھی رسول تھے اور قرآن پر عمل کراتے وقت بھی رسول تھے۔ اُمت کی شیرازہ بندی۔ باہمی قضایا کے تصفیے اور جنگ وصلح جیسے اجتماعی امور میں قیادت، تمام فرائض حضورؐ نے بہ حیثیت رسول انجام دیئے تھے۔ تمام انتظامات کرتے وقت حضورؐ رسول تھے۔ حضورؐ کے ذمّے صرف قرآن پہنچا دینا نہیں تھا۔ اُس کی عملی تشکیل بھی حضورؐ کے ذمّے تھی۔ امیروں اور حاکموں اور اماموں کو یہ حق نہیں ہے کہ رسولؐ نے قرآن کے جس لفظ کا جو مطلب بتا دیا ہے اُس کے خلاف بتلانے لگیں۔ اُن کا کام رسولؐ کے پیش کردہ مطالب قرآن کو جاری کرنا ہے اور بس۔ قرآن کے متن کی شرح رسولؐ سے بہتر کون کر سکتا ہے۔

Marfat.com

یہ رسول ؐ ہی کا حوصلہ تھا کہ حُدیبیہ میں سولہ سو صحابہ کفار مکہ سے لڑنا چاہتے تھے، مگر رسول ؐ نے صلح کرلی اور اس شرط سمیت صلح کرلی کہ مکہ کا آدمی اسلام قبول کرکے بھی مدینہ آئے گا تو واپس بھیجدیا جائے گا۔ اور مسلمان مکہ پہنچ جائے تو اُسے واپس نہ کیا جائے۔ اولوالامر (حاکم) کو اس قسم کے مواقع پر اتنی ہمت اور جُرأت دکھانی محال ہے۔ رسول ؐ صلح تنہا نہیں کررہے تھے۔ صلح کے لئے اللہ کی ہدایت (وحی خفی) موجود تھی۔ صلح میں اللہ رسول ؐ کے ساتھ شریک تھا۔ اولوالامر (حاکم) کو رسول کے مانند ہدایت نہیں ملتی۔ اولوالامر (حاکم) کو ایسے مراحل پر سنّت کا منشا اور مقصد سمجھنا پڑے گا۔ یا ایک کی بجائے دوسرا اُسوہ کا سہارا لینا پڑے گا۔ دوسری ہدایت کی پیروی کرنی پڑے گی۔ اولوالامر (حاکم) اگر واقعی دل سے قرآن اور سُنّت کی اتباع و اطاعت کا جذبہ رکھتا ہے تو اُسے اللہ کی ہدایت بھی ملے گی۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ جو ہماری اور ہماری مرضی کی تلاش میں رہتے ہیں اور ہمارے راستے پر چلنے کا جذبہ رکھتے ہیں اُنھیں ہم اپنا راستہ دکھادیتے ہیں۔

اولوالامر (حاکم) کی اطاعت مسلمان کا ایمان ہے۔ اولوالامر (حاکم) قرآن وسنّت کے مطابق حکومت کرے تو اُسے مسلمانوں کی ایسی تائید حاصل ہوسکتی ہے جو کسی دوسری قوم کا حاکم حاصل نہیں کرسکتا۔ لیکن حاکم حاکم کی جگہ ہے اور رسول رسول کی جگہ۔ حاکم رسول کی جگہ نہیں لے سکتا۔ حاکم کی بڑائی اسی میں

Marfat.com

ہے کہ وہ رسول کا زیادہ سے زیادہ تابعدار ہو، جس طرح رسول کی بڑائی اس میں ہے کہ اللہ کی عبدیت اور بندگی اُس سے بڑھ کر کوئی نہیں کرتا۔ یہ کہنا بے بنیاد دہر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے ساتھ اطاعت کا حق اُن سے چھن گیا اور جو اطاعت رسول اللہ کی کی جاتی تھی آئندہ اولوالامر (حاکم) کی کی جائے گی۔ یہ اختراع ہے۔ اولوالامر (حاکم) کی تو اطاعت اسی بنا پر واجب

ص۱ ایسے لوگ خال خال پہلے بھی گزرے ہیں اور آجکل بھی موجود ہیں جو احادیث کو قابلِ اعتبار و استناد نہیں مانتے۔ ابتدا اس کی معتزلیوں نے کی تھی۔ معتزلیوں کے دماغ عقل سے بہت مغلوب تھے۔ اُنھوں نے ایسی حدیثیں جو عقل کی ترازو میں نہیں تُل سکتیں ناقابل قبول قرار دے دی تھیں، جیسے ردیت باری تعالےٰ کے متعلق حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ فرمایا ہے۔ یا صراط و میزان۔ حشر و نشر اور جنت و جہنم کے متعلق۔ تاہم نفس حدیث کے معتزلہ منکر نہیں تھے۔ ایسی حدیثوں کے وہ قائل تھے جو تواتر سے ثابت ہیں اور جن حدیثوں کو معتزلہ اپنی عقل اور اپنے مذاق کے مطابق نہیں پاتے تھے اُن کو بھی وہ بالکل رد نہیں کر دیتے تھے اُن کی تاویل کرتے تھے۔ تاویلیں معتزلہ آیات قرآنی تک کی کرتے تھے۔ معتزلہ نے چند احادیث میں معمولی شبہات پیدا کر کے احادیث کا قتل عام نہیں کیا تھا۔ وہ جس حدیث کا انکار کرتے تھے پس و پیش کے ساتھ کرتے تھے۔ بے ڈھڑک نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ اُنھیں چند دن اتنا اقتدار حاصل رہا کہ انا الحق کہتے اور سولی نہ چڑھتے۔ معتزلہ نے یہ دعوےٰ کبھی نہیں کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فریضہ قرآن پہنچا کر ختم ہو گیا۔ وفات کے بعد رسول اللہ (صلعم) عام انسانوں جیسے انسان ہیں۔ ان کی اطاعت

(باقی صہ ۱۲۱ پر)

Marfat.com

ہے کہ اولوالامر (حاکم) رسول کی اطاعت کرے گا اور کرائے گا۔ ورنہ واجب

(صفحہ ۱۲۰ کا بقیہ حاشیہ) اور دوسرے امیروں اور حاکموں کی اطاعت میں فرق نہیں ہے۔
لیکن آجکل یہی کہا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ "قرآن میں اطاعت رسول کے جو احکام
ہیں وہ آپ کی ذات اور زندگی کے لئے محدود نہیں ہیں بلکہ منصب امامت کے لئے ہیں"
ان کے نزدیک رسول کی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک پیغامات الٰہی کو لوگوں کے پاس بے کم و کاست
پہنچا دینا۔ اس حیثیت سے (بس) آپ کی تصدیق کرنا اور آپ کے اوپر ایمان لانا فرض
کیا گیا ہے۔ دوسری حیثیت امامت کی ہے۔ یعنی اُمّت کا انتظام۔ اُس کو قرآن کے
مطابق چلانا۔ اس کی شیرازہ بندی، اُن کے باہمی قضایا کے فیصلے، تدبیر مہمات و جنگ
و صُلح جیسے اجتماعی اُمور میں اُن کی قیادت اور قائم مقامی وغیرہ اس حیثیت سے
آپؐ کی اطاعت اور فرماں برداری لازم کی گئی ہے۔ اِن کے نزدیک یہ اطاعت
و فرماں برداری حضور (صلعم) کی وفات کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ حضورؐ کی وفات
کے بعد جو امام اور اولوالامر (حاکم) بنے اُسے حق ہے کہ اپنے طور پر اُمت کا انتظام وغیرہ
کرے اور اُمت کو اپنے طور پر قرآن کے مطابق چلائے۔ حضور (صلعم) کے طور طریقے
اور قول و عمل کا امام اور اولوالامر (حاکم) محتاج نہیں ہے۔ رسالت کی حیثیت سے
حضورؐ ہر اولوالامر (حاکم) سے افضل ہیں لیکن امامت کی حیثیت سے ہر اولوالامر
(حاکم) حضورؐ کا ہم پلہ ہے۔ جس طرح حضورؐ اپنی عقل کے مطابق ملّت سے قرآن
کی پیروی کراتے تھے اُسی طرح آج کا اولوالامر (حاکم) اپنی عقل کے مطابق ملّت سے
قرآن کی پیروی کرانے کا حق رکھتا ہے۔ اُن کے نزدیک "امام وقت کی اطاعت ہی
رسول کی اطاعت ہے۔ قرآن میں جہاں جہاں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم

(باقی صفحہ ۱۲۲ پر)

Marfat.com

کا سوال باقی نہیں رہتا۔ اطاعت ویسے تو غیر مسلم حاکم کی بھی کی جاتی ہے۔ سوال واجب ہونے کا ہے۔ من جانب اللہ واجب ہونے کا۔ اللہ تعالیٰ نے حکام کی اطاعت کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی موجودگی میں دیا تھا۔ حکام کی حضورؐ کی موجودگی میں بھی ایک پوزیشن تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وفات پا جائیں تو حکام اُن کی پوزیشن اختیار کر سکتے ہیں اور اُن سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ حضورؐ نے اپنا جو قول وعمل چھوڑا ہے اور متن قرآن کی جو شرح اپنے قول وعمل سے کی ہو اُسے نظر انداز کر کے حاکم اسلامی حاکم نہیں رہ سکتا۔

یہ بحث تو کی جا سکتی ہے کہ فلاں سُنّت اور فلاں اسوہ حضورؐ سے غلط منسوب کر دیا گیا ہے۔ اور فلاں حدیث کو حضورؐ کی اعلیٰ سیرۃ سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔

(صہ ۱۲۱ کا بقیہ حاشیہ) حکم دیا گیا ہے اس سے مراد امام وقت یعنی مرکز ملت کی اطاعت ہے۔" اُن کے نزدیک "دین کی ضروریات قرآن کی اتباع اور امام وقت کی اطاعت سے پوری ہوتی ہیں۔ حدیثوں کی حیثیت صرف تاریخی ہے۔ ان میں سے جو قرآن کے مطابق ہوں گی قبول کی جائیں گی۔" یعنی حضورؐ کے اُن اقوال و اعمال کو جنھیں قرآن کی شرح یا تفصیل کہا جاتا ہے، ہر اولی الامر (حاکم) بدل سکتا ہے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آواز سے اپنی آواز کا اونچا کرنا تو از روئے قرآن انسان کے عمل کو اکارت کر دیتا ہے لیکن اِن کے نزدیک رسولؐ کے اقوال و اعمال کے مقابلہ میں اپنے خیالات کا پیش کرنا مستحسن اور ضروری ہے اور حقیقی دین ہے۔

Marfat.com

فلاں حدیث قرآن کے خلاف ہے اور فلاں حدیث دوسری حدیثوں کے خلاف ہے[لے]۔ پچھلے بزرگوں نے یہ بحثیں کی ہیں اور آپ اس چھان پھٹک کے اہل ہوں

لے مثلاً ایک روایت ہے کہ ابو براء کلابی کی درخواست پر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ستر صحابہ قبیلہ کلاب میں اسلام پھیلانے کے لئے ابو براء کے ساتھ بھیج دیئے تھے۔ وہ صحابہ جب قبیلہ کلاب کی سرحد پر پہنچے تو شہید کر ڈالے گئے۔ صرف دو کسی طرح بچ نکلے۔ جن میں سے ایک نے دھوکے کا بدلہ لیا۔ یعنی دشمنوں کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا۔ لیکن حضورؐ نے اسے پسند نہیں فرمایا کیونکہ اُن دونے صحابہ کے شہید کرنے میں حصہ نہیں لیا تھا۔ حضورؐ نے اُن کا خون بہا دلوایا۔

اس روایت کی موجودگی میں اگر آج کعب بن اشرف کے قتل والی روایت پر غور کیا جائے تو کیا مضائقہ ہے کہ ایک طرف حضورؐ کا یہ عمل تھا کہ دھوکا دینے والوں کے بے قصور ساتھیوں کا خون بہا دلوایا، دوسری طرف کعب بن اشرف یہودی کو اُس کے گھر جا کر چند صحابہ نے دھوکے سے قتل کر دیا تو حضورؐ خوش ہوئے۔ بلکہ قتل کعب میں دھوکے سے کام لینے کی حضورؐ نے خود ہدایت فرمائی تھی۔ بظاہر یہ روایت عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔ حضورؐ نے تو حالت حرب میں بھی گھر دل کے اندر گھس کر مار دھاڑ کرنے کی ممانعت کی ہے۔

میں اس کا قائل نہیں ہوں کہ بزرگوں نے جس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا ہے وہ ایسی لاریب فیہ ہے جیسا قرآن۔ اُسے ہاتھ نہیں لگایا جا سکتا۔ بزرگ بے شک بزرگ تھے، مگر نبی و معصوم نہیں تھے۔ اُن سے غلطی کا رہ جانا مستبعد نہیں ہے۔ اور ایک بزرگ نے دوسرے بزرگ کی غلطیاں پکڑی ہیں اور ان روایات کی صحت

(باقی صہ ۱۲۴ پر)

Marfat.com

تو آپ بھی کر سکتے ہیں، مگر یک قلم سنت اور اسوہ سے بے نیاز ہو جانا کسی

(صد ۱۲۳ کا بقیہ حاشیہ) وعدم صحت کے سلسلہ میں پکڑی ہیں۔ اسلام نے نقد و احتساب کو حرام نہیں گردانا ہے۔ حدود کے اندر اور ادب کے ساتھ اخلاف اسلاف کی بھول چوک پر غور و فکر کر سکتے ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی کا پچھلے ہی سال انتقال ہوا ہے۔ وہ علامہ سیوطی رح کے متعلق لکھتے ہیں" کہ اُنھوں نے قوی اور ضعیف اور صحیح اور غلط ہر قسم کے واقعات کا انبار لگا دیا ہے" بقول اُمّ المومنین حضرت عائشہ رض صحابہ کے کان غلطی کر جاتے تھے۔ مجھے اختلاف فقط اس بات سے ہے کہ روایات کا قتل عام کیا جائے۔ روایات کو یک قلم حجت فی الدین نہ مانا جائے اور اولوالامر (حاکم) سے کہا جائے کہ حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے قول و عمل سے تُو واسطہ نہ رکھ۔ حضورؐ قرآن کی تعمیل اپنی عقل کے مطابق کراتے تھے تُو قرآن کی تعمیل اپنی عقل کے مطابق کرا۔ حضورؐ کے قول و عمل کا تُو بالکل پابند نہیں ہے، امامت کے اعتبار سے تُو حضورؐ کا ہم پلّہ ہے جس طرح کسی غلط روایت سے حضورؐ کی کسرِ شان ہو سکتی ہے اُسی طرح یہ حرکت بھی حضورؐ کی کسرِ شان کا موجب ہے۔ میں اسے انتہائی گستاخی سمجھتا ہوں ــــ

۵ ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کے صدق جدید میں مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کے نام مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی رح کا ایک خط چھپا ہے۔ حدیث کا دَرن گھٹانے والوں کی کسی تحریر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا گیلانی لکھتے ہیں:۔ "آخر مسلمان یا آدم کی اولاد کیا اس حد تک احمق بنائی جا سکتی ہے کہ نماز روزہ اور اس قسم کی دوسری عبادات کا پہلی، دوسری، تیسری صدیوں میں پتہ نہ تھا، بلکہ ایک ہزار سال سے مُلّاؤں نے مسلمانوں کے سر ان عبادتوں کو تھوپ دیا ہے"

(باقی صد ۱۲۵ پر)

کسی عالم کا شیوہ تو رہا ہے۔ لیکن چودہ سو برس میں کسی بُرے سے بُرے مسلمان بادشاہ کا شیوہ نہیں رہا۔ کسی بادشاہ نے اپنے آپ کو حضورؐ کا ہم پلّہ نہیں گردانا۔ جلال الدین اکبر جس کی بے دینی مشہور ہے اور جس نے علماءِ سوء کی بے راہ روی اور ابوالفضل وغیرہ کے کہنے سے دینِ الٰہی اکبر شاہی نکالا تھا عبداللہ خاں اُزبک والیِ ترکستان کو لکھتا ہے:- "کہاں بندہ عاجز اور کہاں نبوت و اُلوہیت کا دعوےٰ۔ میں عقل سے بے شک کام لیتا ہوں اور دین و دنیا کے راستے عقل کی رہنمائی میں ضرور ڈھونڈتا ہوں۔ عقل کی مدد کے بغیر تو اللہ کو بھی نہیں پہچانا جا سکتا۔ اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے عقل کا استعمال لازمی بتایا ہے۔ منشاءِ الٰہی سمجھنے کی میرے دل میں تڑپ ہے۔ لیکن علما ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں اور ہر عالم مجھے اپنے پیچھے چلانا چاہتا ہے۔ علما کے خواب کی تعبیر پوری نہ ہوئی تو اُلٹی سیدھی الزام تراشیاں کرنی شروع کر دیں۔ حتّٰی کہ نبوت و الوہیت کا الزام تھوپ دیا۔"

قرآن مجید میں اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ہے۔ یعنی تم میں سے جو اولوالامر (حاکم) منتخب و مقرر ہو جائے۔ تم جسے اپنے میں سے اولوالامر (حاکم) بنا لو۔ تم کون؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خوشہ چین و متبع۔ تو اولوالامر (حاکم) یکے از خوشہ چینان

(صفحہ ۱۲۴ کا بقیہ حاشیہ) اصل تحریر میری نظر سے نہیں گزری۔ لیکن مولانا گیلانی کے اشارے اور صدقِ جدید میں چھپنے کے بعد نظر سے گزرنے کی ضرورت کیا ہے۔ یہ ایسی جسارت ہے کہ جن صاحب نے اتنی بڑی جسارت کی ہے اُن کے ساتھی بھی شاید اِس حد تک اُن کی ہمنوائی نہ کر سکیں۔ اُنھوں نے حدیث کے وزن کو گھٹانے کا کمال دکھایا ہے۔

Marfat.com

دشمنِ رسولؐ ہے۔ آپ سب سے بڑا متبعِ رسولؐ کہہ سکتے ہیں لیکن اتباعِ رسولؐ سے آزاد نہیں قرار دے سکتے۔ اور اُس کا اللہ سے براہِ راست رشتہ نہیں جوڑ سکتے۔ وہ آسمان سے نہیں اترتا۔ زمین سے اُبھرتا ہے۔

سو برس پہلے تک کے مسلمان بادشاہ اتباعِ رسولؐ کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں اتباعِ رسولؐ کی ذہنیت قطعی رکھتے تھے۔ اُن کی اتباعِ رسولؐ میں کمی کرنے نے اسلام کو نقصان پہنچایا اور اتباعِ رسولؐ کی ذہنیت رکھنے نے اسلام کو باقی رکھا۔ صحیح اتباعِ رسولؐ کا کرشمہ وہ تھا کہ چند سال میں مسلمان ساری دنیا پر غالب آ گئے تھے۔ اور عدمِ اتباعِ رسولؐ کا تماشا آنکھوں کے سامنے ہے۔ بس ماندگی ہماری ضرب المثل ہے۔

اولوالامر (حکام) کو اتباعِ رسولؐ سے آزاد مان لیا جائے تو وحی تو خلفائے راشدینؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پر نہیں آتی تھی اور کسی اولوالامر (حاکم) پر کیا آئے گی۔ لہٰذا اولوالامر (حکام) مکہ مدینہ کی طرف نہیں چلیں گے ترکستان کی طرف چلیں گے۔

رسول کی اتباع و اطاعت سے مراد رسول کی سنت اور اسوہ کی اتباع و اطاعت ہے۔ قرآن مجید کو اللہ تعالےٰ نے خود تشریف لا کر نہیں بتایا تھا کہ یہ میرا کلام اور میرا حکمنامہ ہے۔ رسول اللہؐ نے قرآن کا تعارف کرایا تھا اور رسول اللہؐ ہی نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا کہ جو اس وقت

موجود ہیں، وہ انھیں جو اس وقت موجود نہیں ہیں میرا پیغام پہنچا دیں"۔ مسلمانوں نے اپنے آقا و پیشوا کے پیغام کی اس طرح حفاظت کی ہے کہ دوسری قومیں اس طرح اپنی آسمانی کتابوں کی حفاظت نہیں کر سکیں۔ پیغام کا رطب و یابس سب محفوظ ہے اور رطب و یابس کی پرکھنے کی کسوٹی بھی محفوظ ہے۔

اگر اولوالامر (حکام) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت اور اسوہ سے بے نیاز کر کے رسالت کا حصہ ایمان اور امامت کا حصہ اطاعت قرار دے لیا جائے تو رسالت پر ایمان نہایت دلچسپ ایمان ہوگا اس خالی خولی ایمان اور بغیر اطاعت کے ایمان ہی نے تو ہمارا یہ حشر کر دیا ہے۔ خالی خولی ایمان کو پچھلے اطاعت نہ کرنے والے پسندیدہ خیال نہیں کرتے تھے۔ خالی خولی ایمان آج پسندیدہ بھی ہوگیا تو نہ جانے کیا بنے گا۔ قرآن مجید نے کہیں حضورؐ کی حیثیت رسالت اور امامت میں تقسیم نہیں کی ہے اور کہیں یہ نہیں سمجھایا ہے کہ حضورؐ وفات کے بعد خالی خولی ایمان کے مستحق رہ جائیں گے اور اطاعت کا کامل حق اولوالامر (حاکم) کو مل جائے گا۔ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ قرآن مجید میں حضورؐ کی زندگی تک کے لئے ہے اور عارضی ہے۔ صحابہ کرام رضؓ نے بھی کبھی حضورؐ کی ان دو (مفروضہ) حیثیتوں کا نام نہیں لیا۔ اور اُمت بھی چودہ سو برس سے حضورؐ کو رسول اور حضورؐ کے غلاموں کو امام اور اولوالامر (حاکم) کہتی چلی آئی ہے۔ امامت کا لفظ حضورؐ کے

Marfat.com

ساتھ کسی نے استعمال نہیں کیا۔

ایمان بغیر اطاعت اللہ کے نزدیک بے معنی شے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ تیرے رب کی قسم اُن کا ایمان ایمان نہیں ہے جو آپس کے اختلافات میں تجھ ہی کو حکم نہ ٹھیرائیں اور پھر (اُن پر لازم ہے کہ) تیرے فیصلے سے دل میں تنگی محسوس نہ کریں" (فیصلہ خلاف ہو تو) تیرے فیصلے کے آگے سر کو جھکا دیں۔

رسول کی قلبی تصدیق کی صورت میں کیسے ممکن ہے کہ اُس کی اطاعت کا خیال نہ آئے۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے:۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ۔ ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا جس کے بھیجنے کا مقصد یہ نہ رہا ہو کہ اللہ کے حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے، یہ ارشاد اور اس نوع کے دوسرے ارشادات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن مجید سے خارج نہیں کئے گئے ہیں۔ یا یہ نہیں کہا گیا ہے کہ بعد وفات رسول انھیں منسوخ یا بیکار سمجھنا چاہئیے۔

حیرتناک امر ہے کہ امام کی اطاعت نہ کرنے والا تو فاسق ہے، بلکہ کچھ اور بڑھ کر لیکن رسول پر بس ایمان لے آنا کافی ہے۔ اطاعت رسول کی واجب بھی ہے تو اُس کی زندگی میں واجب ہے۔ جبکہ وہ امامت

Marfat.com

کے فرائض انجام دے۔ رسول ؐ کی اطاعت بہ حیثیت رسول کے واجب نہیں ہے۔ بحیثیت امام کے واجب ہے۔ رسالت کا حق تو آمَنتُ کہنے سے ادا ہو جاتا ہے۔ گویا رسول میں اور امام و اولوا الامر (حاکم) میں ذرہ برابر فرق نہیں ہے۔ آقا و غلام کے اختیارات یکساں ہیں، رسول بحیثیت امام قرآن کو پیش نظر رکھ کر فیصلے صادر فرماتے تھے۔ لہذا اُن کے خلفا اور خلفا کے خلفا بھی تنہا قرآن کو پیش نظر رکھ کر فیصلے صادر کر سکتے ہیں۔ خلفا اور خلفا کے خلفا رسول کے فیصلوں کو ماننے پر مجبور نہیں ہیں۔ نعوذ باللہ۔

قرآن نے تو امام اور اولوا الامر (حاکم) کے فیصلوں کا اپیل قرآن و سنت کی عدالت میں کرنے کی ہدایت کی ہے۔ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ اور رسول کی اطاعت کو بعینہٖ اللہ کی اطاعت کہا ہے۔ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰہ۔

نہ معلوم ایسے اولوا الامر (حکام) آئیں گے کہاں سے، جن کی عقلوں کو عقلِ رسول ؐ کی رہنمائی درکار نہ ہوگی۔ حکم أَطِيعُوا الرَّسُولَ کی موجودگی کے باوجود خلفائے راشدین جیسے اولوا الامر (حکام) چودہ سو برس میں فقط حضرت عمر بن عبدالعزیز رح دکھائی دیتے ہیں۔ حکم أَطِيعُوا الرَّسُولَ حذف کر دیا گیا تو پھر دیکھئے کیا صورت بنتی ہے، کس کس کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کہا جاتا ہے۔

جن باتوں پر انبیا کو ٹوکا نہیں گیا، وہ باتیں قول ہوں یا عمل، وہ باتیں اللہ کی طرف سے کنفرمڈ (Conformed) ہیں۔ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے اُنھیں درجہ قبولیت بخش دیا ہے اور اپنا لیا ہے اور وہ اگر انبیا سے غلط منسوب نہیں ہو گئی ہیں تو اُنھیں انبیا کی اُمتوں کے لئے اُسی طرح دینی حُجت بنا دیا ہے جس طرح اللہ کے اپنے صحیفے حُجت ہیں۔ ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے کہ نبی نے ذراسی لغزش کی ہو اور اللہ نے فوراً لغزش کی اصلاح نہ کر دی ہو۔ انبیا کو اُس قسم کی عقل ملتی تھی جو غیر انبیا کو نہیں مل سکتی۔ انبیا اللہ کے منشا اور مرضی کا ادراک کر لیتے تھے۔ غیر انبیا، انبیا کے چراغوں سے چراغ جلا سکتے ہیں، انبیا کے برابر اللہ کے منشا اور مرضی کو نہیں سمجھ سکتے۔ جب کبھی انبیا نے لغزش کھائی ہے معمولی عقل کے استعمال میں کھائی ہے، اللہ کبھی کبھی انبیا سے معمولی عقل کا استعمال کرا کر جتانا چاہتا تھا کہ اپنی عقل سے تم بھی ہماری منشا اور مرضی کو نہیں پا سکتے۔ مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ۔

غیر انبیا سے لغزشیں نہیں، بڑی بڑی غلطیاں ہونی ممکن ہیں۔ ممکن کیا غلطیاں ہوئی رہی ہیں، لہٰذا امام اور اولوا الامر (حاکم) کے لئے لازمی ہے کہ قرآن کی طرح سُنّت سے بھی ہدایت حاصل کرے اور یہ ہرگز نہ سمجھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کو جتنا سمجھتے تھے میں بھی سمجھ سکتا ہوں اور حضورؐ نے قرآن پر جو عمل کر کے دکھایا تھا میں اُس کا پابند نہیں ہوں۔ میں تو جس طرح چاہوں گا اُس پر عمل کر دوں گا۔

جس طرح چاہے عمل کرنے کی اجازت ہے لیکن زندگی کے صرف اُن شعبوں میں، جن کے لئے علم عقل کی رہنمائی کافی ہو سکتی ہے اور جنھیں اللہ اور رسولؐ نے خود آزاد چھوڑ دیا ہے۔

غزوات اور سرایا پر ایک نظر

غزوات غزوہ کی جمع ہے اور سرایا سَریّہ کی، غزوات رسول ﷺ ایسی جنگوں کو کہتے ہیں جن میں لڑنے والوں کی تعداد تین سو چار سو تہرا اور جن میں حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بہ نفسِ نفیس شریک رہے ہوں۔ سَریّہ میں تعداد نہیں دیکھی جاتی۔ ایک آدمی کہیں تحقیقِ دیکھ بھال کرنے چلا گیا ہے تو اُس کا جانا بھی سَریّہ ہے۔ دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے کے لئے بعض دفعہ واقعی ایک آدمی بھیجا جاتا تھا۔ ایک آدمی یا تھوڑے آدمیوں کا فقط جانا سَریّہ کہلانے کو کافی ہے۔ جھڑپ ہونے نہ ہونے کی قید نہیں ہے[1]۔

دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے جو مسلمان جاتے تھے وہ کامیاب تب سمجھے جا سکتے تھے کہ خاموشی سے جائیں اور زندہ سلامت واپس آئیں۔ اُنھیں لڑنے کا تصور تک دماغ میں نہ لانا چاہیئے تھا۔ مگر اُس زمانے کے عرب چونکہ فطرتاً لڑاکو تھے، حضورؐ خاص طور سے ہدایت بھی فرما دیا کرتے تھے

---

[1] میں نے غزوات کے زیرِ عنوان تمام سرایا کا ذکر نہیں کیا ہے۔

Marfat.com

کہ لڑائی سے حتی المقدور پرہیز رکھنا۔ مثلاً اشاعت اسلام کی غرض سے کوئی مُبلّغ چلا اور اُس کے ساتھ تھوڑے سے فوجی بھی کئے گئے۔ تو اُن فوجیوں سے کہا جاتا تھا کہ بات بات پر تلوار مت نکالنا۔ تمھیں اس خیال سے بھیجا جارہا ہے کہ دشمن مبلّغ پر شیر نہ ہونے پائیں۔

بے شمار کفار کے مقابلے میں دس بارہ مسلمانوں کا پہل کرنا ممکن کیوں کر تھا۔ یہ دس بارہ مسلمان جب لڑتے تھے جب مبلّغ کی اند اُن کی جان پر بن جاتی تھی۔ پھر وہ مار کرنا پسند کرتے تھے۔ محافظ دستوں میں عموماً دس بارہ سے زیادہ آدمی نہیں ہوتے تھے۔ اشاعت اسلام کرنے والی جماعتوں کے ساتھ جو فوجی جاتے تھے وہ مبلّغین کے ماتحت رہتے تھے۔ لیڈری اُنھیں نہیں ملتی تھی۔

قدیم عادت کے سبب، سریہ میں یا جنگ میں، مسلمانوں نے کبھی لوٹ مار مچائی ہے تو حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُنھیں تنبیہ فرمائی ہو اور ڈانٹ بتائی ہے۔ غزوہ خیبر کے بعد ارشاد ہوا تھا:۔ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَمْ یُحِلَّ لَکُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا بِاِذْنٍ وَلَا ضَرْبَ نِسَائِھِمْ وَلَا اَکْلَ ثِمَارِھِمْ اِذَا اَعْطَوْکُمُ الَّذِیْ عَلَیْھِمْ۔ اللہ تعالےٰ نے تمھارے لئے یہ جائز نہیں کیا ہے کہ یہودی تو تمھیں ادا کردیں جو اُن کے ذمّے ہے (یعنی جزیہ، ٹیکس) اور تم اُن کے گھروں میں اُن کی اجازت بغیر گھس جاؤ۔ یا اُنکی عورتوں کو مارو پیٹو۔ یا اُن کے (باغوں کے) پھل توڑ توڑ کر کھانے لگو۔

Marfat.com

لوٹ مار عربوں کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ کسی سفر میں بہت سے صحابی حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ہمرکاب تھے۔ کھانے کو ایک دانہ نہ رہا اور بھوک نے ستایا تو راستے میں بکریاں چر رہی تھیں اُنھیں پکڑ لیا اور ذبح کرکے چولھے پر چڑھا دیا۔ حضورؐ نے فرمایا:۔ یہ کیا حرکت ہے۔ لوٹ کی چیز تو مُردہ جانور سے بڑھ کر حرام ہے[۱]۔ کمان حضورؐ کے ہاتھ میں تھی۔ اُس سے حضورؐ نے دیگچے اُلٹ دیئے۔

عربوں کی لوٹ مار کو حضورؐ نے اُسی طرح بڑے تدبر سے چھڑایا تھا جس طرح عربوں سے قماربازی اور شراب خوری چھڑائی تھی۔ یا لونڈی غلام رکھنے کا شوق چھڑایا تھا[۲]۔ شراب اور لونڈی غلام تو پھر زوائد ہیں۔ لوٹ مار سے عربوں کے بیوی بچے پلتے تھے۔ لوٹ مار اُن کی آمدنی کا اہم ترین ذریعہ تھی۔ عرب مسلمان اوّل

---

[۱] قرآن مجید میں بھی ہے:۔ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔ ایک دوسرے کا مال ناجائز طور سے مت کھاؤ۔

[۲] اسلام کے قریباً تمام احکام بہ تدریج آئے تھے۔ غلامی کا انسداد اسلام نے کس طرح کیا اِس پر مستقل مضمون اگلے صفحات میں ملاحظے سے گزرے گا۔ شراب خوری اور قماربازی کے بہ تدریج چھڑانے کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے حسب ذیل آیت اُتری:۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ (اے رسول!) لوگ تم سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ (شراب پینے اور جوا کھیلنے) دونوں میں (انسان) بڑا گناہ (کماتا) ہے۔ فایدے بھی ہیں۔ مگر فایدوں سے گناہ بڑھا ہوا ہے۔

(باقی حاشیہ صہ ۱۳۴ پر)

Marfat.com

اوّل یہ سمجھا گئے کہ مالِ غنیمت حاصل کرنا بھی کوئی ثواب کا کام ہے حضورؐ

(بقیہ حاشیہ صہ ۱۳۳ کا) پھر کچھ دن بعد حکم آیا:- لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ۔ (مسلمانو!) نشے کی حالت میں نماز مت پڑھا کرو۔ (جب نشہ جاتا رہے) حتّٰی کہ تم سمجھ سکو کہ زبان سے کیا نکل رہا ہے (تب نماز پڑھنی چاہئے)

تیسری دفعہ میں مختتم حکم آگیا:- یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! شراب (پینی) اور جُوا (کھیلنا) اور بُت (سازی) اور جوئے کے تیر (چلانا۔ سب) بلاشک وشبہ ناپاک اور شیطانی کام ہیں۔ لہٰذا ان سے اجتناب کرو تاکہ تمھیں فلاح حاصل ہو۔

تدریج کی ایک شکل تو یہ تھی کہ کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم بہ تدریج دیا گیا۔ دوسری شکل یہ تھی کہ تمام کاموں کے احکام بہ یک وقت نہیں آئے۔ نماز صرف ایسا رکن ہے جو پہلے ہی دن فرض ہوگیا تھا ورنہ باقی ارکان تک آہستہ آہستہ فرض کئے گئے تھے۔ روزہ ہجرت کے بعد فرض ہوا۔ زکوٰۃ جب فرض ہوئی جب مُسلمان زکوٰۃ دینے کے قابل ہوگئے اور حج جب فرض ہوا جب مکّہ فتح ہوگیا۔

نماز کا حکم پہلے دن مل گیا تھا۔ لیکن تکمیل نماز کی بھی بہ تدریج کی گئی تھی۔ مثلاً ۵ سنہ ہجری تک نماز میں بات کر لینا یا سلام کا جواب دے دینا جائز تھا۔ اور شروع شروع ہر نماز میں صرف دو فرض پڑھے جاتے تھے۔ چار فرضوں کا اور اوقاتِ نماز کا تعیّن بعد کو ہوا تھا۔

بات یہ ہے کہ جوں جوں مناسب حالات پیدا ہوتے جاتے تھے، احکام آتے جاتے تھے اور احکام کی تکمیل ہوتی جاتی تھی، حتّٰی کہ وہ روز سعید آیا کہ فرمایا گیا اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ

(باقی حاشیہ صہ ۱۳۵ پر)

Marfat.com

سے عرض کیا گیا کہ ایک شخص جہاد میں شریک ہونے کا خواہشمند ہے اور چاہتا ہے کہ خوب مالِ غنیمت ملے۔ حضورؐ نے فرمایا:۔ اُسے جہاد کا ثواب نہیں ملے گا۔ سائل نے حضورؐ کا جواب لوگوں کو سُنایا تو وہ اتنی غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ کہنے لگے۔ تم غلط سمجھے۔ جا کر دوبارہ پوچھو۔ چنانچہ دوبارہ پوچھا گیا۔ حضورؐ نے پھر وہی جواب دیا کہ ثواب نہیں ملے گا۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانے میں جتنے غزوات ہوئے سب دفاعی تھے[1]۔ ہمیشہ دشمن نے چھیڑ نکالی۔ دفاع کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دشمن سر پر پہنچ جائے تب جنگ کرنے نکلا جائے۔ بعض اوقات دشمن سر پہ پہنچ جاتا

(بقیہ حاشیہ صد ۱۳۴ کا) دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ۔ آج ہم نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمہیں پوری دے دی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے احکام کے بہ تدریج نازل ہونے کی وجہ اِن الفاظ میں بیان کی ہے :۔ "اوّل عذاب و ثواب کی آیتیں نازل کی گئیں۔ جب دلوں میں استعداد اور رقّت پیدا ہوئی تو احکام بھیجے۔ اگر پہلے روز حکم دے دیا جاتا کہ شراب مت پیو تو اس حکم کو کون مانتا"

[1] دفاعی ہونے کا ایک بیّن ثبوت یہ ہے کہ متعدد لڑائیاں اُن مہینوں میں لڑی گئیں جن میں لڑنا اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بھلا کیسے ان مہینوں میں پہل کر سکتے تھے۔ صرف مدافعت ہی کے لئے ان مہینوں میں لڑنا ممکن تھا۔ مدافعت کی ضرورت پیش آجائے تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے کو کوئی عقل تسلیم نہیں کرتی۔

Marfat.com

تھا۔ بعض اوقات آسے راستے میں روکنا پڑتا تھا۔ بعض اوقات اُس کے ارادے کا علم ہوتے ہی انسداد کر دیا جاتا تھا۔

مکّے سے ہجرت کر لینے کے باوجود کفّارِ مکّہ نے حضورؐ کو اور حضورؐ کے متّبعین کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا تھا۔ مدینے میں مسلمانوں نے ذرا سا امن اور اسلام نے کسی قدر فروغ پایا تو کفّارِ مکّہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور وہ مدینے پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہونے لگے۔ حضورؐ کو اور جملہ مہاجرین و انصار کو ہتھیار باندھ کر سونا پڑتا تھا کہ نہ معلوم دشمن کب آپڑے۔ مکّے میں اکیلے مکّے والے مصیبت بنے ہوئے تھے۔ اب مکّے والوں نے سارے عرب کو بھڑکا دیا تھا۔ مکّے والے عرب کے کونے کونے میں کہتے پھرتے تھے کہ دیکھو اسلام پنپنے نہ پائے ورنہ تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا مذہب اور تفوّق مٹ جائے گا۔ کفّارِ مدینہ کے پاس پیغام بھیجتے تھے کہ محمد کو مدینہ میں مت ٹھہرنے دو، ہم گوارا نہیں کر سکتے کہ محمد اور جملہ مسلمان پناہ کی جگہ پہنچ جائیں۔ تم نے انھیں اپنے ہاں ٹھہرائے رکھا تو ہم تم سے بھی لڑیں گے۔

اِس نوع کی اطلاعات حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو برابر پہنچتی رہتی تھیں اور حضورؐ دس دس پانچ پانچ اصحاب کی جماعتیں تفتیش و تحقیقِ حال کے واسطے اِدھر اُدھر دوڑاتے رہتے تھے۔ اصلیت تو بس اتنی ہے۔ لیکن معاندینِ اسلام کہتے ہیں کہ نہیں سرایا کا مقصد قافلوں

کی لوٹ مار تھا۔ معاندین کی رائے میں اسلام پھیلا قتل و غارت کے ذریعہ ہے۔ گویا اسلام میں ذاتی کشش مطلق نہیں تھی۔ تلوار کا زور نہ دکھایا جاتا تو اسلام نہ پھیلتا۔

معاندین کبھی مکہ کے دور پر بھی غور کرتے ہیں یا نہیں۔ تلوار کا قصہ تو مدینہ پہنچ کر پیش آیا تھا۔ مکہ میں تیرہ سال جو لوگ مسلمان ہوتے رہے وہ معاندین کے نزدیک کس تلوار سے مسلمان ہوتے رہے۔ اسلام لانے کے معنی مکہ میں یہ تھے کہ سختیاں برداشت کیجئے۔ نکو بنئے۔ ورثہ اور ترکہ سے محروم ہو جیئے۔ حتیٰ کہ جہاں جنم لیا۔ جہاں کھیلے کودے۔ جہاں پلے بڑھے۔ اُس شہر کو۔ اُس محلہ کو۔ اُس گھر کو چھوڑ دیئے اور گھر سے بے گھر ہو جائیے۔

جو اسلام قبول کرتا تھا وہ مادی اعتبار سے صرف تکلیفیں اور نقصانات اُٹھاتا تھا۔ فائدہ اور آسائش پانے کی ایک آدھ مثال بھی تو نہیں ہے۔ پھر نہ جانے کیوں لوگ کھنچے چلے آتے تھے۔

ہم تلوار کے نام سے جھینپتے اور شرماتے نہیں ہیں۔ جس طرح افراد کو تحمل اور مقابلہ دونوں کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح جماعتوں کو بھی یہ دونوں صورتیں اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ ہماری جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے۔ اِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْف۔ مردِ مومن را عزیزا ہے نکتہ رس: چیست جز قرآن و شمشیر و فرس (اقبال)

اسلام محض نظریاتی دین نہیں ہے۔ اسلام عمل اور Action کا دین ہے۔

Marfat.com

اسلام اپنی ثنا و صفت بیان کرنے والوں اور منطق و استدلال سے اپنی صداقت ثابت کرنے والوں سے اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا اُن سے خوش ہوتا ہے جو اسلام کا مکمّل نمونہ بن جائیں، مکمل نمونہ بننے کے لئے مجاہد ہونا لازمی ہے۔ اسلام مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی اور مولانا سید احمد شہید بریلوی جیسے علما دیکھنے چاہتا ہے۔ قابلِ فخر تو ہمارے نزدیک ٹیپو سلطان اور سلطان حیدر علی بھی ہیں۔ لیکن اسلام کے معیار پر صحیح آخری دور کے یہی دو بزرگ اُترتے ہیں۔ اسلام خالی خولی پُوجا پاٹ کا مذہب ہوتا تو تلوار کے نام سے بے شک جھینپا اور شرمایا جاتا۔ اسلام ایک نظامِ زندگی ہے جس میں رکوع و سجود اور ذکر و شغل بھی شامل ہیں۔ اللہ اور رسولؐ پر ایمان لانے کے لئے کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اسلامی نظام کے نفاذ میں کوئی رکاوٹ ڈالے تو وہ رکاوٹ قطعی دور کرنی پڑتی ہے، قانون بغیر قوت کے بے معنی شے ہے۔ ایسی قومیں اور ہوں گی جو مار کھائیں اور ہاتھ نہ اُٹھائیں۔ یا ایک گال پر طمانچہ لگے تو دوسرا گال آگے کر دیں[۱]۔ مسلمانوں کا یہ مسلک ہرگز نہیں ہے۔

---

[۱] اس قسم کے دعوے کرنے والی قومیں ہم نے دیکھی ہیں لیکن ان دعووں پر عامل کوئی قوم نہیں ہے۔ قوموں کے بعض طبقے بے شک دباؤ کھاتے ہیں اور ماریں برداشت کرتے ہیں۔ مگر کسی دعوے کے ماتحت نہیں۔ اپنی کمزوری اور بے حسی کے سبب۔ اسلام ایسی مظلومیت گوارا نہیں کرتا۔ بلکہ مظلوموں کو ظلم کے مقابلے کی طاقت بخشتا ہے۔

Marfat.com

جہاد[1] مسلمان کے ایمان کی کسوٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کائنات ﷺ سے فرمایا تھا:۔ اللہ تمہیں معاف کرے۔ تم نے فلاں فلاں آدمیوں کو جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت کیوں دے دی۔ جہاد ہی سے تو پتہ چل سکتا ہے کہ اپنے ایمان میں کون سچا ہے اور کون جھوٹا، عَفَا اللّٰہُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ــــ

مسلمان شہید مرنے کے بعد زندہ رہتا ہے۔ اُسے مُردہ کہنے سے منع کیا گیا ہے اور فرمایا ہے کہ شہدا زندہ ہیں تم میں اُن کی زندگی کے سمجھنے کا شعور نہیں ہے۔ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ اللہ تعالیٰ نے (ہاتھ پر ہاتھ دھرے) بیٹھے رہنے والوں پر جہاد کرنے والوں کو فضیلت دی ہے۔ مجاہدین کو (جہاد کا) بڑا اجر ملے گا،

---

[1] جو مسلمان صرف دل میں بُرائی کو بُرائی سمجھتا ہے وہ بھی جہاد کرتا ہے اور جو زبان سے اعلاءِ کلمۃ الحق کرتا ہے وہ بھی جہاد کرتا ہے اور جو اعلاءِ کلمۃ الحق کے لئے میدان جنگ میں آجاتا ہے وہ بھی جہاد کرتا ہے۔ اِس وقت ہم اعلاء کلمۃ الحق کے لئے میدان جنگ میں آجانے کا ذکر کر رہے ہیں ورنہ جہاد کے لفظی معنی تو کشمکش کے ہیں، کشمکش حالات کو ملحوظ رکھ کر کی جاتی ہے۔ جیسے حالات ہوں ویسا کرنا پڑتا ہے۔ کبھی انسان مجبور ہوتا ہے کہ صرف دل میں بُرائی کو بُرائی سمجھے۔ زبان سے کچھ نہ کہے۔ اور کبھی انسان مجبور ہوتا ہے کہ میدانِ جنگ میں آجائے۔ ہمیں کمزوری کے وقت ہمت سے کام لینے کا حکم ہے اور طاقت کے وقت سختی اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

Marfat.com

فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاھِدِیْنَ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ ظلم کئے جانے کے بعد انتقام لیا جائے اور تلوار چلائی جائے تو اس کی اسلام قطعی اجازت دیتا ہے۔ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِہٖ فَاُولٰٓئِکَ مَا عَلَیْھِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ۔ اسلام سعی و عمل اور تگ و تاز کا دین ہے[1]۔ ایمان لانے سے مسلمان کے مقصد کا تعین ہوتا

---

[1] بقول میجر جنرل اکبر خاں "حضورؐ کی زندگی کا یہ دور جو کفار و مشرکین اور معاندین اسلام کی ریشہ دوانیوں اور دشمنانہ کارروائیوں کا مقابلہ کرنے اور امور مملکت کا انتظام و انصرام فرمانے اور میدان جنگ میں کفّار کے لشکروں کو ہزیمت دینے میں گزرا، حکمت و سیاست اور فن جنگ میں ماہرانہ قیادت کے اعتبار سے اتنا ہی اہم ہے جتنے حضورؐ کے اقوال و اعمال کے مجموعے ہیں۔ جس طرح دینی و دنیاوی فلاح کے لئے حضورؐ کے اقوال و اعمال سے بہتر کوئی ضابطہ نہیں ہے اسی طرح تاریخ عالم میں حضورؐ کے غزوات کا جواب بھی نہیں ملتا۔ حضورؐ کی زندگی کا یہ پہلو سر تا سر عمل و جہد کا پہلو ہے اور اس میں اصول سے لے کر جزئیات تک ہر چیز اپنی جگہ مکمل و مرصّع موجود ہے۔ مسلمانوں کو اور کسی طرف دیکھنے اور کسی کے خوان قیادت و مہارت سے ریزہ چینی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حضورؐ کی ذات حمیدہ صفات کے علاوہ فن جنگ کے اعتبار سے بھی دنیا میں کہیں صحیح قیادت و مہارت میسر نہیں آسکتی"۔

میجر جنرل اکبر خاں کی پوری عمر فوج میں گزری ہے۔ جنرل صاحب ۱۹۱۴ء اور ۱۹۳۹ء کی دونوں بڑی جنگوں میں شریک رہ چکے ہیں اور فوجی قیادت و مہارت میں ایک مقام رکھتے ہیں۔ وہ حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی فوجی قیادت و مہارت دیکھ کر حیران ہیں۔ جنرل صاحب نے اس مضمون پر حدیث دفاع کے نام سے تین سو چھتّیس صفحے کی ایک مبسوط کتاب لکھی ہے اور ثابت کیا ہے کہ فوجی قیادت

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۴۱ پر)

Marfat.com

ہے اور سعی و عمل اور تگ و تاز سے اُس مقصد کو حاصل کیا جاتا ہے۔ مُسلمان کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۰ کا) اور عبادت کے اعتبار سے بھی حضورؐ کا ثانی تاریخ عالم نہیں پیش کرسکتی۔ جنرل صاحب لکھتے ہیں کہ "امریکہ کے جنرل پیٹن نے ۴۵-۱۹۳۹ء کی جنگ میں بہت نمایاں حصّہ لیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ فن جنگ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کی بجائے وہ قرآن مجید کا مطالعہ کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اسے بہت مفید اور سبق آموز پاتا ہوں"۔

ہم ہر شے کو صرف اُتنا ہی دیکھ سکتے ہیں جتنی وہ ہمارے سامنے ہوتی ہے۔ اُس کے وہ رُخ جو ہمارے سامنے نہیں ہوتے ہمیں نظر نہیں آتے۔ پھر دیکھنے میں ہماری نگاہ کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ نگاہ تیز ہے تو شے زیادہ صاف نظر آتی ہے۔ اور نگاہ ناقص ہے تو کم صاف یا دُھندلی نظر آتی ہے، اور نگاہ کے ساتھ عقل کی، علم کی اور رُجحان کی عینکیں بھی کام کرتی ہیں، خدا معلوم کتنی عینکیں ایک شے کے دیکھنے کے لئے لگانی پڑتی ہیں اور تمام عینکیں لگا کر بھی حقیقتاً شے کی حقیقت تک ہم نہیں پہنچتے۔ دیکھنے اور سمجھنے میں کچھ نہ کچھ کسر رہ ہی جاتی ہے۔ شے کے سارے پہلوؤں کا کوئی نگاہ اور کوئی عینک احاطہ نہیں کرسکتی۔

عام اشیا کے دیکھنے اور سمجھنے کا یہ حال ہے۔ یعنی جمادات، نباتات اور حیوانات کی بابت دعوے نہیں کیا جاسکتا، کہ ہم نے اُنہیں خوب دیکھ لیا اور خوب سمجھ لیا تو اشرف المخلوقات انسان، اور اشرف المخلوقات میں اشرف الانبیا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بابت کون کہہ سکتا ہے کہ مجھے حضورؐ کے جملہ کمالات کا علم ہوگیا۔

میں حضورؐ کو اپنی بصیرت اور اپنے ذوق کے مطابق دیکھتا ہوں۔ آپ اپنی بصیرت اور ذوق کے مطابق دیکھتے ہیں، البتہ جب مجھے آپ بتاتے ہیں یا آپ کو میں بتاتا ہوں کہ ذرا حضورؐ کا فلاں وصف تو ملاحظہ کیجیے تو آنکھیں کُھلتی ہیں۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۴۲ پر)

Marfat.com

سار ی زندگی جہاد ہے۔ اسلام فقط اتنا چاہتا ہے کہ لڑائی میں پہل نہ کرو۔

(بقیہ حاشیہ صہ۱۴۱ کا)۔ صلح حدیبیہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سوا کُل صحابہ کے نزدیک اعتراف شکست تھیں تو ہم آجکل کے مسلمان صلح حدیبیہ کو فتح کیا قرار دے سکتے ہیں۔ صحابہ پر شرائط نامہ حدیبیہ کا ناگوار اثر اُس وقت تک رہا جب تک اللہ تعالیٰ نے اُسے فتح نہیں فرما دیا۔ ہم زیادہ سے زیادہ فتح مکّہ سے صلح حدیبیہ کا جوڑ ملا سکتے ہیں۔ لیکن میجر جنرل اکبر خاں نے تیس پینتیس برس مسلسل جنگوں اور صلحوں کا تجربہ اور دو عظیم اور عالم گیر جنگوں میں شرکت کرنے کے بعد اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا کا حُسن نمایاں کیا تو بے اختیار زبان سے نکلا کہ آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری، میجر جنرل اکبر خاں غور کرتے ہیں تو اُن کے سامنے حضورؐ کی جنگوں اور صلحوں کے محاسن اُجاگر ہو جاتے ہیں اور وہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ حضورؐ سے بہتر جرنل میں نے نہیں دیکھا اور میں نے نہیں سُنا اور اس مضمون پر پوری کتاب لکھ ڈالتے ہیں۔ اور مسٹر ایس۔ اے۔ رحمٰن، چیف جسٹس ہائی کورٹ مغربی پاکستان غور کرتے ہیں تو حضورؐ کے لاثانی مقنّن ہونے کا اقرار فرماتے ہیں۔ حتّٰی کہ ایک غیر مسلم کے متعلق علامہ عنایت اللہ مشرقی کی روایت ہے کہ وہ ۱۹۰۷ء میں (غالباً بحیثیت طالب علم) اُن غیر مسلم کے مکان کے قریب مقیم تھے۔ غیر مسلم کا نام تھا سر جیمس جینس۔ اِن کا شمار دنیا کے ممتاز ترین سائنس دانوں میں ہے اور برطانوی سائنس دانوں کے تو یہ استاذ الاساتذہ تھے۔ ۱۹۴۸ء میں فوت ہوئے ہیں۔" ایک دن باتوں باتوں میں علامہ مشرقی نے سر جیمس کو یہ آیت سنائی:۔ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ اللہ سے اُس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جنھیں (اُسکی عظمت کا) علم ہے۔

سر جیمس نے کہا۔ تمھارے بے پڑھے لکھے نبی کو یہ راز کیسے معلوم ہو گیا کہ

(باقی حاشیہ صہ۱۴۳ پر)

Marfat.com

اور لڑائی میں بھی اخلاق کا دامن نہ چھوڑو۔ لیکن لڑائی جھاڑ کا کانٹا بن کر چمٹ جائے۔ یا دین خطرے میں نظر آئے تو اُس وقت مردانگی دکھانا مسلمان کا فرض ہے۔ نفلی نماز اور نفلی روزے سے افضل فرض ہے۔ مسلمان اُس وقت گھر میں چُھپا بیٹھا نہیں رہ سکتا۔

(بقیہ حاشیہ صہ ۱۴۲ کا) اللہ سے اہل علم ہی ڈرتے ہیں۔ یقیناً وہ سچے نبی تھے۔ یقیناً قرآن اللہ کا کلام ہے ـــــ ہوا یوں کہ سر جیمس اتوار کے اتوار بغل میں بائبل دبائے گرجا جایا کرتے تھے۔ ایک دن علّامہ مشرقی نے اُن سے پوچھا کہ آپ جیسا جلیل القدر سائنس داں گرجا جاتا ہے۔ کیا قصّہ ہے۔ سر جیمس نے کہا۔ شام کو میرے ساتھ چائے پینا۔ شام کو جواب دوں گا۔ شام کو علامہ مشرقی گئے تو سر جیمس نے اجرام فلکی کے مہیب نظام پر ایسی ایمان افروز تقریر کی اور اللہ کی حکمت و عظمت پر اس طرح روشنی ڈالی کہ علّامہ مشرقی وجد و حیرت کی دو گونہ کیفیات میں کھو گئے۔ اور خود سر جیمس کا عجیب عالم تھا۔ آنکھیں سُرخ تھیں اور سر کے بال کھڑے تھے اور ہیبت الٰہی سے لرزہ براندام تھے۔

آخر میں سر جیمس نے فرمایا:۔ عنایت اللہ! اسی خشیت و ہیبت کی فراوانی کو ہلکا کرنے کی خاطر میں گرجا جاتا ہوں۔ میں جب فرش خاک پر جبین نیاز رکھ کر "خدائے عظیم" کہتا ہوں تو یقین مانیے یہ آواز میرے دل کی گہرائیوں سے اُٹھتی ہے۔ مسٹر عنایت اللہ! میں نے اللہ کے شاہکاروں پر سالہا سال غور کر کے ہی اللہ کی عظمت کا تصور قایم کیا ہے۔ جاہل انسان اللہ کی عظمت کا تصور نہیں کر سکتا۔ اس فقرے پر علامہ مشرقی نے قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت تلاوت کی ـــ جو سر جیمس کے دل میں کھپ گئی۔

Marfat.com

دین خطرے میں نظر آئے تو مدافعانہ ہی نہیں جارحانہ جنگ کی جاسکتی ہے۔ تاہم وہ کچھ اور بات ہوگی اور یہ بات کچھ اور ہے کہ سرایا کا مقصد قافلوں کو لوٹنا تھا۔ یا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔

بقول ڈاکٹر آرنلڈ "اسلام کی اشاعت تلوار کے زور سے ہوئی ہوتی تو دہلی آگرہ، جون پور، لکھنؤ اور لاہور میں آج ہندو نظر نہ آتا اور متھرا اور بنارس میں کسی مندر کا نام ونشان نہ ملتا" نہ جانے مخالفین کیسے کہہ دیتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ جبری ایمان تو ایمان ہی نہیں ہے۔ ایمان وہ ہی جو ارادے۔ اختیار اور دل سے قبول کیا جائے۔ جو شخص دل سے مسلمان نہ ہو اور اپنے کو مسلمان کہے اُسے اسلام کے حق میں کافر سے زیادہ خطرناک سمجھا جاتا ہے۔ وہ منافق ہے۔ ففتھ کالم ہے۔ مار آستین ہے۔ اللہ تعالےٰ نے تو صاف فرمادیا ہے:۔ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ الخ۔ دین کے معاملے میں جبر کا کام نہیں ہو (دین دل کے اعتقاد سے تعلق رکھتا ہے۔ جبر سے اعتقاد نہیں پیدا ہو سکتا)۔ بے شک راہ ہدایت گمراہی سے الگ اور نمایاں ضرور ہو چکی ہے ۔۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۔۔ ہم نے راہ (ہدایت) انسان کو سُجھادی، اب وہ چاہے اُس پر چلے اور چاہے نہ چلے۔

اسلامی حکومت میں غیر مسلم ذمّی بن کر رہ سکتے ہیں اور بعض اعتبار سے مسلمانوں کی نسبت زیادہ مزے میں رہ سکتے ہیں،

Marfat.com

نظام المشائخ۔ کراچی

ایک دو سرایا کفارِ مکّہ کی تجارت روکنے کی نیت سے ضرور کئے گئے ہیں۔ کفارِ مکّہ مُسلمانانِ مدینہ کو حج اور عمرے کے لئے بھی مکّے میں قدم نہیں رکھنے دیتے تھے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے کہا، اِس کا جواب یہ ہے کہ تم شام میں تجارت کرنے مدینے کی طرف سے نہیں جا سکو گے۔ کفارِ مکّہ مدینے کی طرف سے جانے پر مجبور تھے۔ اور یوں مسلمانانِ مدینہ اور کفارِ مکّہ کی جھڑپیں ہو جاتی تھیں، اور جھڑپوں میں ہتھیار بند ہونے اور زیادہ ہونے کے باوجود کفار عموماً شکست کھاتے تھے اور سامان چھوڑ کر بھاگتے تھے۔ مقصد حقیقتاً کفارِ مکّہ کی تجارتِ شام کا روکنا تھا۔ کفارِ مکّہ نہ رُکتے اور مقابلہ کرتے تو پھر تلواریں کھنچ جاتیں" اور جنگ ہو جاتی۔ جنگ میں مال کا ہاتھ آنا لوٹ نہیں کہلاتا۔

مسلمان تجارتی قافلوں کو اکثر نقصان پہنچا کرتا تھا۔ اُس کے تدارک کی خاطر بھی سرایا کرنے پڑتے تھے۔ جب صلح حدیبیہ کے بعد کفارِ مکّہ نے حج کی اجازت دے دی تو مسلمانانِ مدینہ نے بھی شام کے راستے کی روک ٹوک اُٹھالی۔ بلکہ صلح کے بعد کفارِ مکّہ کا جو تجارتی قافلہ مدینے کی طرف سے گزرتا تھا مسلمانانِ مدینہ اُسے سہولتیں بہم پہنچاتے تھے اور دوسروں سے اُسے بچاتے تھے۔ پھر سرایا کفارِ مکّہ کی حفاظت کے واسطے کئے جاتے تھے۔

دیکھنا یہ چاہیئے کہ سرایا ہوں یا غزوات۔ جھڑپیں ہوں یا جنگیں، اُن کا بالآخر نتیجہ کیا نکلا[۵]۔ لوٹ مارنے ترقی کی یا لوٹ مار ختم ہو گئی۔ قتل و

[۵] نتیجہ یہ نکلا کہ وہی حضرات جن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۴۶ پر)

اکتوبر ۱۹۵۵ء

Marfat.com

خون جاری رہا یا قتل و خون رُک گیا۔ سرایا اور غزوات نے مُلک کا سکون و اطمینان برباد کر ڈالا یا مُلک میں سکون و اطمینان کا دور دورہ کر دکھایا۔ زندگی کو دُکھوں سے بھر دیا یا زندگی میں کیف پیدا کر دیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۵) نے بھلا یہ کیسے کہا ہو گا کہ جو شخص جہاد اس خیال سے کرے گا کہ مالِ غنیمت ہاتھ آئے اُسے جہاد کا ثواب نہیں ملے گا یا لآخر ایسے ہو گئے کہ مالِ غنیمت انھیں دیا جاتا تھا اور وہ نہیں لیتے تھے۔

حضرت وائلہ بن الاسقع غزوہ تبوک میں جانے لگے تو اُن کے پاس جنگ کا سامان نہیں تھا۔ انھوں نے ایک انصاری سے معاملہ کیا کہ اس وقت میری مدد کیجیے۔ جتنا مالِ غنیمت میرے ہاتھ آئے گا اُس میں سے آدھا آپ کو دوں گا۔ انصاری نے حضرت وائلہ کی خوراک اور سواری اپنے ذمے لے لی۔ حضرت وائلہ کے حصہ میں کئی اونٹ آئے اور آدھے اونٹ حضرت وائلہ نے حسبِ وعدہ انصاری کی خدمت میں پیش کیے۔ مگر انصاری نے فرمایا، انھیں تم ہی رکھو۔ میں نے تو ثواب میں شرکت کی تھی۔ اونٹوں کا خواہاں نہیں ہوں۔

اور نتیجہ یہ نکلا کہ لوٹ مار کے ساتھ خوں ریزی بھی رک گئی۔ ملک میں امن و امان ہو گیا اور ملک کو سکون و اطمینان مل گیا۔ آجکل کی طرح جنگ بعد از جنگ کا کھٹکا نہیں رہا۔

اور یہ بھی سُن لیجیے کہ ۲ھ سے ۹ھ ہجری تک، یعنی حضورؐ کے تمام غزوات میں صرف دو سو انسٹھ مسلمان شہید ہوئے تھے۔ اس تعداد کو دیکھیے اور اُس انقلاب پر غور کیجیے جس انقلاب کی نظیر نہیں پیش کی جا سکتی۔ کیا آپ اسے حضورؐ کا معجزہ نہ کہیے گا کہ اتنی کم خوں ریزی سے حضورؐ اتنا بڑا کام انجام دے گئے۔

Marfat.com

آج بھی امن کے نام پر جنگیں لڑی جاتی ہیں۔ لیکن برابر ایک جنگ دوسری جنگ کو جنم دے رہی ہے۔ کیا جو سرایا اور غزوات حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زمانے میں کئے گئے تھے اُن کا بھی یہی حشر ہوا تھا۔ متعصب یورپین مورخ تک مانتے ہیں کہ "محمدؐ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا۔ محمدؐ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا۔ اور اہلِ عرب میں ایسا رشتہ قایم کر دیا جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور استوار تھا۔"

مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے حضرت عدی رضؓ جب اسلام لائے ہیں تو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُن سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالےٰ اسلام کو اتنا فروغ دینے والا ہے اور عرب کی بے آئینی کو ایسا مٹانے والا ہے کہ اکیلی عورت حیرہ سے کعبہ کی زیارت کرنے چلے گی اور اُسے خشیۃ اللہ کے سوا اور کسی قسم کا کھٹکا نہیں ہوگا، کیا یہ پیشین گوئی غلط ثابت ہوئی۔ حضورؐ تلوار اُن کے خلاف اُٹھاتے تھے جو اس فضا کے پیدا کرنے میں روڑے اٹکاتے تھے اور اسلامی نظام کے قیام میں رکاوٹ ڈالتے تھے۔ جو نہیں چاہتے تھے کہ وحشی متمدن بنیں۔

عربوں کی اصلاح حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے تیئیس سال میں کی تھی۔ پہلے ہی دن عرب ویسے نہیں بن گئے تھے جیسے وہ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ کے نزول کے وقت تھے۔ اصلاح رفتہ رفتہ ہوئی تھی۔ شروع شروع کی لغزشوں کا ذمہ دار اسلام نہیں تھا۔ عربوں کا قدیم ماحول تھا۔ یوں سوچئے کہ عرب

Marfat.com

اکتوبر ۱۹۵۷ء

اسلام لانے سے پہلے کیسے تھے۔ اور اسلام لاتے ہی اُن میں کتنی تبدیلی ہوئی۔ اور اسلام لانے کے بعد چند سال میں وہ کیا بن گئے۔ اِس ترتیب سے سوچئے گا تو دل بے اختیار پکار اُٹھے گا کہ دل و دماغ میں ایسا انقلاب رونما کرنا اللہ کے رسولؐ ہی کا حصّہ تھا۔ اور رسولؐ نے کیسی خوش اسلوبی اور کس سلیقے سے یہ مقدّس انقلاب کیا۔ اِس کے تصوّر سے رسولؐ کی عظمت دل میں جاگزیں ہوجائے گی۔

ایک اور طعنہ دیا جاتا ہے کہ اسلام نے بے خبری میں حملہ کرنا جائز بتایا ہے۔ بات یہ تھی کہ عرب میں دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک گھرگھرستی۔ دوسرے خانہ بدوش۔ گھرگھرستی تو تجارت بھی کرلیا کرتے تھے۔ مگر خانہ بدوشوں کا پیشہ فقط لوٹ مار تھا۔ اُن سے مسلمان تجارتی قافلوں کو بھی اذیت پہنچا کرتی تھی۔ اور اُنھیں سزا دینے کی اس کے سوا کوئی صُورت نہیں تھی کہ اُن پر بے خبری میں حملہ کیا جائے۔ خانہ بدوش کے معنی ہیں۔ گھر کندھے کے اوپر۔ آج یہاں۔ کل وہاں۔ بے خبری کے حملوں کے باوجود خانہ بدوشوں کا ہاتھ لگنا مشکل تھا۔ بس اِن ہاتھ نہ لگنے والوں پر بے خبری میں حملے کئے گئے ہیں۔ ویسے عام جنگوں میں بے خبری کا حملہ منع ہے، بے خبری کے حملے اسلام سے پہلے کئے جاتے تھے۔ اسلام نے اُنھیں ختم کیا ہے۔

کفّارِ مکّہ کی تجارتِ شام روکنے کے علاوہ جتنے سرایا ہیں، اُن کا مقصد یا لیڈروں کی تعذیر ہے۔ یا مبلغین اسلام کی حفاظت۔ یا بت شکنی۔

نظام المشائخ کراچی

Marfat.com

نظام المشائخ۔ کراچی

جو دستے مبلغین کی حفاظت کے لئے بھیجے جاتے تھے اُنھیں بجز جان جوکھوں میں ڈالنے اور جان کھونے کے اِس دُنیا میں کچھ نہیں ملتا تھا، لیکن معترض کی زبان کون پکڑ سکتا ہے۔ اُن کی بابت بھی بدگمانی کرنے والے بدگمانی کرتے ہیں

سرایا میں مسلمانوں سے لغزش ہو جاتی تھی تو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُسے لغزش کہتے تھے۔ اُسے سراہتے نہیں تھے۔

ملک پر غلبہ پا لینے کے بعد حضورؐ نے خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں ایک جماعت تبلیغ اسلام کی غرض سے قبیلہ بنی جذیمہ کی طرف روانہ فرمائی اور حسب دستور ہدایت کر دی کہ تبلیغ کے لئے جا رہے ہو۔ لڑنے نہیں جا رہے ہو۔ مگر خالد بن ولیدؓ سے نہ رہا گیا۔ وہ لڑ پڑے۔ خالد بن ولید کی شمشیر زنی مشہور ہے، لیکن اس موقع پر سیف اللہ کی شمشیر زنی حضورؐ کی مرضی کے خلاف تھی۔ حضورؐ نے سُنا تو حضورؐ کھڑے ہو گئے اور قبلہ رو ہو کر کہا، اے اللہ! خالد نے جو کیا ہے، میں اُس سے بری ہوں۔ تین بار اِسی فقرے کو دہرایا۔ اور پھر حضرت علی مرتضیٰؓ سے فرمایا۔ تم جاؤ اور جا کر تلافی کرو۔ حضرت علیؓ نے کتوں تک کا خوں بہا ادا کیا۔ رہی بُت شکنی، سو بُت شکنی سے مراد حملہ کر کے بُت توڑنا نہیں ہے۔ جب کوئی بُت پرست قبیلہ مسلمان ہوتا تھا اور کہتا تھا کہ ہم میں ابھی اپنے بُت خانے کے بُت توڑنے کی ہمت نہیں ہے۔ ہمیں وہم آتا ہے اور ڈر لگتا ہے۔ تب حضورؐ پرانے مسلمانوں میں سے دو

۱۵

اکتوبر ۱۹۵۸ء

Marfat.com

چار بُت شکن بھیج دیتے تھے، کعبہ میں گھس آنے والے بتوں کو البتہ ضرور نکالا گیا تھا۔

اکتوبر ۱۹۵۱ء

دُنیا میں ایک قوم بھی ایسی نہیں ہے، جس کے دامن پر جنگ کے خون کی چھینٹیں نہ پڑی ہوں۔ جنگ کرنا انسان کا فطری جذبہ ہے۔ اِسے دبایا نہیں جاسکتا۔ ہاں کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اِس پر کنٹرول کرلیا۔ اس پر قابو پالیا، اسلام جذبات کو کچلتا نہیں ہے، ہر جذبے کی حدود مقرر کرتا ہے اور حدود کے اندر رہ کر جذبہ پورا کرنے کو فرض، سنّت اور مستحب بتاتا ہے۔ جذبے کا حدود کے اندر رہ کر پورا کرنا اسلام ہے۔

جنگ کا جذبہ عربوں میں غیر معمولی تھا۔ پہلا کام تو حضورؐ نے یہ کیا کہ
۱۷ اُس کا رُخ موڑ دیا۔ اسلام سے پہلے عرب آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ اسلام کے بعد اُن کی تلواریں دشمنوں کے خلاف چمکنے لگیں۔ مگر حکم ہوا کہ دشمنوں کے ساتھ بھی پہل مت کرنا۔ البتہ دشمن نہ ملنے تو ڈٹ جانا۔ اور ایسا مزا چکھانا کہ دشمن کا دم مرجائے۔ اور دیکھو۔ یہ ڈٹ جانا اور مزا چکھانا اللہ کے لئے ہو۔ نفس پروری کے لئے نہ ہو۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے پوچھا گیا۔ کیا ایسے شخص کا جہاد جہاد ہے، جس کی ذہنیت یہ ہو کہ جہاد کرنے سے لوگ اُسے بہادر سمجھیں گے۔ یا اُس کی شہرت ہوجائے گی۔ یا مالِ غنیمت اُس کے ہاتھ آئے گا۔ یا وہ ذاتی دشمنوں سے انتقام لے سکے گا۔ حضورؐ نے فرمایا:-

نظام المشائخ کراچی

Marfat.com

مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ - جو اس نیت سے قتال کرتا ہے کہ اللہ کی بات اونچی رہے بس اُس کا قتال اللہ کی راہ کا قتال ہے - یعنی جہاد ہے -

جو جنگ ظلم و ستم اور جہالت و وحشت کی پوٹ ہو وہ جنگ ہے اور معیوب ہے مگر جو جنگ اعلائے کلمۃ اللہ، قیام امن، رفع مفاسد، اور نصرت مظلوم کی نیت سے لڑی جائے وہ جہاد ہے اور سب سے بڑی نیکی ہے - اور دیکھو ! بے خبری میں حملہ کرنے کی اجازت اُسی حالت میں ہے کہ بغیر اس کے دشمن ہاتھ نہ آئے - یا دشمن تم پر بے خبری میں حملہ کر چکا ہو تو اُس سے بدلہ اسی طریقے سے لے سکتے ہو - باقی ویسے بے خبری کا حملہ ناجائز ہے -

اسلام جوں جوں جڑیں پکڑتا گیا جنگ کے قدیم طریقوں کی اصلاح ہوتی گئی اور ایسی اصلاح ہوئی کہ آج دنیا اُس کی نقل کرتی ہے اور پھر بھی اُس سے پیچھے رہتی ہے - حکم ہے :- اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ - بُرائی کی مدافعت بھلے طریقے سے کیا کرو -

جہاد میں عورتوں - بچوں - نوعمروں اور ہپ ہپ کرتے بوڑھوں کا قتل ناجائز ہے - لَا تَقْتُلُوْا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا طِفْلًا وَلَا صَغِيْرًا وَلَا امْرَأَةً - اسلام قتل عام کا مخالف ہے - اسلام بھاگتے ہوئے دشمن کو تعاقب کر کے مارنا بُرا قرار دیتا دیتا ہے اور امان مانگنے والے کو امان بخشتا ہے - فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ -

نظام المشائخ - دہلی
۱۷
اکتوبر ۱۹۵۶ء
Marfat.com

اے رسول! کفار کو معاف کردو اور اُن سے چشم پوشی کرو۔ وَمَا اَنْتَ عَلَیْھِمْ بِجَبَّارٍ۔ لوگوں پر جبر کرنا تمھاری شان نہیں ہے۔ لَسْتَ عَلَیْھِمْ بِمُصَیْطِرٍ۔ اے رسول! تم کفار کے اجارہ دار نہیں ہو (کہ انہیں مسلمان بنا کر ہی چھوڑو)۔ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَھَا۔ اگر کفار صلح پر آمادہ ہوں تو اُن سے صلح کر لو۔

اسلام سے قبل قیدیوں کو درخت سے باندھ کر تیروں کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ حضورؐ نے اسے روک دیا۔

آج تو میں قوموں سے جنگ میں کیا، امن و امان کے دوران میں عہد کی پابندی نہیں کرتیں، معاہدے لکھے جاتے ہیں اور پھاڑے جاتے ہیں۔ حضورؐ نے تاکید فرمائی کہ عہد کی پابندی امن میں بھی ضروری ہے اور جنگ میں بھی۔

جنگ بدر کے موقع پر حضرت یمان اور اُن کے بیٹے حضرت حذیفہ مدینہ آرہے تھے۔ راستے میں اُنھیں کفار نے گرفتار کر لیا۔ اور کہا کہ وعدہ کرو، مدینے سے ہمارا مقابلہ کرنے نہیں آؤ گے۔ تو چھوڑتے ہیں۔ ورنہ نہیں جانے دیں گے۔ اُنھوں نے وعدہ کر لیا۔ مدینے پہنچ کر دونوں کے دل میں ہُلہُلا اُٹھا کہ ہم مقابلہ کرنے جائیں گے۔ مگر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ وہ اس طرح وعدہ کر کے مدینے پہنچے ہیں تو حضورؐ نے فرمایا۔ عہد نہیں توڑا جا سکتا۔

ابو رافع کفار کے ایلچی کی حیثیت سے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضورؐ کی باتیں سُنیں تو ایمان لے آئے

اسٹوری آف ۱۹۵۱ء

۲۲

نظام اسلام ۵۶۔ کراچی

اور کہا کہ اب میں واپس نہیں جاتا، حضورؐ نے فرمایا - ایک دفعہ تو جانا پڑے گا - ایلچی کی حیثیت ختم کر کے آنا -

صلح حدیبیہ ہوئی ہی تھی کہ وہیں، حدیبیہ میں حضرت ابوجندل رضؓ کفارِ مکہ کی قید سے نکل کر پہنچے - اُنھوں نے بہتیری کوشش کی اور حضورؐ کے ساتھ کے مسلمانوں نے بھی بڑا زور دیا کہ ابوجندل واپس نہ جانے پائیں، حضرت ابوجندلؓ مار کے نشان اور جلانے کے داغ دکھلاتے تھے اور رو رو کر مسلمانوں سے اپیل کرتے تھے کہ مجھے دوبارہ امتحان میں نہ ڈالو، مسلمانوں کا اضطراب حد سے متجاوز ہو گیا تھا، حضرت عمر فاروق رضؓ نے تو حضورؐ سے اِس بارے میں ایسی بحث کی کہ اُس کا اُنھیں مدّت العمر ملال رہا - لیکن حضورؐ نے عہد نہیں توڑا - اور حضرت ابوجندل کو اُسی طرح پابہ زنجیر کے واپس بھیجدیا جس طرح پابہ زنجیرہ قید خانے سے بھاگے تھے، صرف اُس شرطِ صلح کو پورا کرنے کی خاطر کہ مسلمان کفار کے قبضے سے نکل آئے گا تو ہم اُسے واپس کر دیں گے -

قرآن مجید میں جگہ جگہ اِس قسم کے احکام ہیں - اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ - معاہدوں کی پابندی کرو - اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا - عہد پورا کرو - عہد کے متعلق (تم سے اللہ کے ہاں) باز پرس کی جائے گی (کہ پورا کیا تھا یا نہیں) قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ .... وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ - بے شک مسلمان

Marfat.com

کامیاب ہو گئے۔ (کون سے مسلمان) وہ جو اپنی نمازیں خشوع و خضوع سے ادا کرتے ہیں۔ اور...... اور...... اور جن کا حال یہ ہے کہ امین ہیں اور پابند عہد ہیں۔ اَلَّذِیْنَ عَاھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْکُمْ شَیْئًا وَّلَمْ یُظَاھِرُوْا عَلَیْکُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَیْھِمْ عَھْدَھُمْ۔ جن مشرکوں سے تم نے معاہدہ کیا تھا اور اُنھوں نے ایفاءِ عہد میں کوئی کوتاہی نہیں برتی اور تمہارے مقابلہ میں تمہارے کسی دشمن کو مدد نہیں دی تو اُن کے ساتھ تم عہد پورا کرو۔

اسلام کے نزدیک مکڑی کے جالے جیسا معاہدہ کرنا ناپسندیدہ ہے۔ جس میں کمزوروں کو پھنسایا جاتا ہے اور طاقت ور جسے توڑ پھینکتے ہیں،

جنگ کے قاصدوں کا قتل حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسدود کر دیا۔ اسیرانِ جنگ کی بابت ہدایت فرمائی کہ اُنھیں کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ چنانچہ غزوہ بدر کے بعد صحابہ خود کھجوریں وغیرہ کھا کر گزارہ کر لیتے تھے مگر بدر کے قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے:۔ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا۔ مسلمان اللہ کی محبت میں مسکینوں کو، یتیموں کو، اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

غزوہ حنین میں چھ ہزار گرفتار پکڑے گئے تھے۔ حضورؐ نے اُن سب کی رہائی کا حکم دے دیا اور اُنھیں پہننے کے لئے کپڑے عنایت فرما کر رخصت کیا۔

Marfat.com

حاتم طائی کی بیٹی گرفتار ہوئی تو اُسے حضورؐ نے احترام کے ساتھ مسجد میں ٹھیرایا اور فرمایا۔ کوئی شخص تمہارے شہر کا مل جائے تو اُس کے ہمراہ تمہیں تمہارے وطن (یمن) روانہ کر دوں گا۔

حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشاد ہے کہ جہاد کے دوران میں راہ گیروں کو ستانا اور گھروں میں گھس کر خانہ نشینوں کو تنگ کرنا گناہ عظیم ہے۔ اِس سے جہاد نامقبول ہو جاتا ہے۔

غزوہ اُحد میں مال غنیمت کے شوق نے مسلمانوں کی فتح کو شکست سے بدل دیا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے لتاڑا :- مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا۔ تم میں کچھ لوگ دنیا کے طلب گار تھے۔

ایک حدیث ہے :- جو مجاہد مالِ غنیمت لے لیتا ہے اُس کا دو تہائی ثواب گھٹ جاتا ہے۔ پورا ثواب اُسے ملتا ہے جو غنیمت کی پرواہ نہیں کرتا۔

جہاد کی اجازت اللہ تعالےٰ نے اِن الفاظ میں دی تھی :- اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا۔ مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کو لڑنے کی اجازت اس لئے دی جاتی ہے کہ اُن پر ظالموں نے ظلم ڈھا رکھے ہیں، اور حکم فرمایا ہے وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ۔ اِن سے لڑو تاکہ فتنہ باقی نہ رہے۔ اور فرمایا۔ اَلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ۔ (یہ مسلمان) وہ لوگ ہیں

Marfat.com

کہ اگر ہم انھیں زمین کا قبضہ دے دیں اور زمین پر متصرف کر دیں تو یہ نماز کو قایم کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے۔ اور لوگوں کو اچھی باتیں بتائیں گے اور بری باتوں سے بچائیں گے۔

جہاد اور جنگ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ مومنین اللہ کی طرف سے لڑتے ہیں اور کفار اہل طغیان کی طرف سے۔ فراعنہ نماردہ کی طرف سے، جہاد کو جنگ کے نقطہ نظر سے اور جنگ کی عینک لگا کر دیکھنا صحیح نہیں ہے، جنگ لعنت ہے اور جہاد عبادت ہے۔ جنگ کے بعد دوسری جنگ ہوتی ہے اور جہاد کے بعد امن و اطمینان ہو جاتا ہے۔ جنگ انسانیت کو تباہ کرنے کے واسطے کی جاتی ہے اور جہاد دفع ظلم اور انسانیت کے تحفظ کے واسطے کیا جاتا ہے۔ جنگ کے بعد مفتوح قوم کی اقتصادی، معاشرتی اور تمدنی حالت تباہ کر دی جاتی ہے اور جہاد کے بعد مفتوح قوم کی بہبودی اور فلاح کو مدِّ نظر رکھا جاتا ہے۔ جہاد میں حدود سے تجاوز کرنے کی سخت ممانعت ہے، جنگ میں اللہ کو بھلا دیا جاتا ہے اور جہاد میں اللہ قدم قدم پر یاد آتا ہے، مجاہد بلندی پر چڑھتا ہے تو اللہ اکبر کہتا ہے۔ نیچے اترتا ہے تو سبحٰن اللہ کا ورد کرتا ہے۔ جہاد میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم احکام بھی جاری فرماتے جاتے تھے اور سجدے کر کر کے اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر اللہ سے دعائیں

Marfat.com

بھی مانگتے جاتے تھے۔ جنگ کی آگ کا دوسروں کو ایندھن بنایا جاتا ہے۔ اور جنگ کرانے والا جنگ سے ہزاروں میل دور بیٹھا عیش مناتا رہتا ہے، جہاد کے لئے کرائے کے آدمی نہیں جمع کئے جاتے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاد میں عام مسلمانوں سے زیادہ حصہ لیتے تھے۔ کمانڈری کے ساتھ خندق بھی کھودتے تھے اور پتھر بھی توڑتے تھے۔ مجاہد جان کے ساتھ اپنا اور سب کچھ بھی لٹا دینے کو تیار ہوتا ہے۔

جہاد اندھا دھند نہیں کیا جا سکتا۔ اہل جہاد کا ایمان ہے کہ جس نے ایک انسان کو بے وجہ قتل کر دیا اُس نے گویا سارے عالم کو قتل کر دیا۔ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا۔ اسلام کے لفظی معنی ہی امن و سلامتی کے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ یَھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ اللہ تعالیٰ اِس کتاب (قرآن) کے ذریعہ اُن لوگوں پر جو (ہوائے نفس کی بجائے) اللہ کی خوشنودی کے تابع ہوں سلامتی کی راہ کھولتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمان کی منزل دار السّلام بتائی ہے۔ لَھُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّھِمْ۔

اللہ تعالیٰ کہتا ہے اَلَّذِیْنَ ...... وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخَاسِرُوْنَ۔ جو لوگ ملک میں فساد برپا

Marfat.com

کرتے ہیں اُنھیں گھاٹا رہے گا۔

اللہ تعالےٰ حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بعثت کا باعث یہی بتاتا ہے کہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ (ہم نے پیغمبر اسلام کو اس وجہ سے مبعوث کیا ہے کہ لوگوں کے اعمال کی بدولت) تباہی و بربادی نے بحر و بر کو گھیر لیا ہے۔ (یعنی تمام عالم میں فتنہ و فساد کا دَور دَورہ ہے)

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ایسا کبھی نہ ہونے پائے کہ کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ کر دے کہ تم (اُس سے) انصاف نہ کرو۔ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ط

Marfat.com

غُلامی کا اِنسداد

شراب - جوا - زنا ، بہت سی بُرائیاں ہیں ، جن میں کسی مسلمان کو مبتلا پایا جاتا ہے تو ذہن ادھر منتقل نہیں ہوتا کہ اسلام نے اِن کی اجازت دی ہے - غیر مسلم تک جانتے ہیں کہ فلاں بُرائی مسلمانوں کے ہاں بُرائی ہی - لیکن غلامی کا معاملہ ایسا ہو کہ بعض مُسلمان بھی سمجھنے لگے ہیں کہ غلامی اسلام میں جائز ہے - اور غلامی کا خاتمہ اسلام نے نہیں ، اہلِ مغرب[1] نے کیا ہے ، حالانکہ اسلام آیا فقط اسی

---

[1] آجکل سب سے زیادہ دعوے دار آزادی امریکہ ہے - حکومت امریکہ نے نیگروں (امریکہ کے قدیم سیاہ فام باشندوں) کے ساتھ جو نامنصفانہ اور بے رحمانہ سلوک روا کر رکھا ہے ، ذرا اُسے نہ بھولئے گا - اور یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ غلام بنانے کے خلاف جذبہ نفرت پیدا کرتے چودہ سو برس پہلے آپ کیسے پاتے ہیں ؟ یہ نفرت چودہ سو برس پہلے کہاں کہاں تھی ؟ یہ نفرت اب ہمارے اندر کچھ رچ سی گئی ہے - حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِس نفرت دلانے کی اہمیت جب نظر آئے گی جب ہم اُس زمانے کے سماجی وسیاسی حالات کا مطالعہ کریں جس زمانہ میں غلام بنانے سے نفرت دلائی جارہی تھی - اُس وقت آپ صحیح قدر کرسکیں گے کہ حضورؐ کے اس حکم کے کیا معنی ہیں کہ

(باقی صفحہ ۱۶۰ پر)

Marfat.com

کام کے واسطے تھا کہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے رہائی دلا کر اللہ واحد کا غلام بنا دے۔ جس قسم کی حکومتیں خلفاءِ راشدین کے بعد مسلمان کرتے رہے اور جس نوعیت کی حکومت مسلمانوں میں آج رائج ہے اسلام

(بقیہ صد ۱۵۹ کا) " غلاموں کو وہی کھلاؤ جو خود کھاؤ اور وہی پہناؤ جو خود پہنو۔" اور
" حقوق میں تمام انسانوں کو مساوی رکھو۔ اس طرح کہ اپنے بیگانوں کی طرح ہوں اور بیگانے اپنوں کی طرح ہوں۔"

اور حضورؐ نے کیوں فرمایا تھا کہ

" تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ (جدّ) ایک ہے۔ لہٰذا عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر اور گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر فوقیت و فضیلت نہیں ہے۔ فوقیت و فضیلت کی کوئی شے ہے تو بس تقویٰ ہے۔"

" اے آلِ محمدؐ! ایسا نہ ہو کہ اور لوگ میرے پاس نیک اعمال لے کر آئیں اور تم نرا حسب و نسب ہی لے کر آؤ۔ عمل کرو۔ میں تمہیں اللہ کی گرفت سے مطلق نہیں بچا سکتا۔"

اور کیوں فرمایا تھا کہ

" ناک چھدا حبشی غلام تمہارا امیر بنا دیا جائے اور وہ تمہیں اللہ کی کتاب کے مطابق چلائے تو اُس کی بھی اطاعت کرو۔"

(غالباً اموی دورِ حکومت کا واقعہ ہے کہ ایک بار صوبوں کے گورنروں کی فہرست دیکھی گئی تھی تو تمام صوبوں کے گورنر " غلام " نکلے تھے۔)

اور کیوں فرمایا تھا کہ

" جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پیروں کے نیچے (دفن ہو گئے) ہیں۔"

Marfat.com

انھیں نہیں اپناتا۔ کوئی شخص، وہ عامی ہو یا حکمراں اپنے تئیں مسلمان کہے اور مسلمانوں کے سے عمل نہ کرے تو اس کے ذمہ دار حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے قرار دیے جا سکتے ہیں۔ "وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ" حضورؐ کی تعریف تو یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اُس بوجھ سے نجات دلائیں گے جس کے نیچے لوگ دبے ہوں گے اور اُن پھندوں سے نکالیں گے جن میں لوگ گرفتار ہوں گے۔

اسلام نے اس کی کھلے الفاظ میں ممانعت کی ہے کہ جہاں سے چاہا آدمی کو پکڑ لیا اور بیچ ڈالا۔ اور اعلان کیا ہے کہ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ۔ نہیں روا نبی کے لئے کہ ہوں اُس کے پاس قیدی، تاآنکہ وہ خوب خون نہ بہالے زمین میں۔ یعنی بغیر جنگ کے محض خرید و فروخت کے ذریعہ جو انسانوں کو قیدی اور غلام کی حیثیت سے رکھا جاتا تھا اُسے اللہ تعالیٰ نے قطعی اور صاف صاف حرام کر دیا۔ اسلام ہر انسان کو خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم اور اسلامی علاقے میں رہتا ہو یا غیر اسلامی علاقے میں حُر اور آزاد تسلیم کرتا ہے۔ اِنَّ اَهْلَ الْحَرْبِ اَحْرَارٌ۔ متخاصم علاقوں کے عام باشندے بھی احرار (آزاد) ہیں۔

صرف جنگ میں پکڑے جانے والے عورت مرد روکے جا سکتے ہیں لیکن اُن کی بابت بھی حکم ہے:۔ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا۔" روکنے کے بعد (جنگی قیدیوں کو) یا تو فدیہ

لے کر (چھوڑ دو) یا (اُن پر) احسان رکھ کر چھوڑ دو۔ حتیٰ کہ جنگ ہتھیار ڈال دے۔ یعنی جنگ کا خاتمہ ہو جائے" ــــ چنانچہ غزوہ بدر کا کوئی قیدی قیدی نہیں رہا تھا۔ البتہ جب قیدیوں نے یہ کیا کہ چھُٹ چھٹ کر پھر لڑنے آ گئے اور "جنگ نے ہتھیار نہ ڈالے" تو دو ہی صورتیں تھیں کہ یا قیدیوں کو مار ڈالا جاتا یا قیدیوں کو مسلمانوں میں بانٹ دیا جاتا۔

غزوہ بدر کے موقع پر حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تجویز قتل منظور نہیں فرمائی تھی۔ اور رہا کرنے تک دوسری صورت اختیار کی تھی۔ اور بعد میں قیدیوں کو بانٹا گیا جاتا تھا، قیدیوں کے بار کو تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ قیدیوں کے کھلانے پلانے اور تزوّج کی فکر سے سُبکدوشی کا ایک عارضی راستہ نکال لیا گیا تھا۔ ورنہ پہلی صُورت تو وہی ہے کہ جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر یا احسان کر کے چھوڑ دے۔ جنگی قیدیوں کو بھی غلام بنانے کی اسلام نے اجازت دی ہے۔ غلام بنانا لازم نہیں کیا ہے۔ یہ معاملہ بقول علامہ رشید رضا ارباب حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔ حکومت مناسب سمجھے تو جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر یا فدیہ لئے بغیر رہا کر سکتی ہے۔ جنگی قیدیوں کو غلام بنانا جائز ہے، فرض نہیں ہے، جس طرح چار تک بیویاں رکھنا مباح ہے، فرض نہیں ہے۔ ناگزیر اور وقتی حالات کے پیشِ نظر جنگی قیدیوں کو غلام بنایا جا سکتا ہے۔

جنگ میں سامان کا ہاتھ آنا، جس کا اصطلاحی نام "غنیمت" ہے، اور

آدمیوں کا ہاتھ آنا اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ ۱۳۷۳ھ ہجری اور ۱۹۵۴ء عیسوی کی کوریا کی تازہ بہ تازہ جنگ ہمارے سامنے ہے، نیز جنگ عظیم و جنگ عالمگیر کے حالات سے ہم واقف ہیں۔ جنگی قیدیوں کو کھلانا پلانا اس وقت دشوار ہے تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں کتنا دشوار ہوگا۔ اس وقت جنگی قیدی یا موت کے گھاٹ اتار دئیے جاتے ہیں یا فریقین اُن کا تبادلہ کر لیتے ہیں۔ تبادلہ اسلام کے نزدیک بھی پسندیدہ ہے، لیکن کفار مسلمانوں کو پکڑ لیتے تھے اور مار ڈالتے تھے اس لئے مسلمانوں کا کفار کو صرف پکڑ لینا اور قید رکھنا کیسے غیر حق بجانب ہو سکتا ہے۔ مدت دراز سے جہاد، یعنی اسلامی جنگ ہی مفقود ہے۔ لہذا آجکل کہیں لونڈی غلام نظر آئیں تو اسلام سے اس کا مطلق تعلق نہ سمجھنا چاہیئے۔ جہاد کے سوا اسلام میں کوئی دوسرا ذریعہ استرقاق یعنی لونڈی غلام بنانے کا نہیں ہے۔

آجکل کیا، حسب بیان مولانا مناظر حسن گیلانی علیہ الرحمۃ تین سو ساڑھے تین سو سال پہلے کا ایک فتوےٰ موجود ہے، ابو السعود رحمۃ اللہ علیہ، مفتی اعظم دولت عثمانیہ ترکیہ کا فتوےٰ، جن کی وفات ۹۸۲ھ میں ہوئی تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ اب غنیمت کے اموال میں اور غلول (خیانت) کے اموال میں فرق نہیں رہا ہے۔ جہاد کے قیدی بھی جہاد کے اموال (غنیمت) کے ساتھ ہی ہاتھ آیا کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے لونڈی غلام کو اسیر، یعنی اسیر اور قیدی فرمایا ہے۔

Marfat.com

لونڈی غلام اور ملازم و ملازمہ میں فرق یہ ہوتا ہے کہ ملازم و ملازمہ جب چاہتے ہیں ملازمت سے استعفیٰ دے سکتے ہیں۔ مگر لونڈی غلام آقا کی قید سے نہیں نکل سکتے۔ آقا انہیں اپنی قید سے نکال کر کسی اور کی قید میں دیدے یا آزاد کر کے قید سے بالکل نکال دے تو دوسری بات ہے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جنگی قیدیوں کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کرنے کی ہدایت اور تاکید کی تھی کہ مسلمان گھر بھر کا کھانا قیدیوں کو کھلا دیتے تھے اور گھر بھر کھجوروں وغیرہ پر گزارہ کر لیتا تھا۔ جو قیدی فدیہ (جرمانہ) نہ دے سکتے تھے وہ اگر پڑھے لکھے ہوتے تھے تو اُن سے کہا جاتا تھا کہ چند مسلمان بچّوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دو اور جاؤ۔

متعدّد قیدیوں کے فدیے حضورؐ نے جیبِ خاص سے ادا کئے۔ قیدیوں کو حضورؐ رخصت کرتے تھے تو تحفے دے دے کر رخصت کرتے تھے۔ تاکہ اُن کے سر جھک جائیں اور وہ دوبارہ لڑنے نہ آئیں۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے خود تو ہمیشہ یہی کیا کہ جو قیدی حضورؐ کے حصّے میں آیا اُسے آزاد کر دیا۔ پھر وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر رہا تو قیدی اور غلام کی حیثیت سے نہیں رہا، آزاد انسان کی حیثیت سے رہا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضورؐ کے آزاد کردہ غلام تھے — اُنھوں نے حضورؐ کی شفقت کے آگے باپ کے گھر واپس جانا قبول نہیں کیا

تھا۔ حضرت زیدؓ کو حضورؐ نے متبنّیٰ کر لیا تھا۔ اُن سے اپنی پھوپی زاد بہن، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی کر دی تھی۔ اُن کے بیٹے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے چچازاد بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور بہت سے جلیل القدر صحابہ پر افسر (کمانڈر) بنایا تھا۔ حضرت اُسامہ چھوٹے سے تھے تو حضورؐ دستِ مبارک سے اُن کی ناک پونچھا کرتے تھے اور اُن سے اتنی محبت فرماتے تھے کہ ایک دن حضرت عائشہ رضؓ سے کہا:۔ اُسامہ بیٹی ہوتا تو میں اِسے زیور پہناتا۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ کی وفات کے وقت زیدؓ زندہ ہوتے تو شاید حضورؐ اُنھیں اپنا جانشین مقرر کر جاتے۔ حضورؐ ایک زانو پر حضرت حسنؓ کو بٹھاتے اور ایک زانو پر حضرت اُسامہؓ کو۔ اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے:۔ یا اللہ! مجھے اِن دونوں سے محبت ہے۔ تو بھی اِن سے محبت کر۔

حضورؐ کی محبت ہی کا اثر تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت اُسامہؓ کا وظیفہ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ سے زیادہ مقرر کیا تھا۔ اور حضرت عبداللہ کے اعتراض کا یہ جواب دیا تھا کہ رسول اللہؐ کے دل میں اُسامہ کے باپ کی تیرے باپ سے زیادہ جگہ تھی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک مشرک (امیہ بن خلف) کے غلام تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُنھیں اُس مشرک سے خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ حضرت بلالؓ کی رحلت کے وقت حضرت عمر فاروق رضؓ نے فرمایا تھا۔ آج ہمارا

Marfat.com

آقا اُٹھ گیا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک یہودی کے غلام تھے۔ خود حضورؐ نے انھیں آزاد کرایا، اُن کی بابت حضورؐ کا ارشاد ہے:۔ سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ۔ سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہیں۔

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ بھی خدا معلوم کس کس کے غلام رہ چکے تھے، جب حضرت عمر فاروق رضؓ کا انتقال ہونے لگا تو اُنھوں نے وصیت کی کہ صہیب میرے جنازے کی نماز پڑھائیں اور جب تک خلیفہ کا انتخاب ہو مسجد نبوی کی امامت کریں اور عارضی خلیفہ کے تمام فرائض انجام دیں، چنانچہ تین دن حضرت صہیبؓ (care taker) خلیفہ رہے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی غلامی کی زندگی بسر کر چکے تھے۔ ایک دفعہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اِن پر تیز ہو گئے۔ حضورؐ نے حضرت خالد سے فرمایا:۔ جو عمار کو بُرا کہتا ہے اُسے اللہ بُرا کہتا ہے۔ جو عمار کو خفا کرتا ہے وہ اللہ کو خفا کرتا ہے۔ جو عمار کی تحقیر کرتا ہے اللہ اُس کی تحقیر کرتا ہے۔

حضرت سالم رضی اللہ عنہ بھی آزاد شدہ غلام تھے۔ حضرت عمر فاروق کہا کرتے تھے کہ سالم زندہ ہوتا تو میری جانشینی کا وہ اہل تھا۔ حضرت سالم فن قرأت کے امام تھے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے اِن کی اقتدا میں نماز پڑھی ہے۔

Marfat.com

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا مشہور واقعہ ہے - انھوں نے حضورؐ کو ہاتھ دکھائے کہ چکی پیستے پیستے چھالے پڑ گئے ہیں - ایک لونڈی یا ایک غلام مدد کے واسطے دے دیجے - حضورؐ نے ان عزیز ترین بیٹی سے فرمایا - لونڈی غلام تو تمھیں نہیں مل سکتے - ۳۳ دفعہ سُبحٰن اللہ - ۳۳ دفعہ اَلحمد للہ اور ۳۴ دفعہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو - اس کا ورد رکھنا لونڈی غلام پانے سے بہتر ہے - لیکن حضرت فاطمہؓ تو بیٹی تھیں - سارے مسلمان بہ یک آن اُن لاتعداد غلاموں سے دست بردار ہو جاتے جو عرصہ دراز سے قبضے میں چلے آتے تھے، یہ فطرت انسانی کے خلاف تھا - علاوہ ازیں اتنے غلام ایک دم آزاد ہو کر کرتے کیا - اور جاتے کہاں - غلام کیا کرتے اور کہاں جاتے - اور لونڈیاں کیا کرتیں اور کہاں جاتیں آزادی اُن کے حق میں مصیبت بن جاتی [۵] - اور وہ سوسائٹی کے حق میں مصیبت بن جاتے -

---

۵؎ ولایت متحدہ امریکہ نے غلام آزاد کئے تو اُن میں سے بعض دور دراز ملکوں میں طالب رزق کے لئے نکل گئے - لیکن انھیں کامیابی نہیں ہوئی اور انھوں نے واپس آکر اپنے آقاؤں سے درخواست کی کہ ہم کو پھر اپنا غلام بنا لو، یہی حال مصری سوڈان میں ہوا - انگریز حکام نے وہاں اس کا تجربہ کرنا چاہا کہ اگر غلام آزاد کر دیئے جائیں تو کیا ایسے وسائل معاش مہیا ہو سکتے ہیں جن سے آزاد شدہ غلام ضروریات پوری کر لیں - انگریز حکام کا تجربہ ناکام رہا - انگریز حکام کو مجبوراً حکم دینا پڑا کہ آزاد شدہ غلام دوبارہ آقاؤں کے پاس چلے جائیں - اور آقاؤں سے کہا گیا کہ بس اب انھیں فروخت نہ کرنا - ان کا کوئی مارکٹ قایم نہ رہے -

(الوحی المحمدی للسید رشید رضا بحوالہ اسلام میں غلامی کی حقیقت مصنفہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی)

اسلام نے بتدریج آزاد کر کے لونڈیوں اور غلاموں کو سوسائٹی میں کھپا دیا اور اس قابل کر دیا کہ مسلمان غلام بادشاہ۔ وزیر۔ محدث اور فقیہ گزرے ہیں۔

اسلام نے غلامی کا انسداد یوں کیا کہ غلام آزاد کرنا بات بات کی سزا مقرر کر دی۔ مسلمان کے ہاتھ سے مسلمان بے ارادہ مارا جائے تو قاتل مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے اور ایک مسلمان غلام آزاد کرے۔ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاءً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ط کسی مسلمان کی قسم ٹوٹ جائے تو وہ دس مسکینوں کو ایسا کھانا کھلائے جیسا خود کھاتا ہے اور بیوی بچوں کو کھلاتا ہے۔ یا دس مسکینوں کو کپڑا پہنائے۔ یا ایک غلام آزاد کرے[1] اور جسے یہ چیزیں میسر نہ ہوں تو پھر اُسے تین دن متواتر روزے رکھ لینے چاہئیں۔ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ط فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ۔ کوئی مسلمان طیش میں آکر بیوی سے کہہ دے کہ بس آج سے تو میری ماں بہن کی مثل ہے اور پھر تجدید تعلق کرنا چاہے تو ایک غلام آزاد کرے۔ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ط

---

[1] وہ غلام مسلم ہو یا غیر مسلم۔ آزاد کرنے کے لئے مسلم کی قید نہیں ہے۔

ایک صحابی کو اُن کے دو غلاموں نے زچ کر رکھا تھا۔ انھوں نے حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ میں انھیں مارتے مارتے تھک گیا ہوں۔ مگر یہ اپنی حرکات سے باز نہیں آتے۔ حضورؐ نے فرمایا:۔ تم انھیں اُن کے قصور کے ہم وزن سزا دیتے ہو تو خیر، لیکن سزا کا وزن کہیں قصور کی نسبت بڑھ گیا تو اِس کا تم سے اللہ بدلہ لے گا۔ صحابی نے کہا۔ یہ بات ہے تو میں دونوں غلاموں کو آزاد کرتا ہوں۔ آپ گواہ رہیئے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ حضورؐ کے بڑے محبوب صحابیوں میں سے تھے۔ اُن کے غلام نے حضورؐ سے شکایت کی کہ ابوذر نے میرے ساتھ درشت کلامی کی ہے۔ حضورؐ نے حضرت ابوذر سے فرمایا۔ تمھاری جاہلیت کی عادت اب تک گئی نہیں۔ تمھارے غلام اب تمھارے بھائی ہیں۔ اللہ نے اِن پر تمھیں غلبہ ضرور بخشا ہے۔ لیکن اللہ کی مخلوق کو ستانا نہیں چاہیئے۔ غلام تمھاری مرضی کے مطابق نہ ہو تو اُسے کسی اور کے حوالے کر دو۔ ورنہ جو خود پہنو وہی اُسے پہناؤ۔ جو خود کھاؤ وہی اُسے کھلاؤ۔ اور اُس سے اتنا کام مت لو جسے وہ نہ کر سکے۔ اور زیادہ کام دو تو اُس کا ہاتھ بٹاؤ۔

ایک روز حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ اپنے غلام کو زدوکوب کر رہے تھے۔ آواز آئی۔ ابومسعود! یہ غلام جتنا تمھارے بس میں ہے اِس سے بہت زیادہ تم اللہ کے بس میں ہو۔ حضرت ابومسعود نے مڑ کر دیکھا تو حضورِ سرورِ کائنات

Marfat.com

صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کھڑے تھے۔ حضرت ابو مسعود بولے۔ یا رسول اللہ! میں اللہ کے واسطے اِس غلام کو آزاد کرتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ایسا نہ کرتے تو دوزخ کی آگ تمھیں چھو لیتی۔

ایک صحابی نے سوال کیا۔ حضور! غلاموں کا قصور کتنی بار معاف کیا جائے۔ حضورؐ نے کچھ جواب نہیں دیا۔ اُنھوں نے سوال کو دُہرایا۔ حضورؐ پھر خاموش رہے اُنھوں نے تیسری مرتبہ سوال کیا۔ حضورؐ نے تیسری مرتبہ سوال کرنے پر فرمایا۔ دن میں ستّر بار معاف کرو۔

ایک شکل غلاموں کی رستگاری کی یہ نکالی گئی کہ غلاموں کو حق دے دیا کہ وہ چاہیں تو مالکوں سے آزادی کا زرِ معاوضہ طے کرلیں اور محنت مزدوری کرکے یا قرض دام کرکے یا چندہ کرکے مالک کو دے دیں۔ اِسے فقہ کی اصطلاح میں مکاتبت[۱]

۱؎ غزوہ مریسیع کے حالات میں، جس کا دوسرا نام غزوہ بنو مصطلق ہے، آپ ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی بابت پڑھ چکے ہیں۔ حضرت جویریہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں۔ حارث تو لڑتے لڑتے بھاگ گیا تھا۔ لیکن حضرت جویریہ کا پہلا شوہر مسافع بن صفوان لڑا اور قتل ہوا۔ اور حضرت جویریہ جنگی قیدی یا جنگی لونڈی بن کر حضرت ثابت بن قیس بن شماس انصاریؓ کے حصّے میں آئیں۔ حارث اسے کیسے گوارا کرتا۔ جنگ ختم ہوگئی تو وہ حضور سرورِ کائنات ؐ کی خدمت میں پہنچا اور بولا کہ میری حیثیت کا خیال کرکے جویریہ کو چھوڑ دیجیے۔ میں زرِ فدیہ دیتا ہوں۔ حضورؐ نے حارث کی درخواست منظور فرمالی اور حضرت ثابت اور حضرت جویریہ کی ۹ اوقیہ سونے پر (باقی ص۱۷۱ پر)

Marfat.com

کہتے ہیں۔ مالکوں سے کہا گیا کہ چندہ ہونے لگے تو وہ بھی اپنے غلام کی آزادی کے لئے چندہ دیں۔ وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْکِتٰبَ مِمَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ فَکَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ خَیْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اٰتٰىکُمْ۔ جو لوگ تمہاری ملکیت ہیں اُن میں سے کچھ تم سے مکاتبت کرنی چاہیں تو اگر بھلائی سمجھو تو مکاتبت کر لو۔ اور اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اُنھیں (اپنے سے آزادی پانے کے لئے) تھوڑی بہت رقم بطور امداد (خود بھی) دو۔

اللہ تعالےٰ نے جہاں ماں باپ اور اعزّا و اقربا کے ساتھ سلوک کرنے کا ذکر فرمایا ہے وہیں لونڈیوں اور غلاموں کے ساتھ سلوک کرنے کا ذکر ہے۔ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔ والدین کے ساتھ۔ رشتہ داروں کے ساتھ۔ یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ۔ پڑوسیوں کے ساتھ، وہ رشتہ دار ہوں یا رشتہ دار نہ ہوں۔ اور ملنے جُلنے والوں کے ساتھ۔ اور مسافروں کے ساتھ اور اُن کے ساتھ جو تمہارے قبضے میں ہیں (یعنی لونڈی غلام)

(بقیہ صفحہ ۱۷۰) مکاتبت کرادی۔ اور حضرت جویرہ سے خود نکاح کر لیا، حارث کے لئے یہ بڑی عزت کی بات تھی۔ نیز صحابہ اس کے بعد حضرت جویرہ کے قبیلے والوں کو قیدی یا لونڈی غلام کیا رکھ سکتے تھے، سات سو لونڈی غلام آزاد ہو گئے اور قبیلہ بنی مصطلق غلام کی بجائے حضورؐ کا فدائی بن گیا۔

Marfat.com

حُسن سلوک سے پیش آؤ۔

آزاد شدہ غلاموں کے پاس سرمایہ نہیں ہوتا تھا۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ہاتھ میں روپیہ آجاتا تو سب سے پہلے آزاد شدہ غلاموں کی مدد فرماتے تھے۔

ایک صحابی نے اپنی لونڈی سے اپنے غلام کا عقد کر دیا۔ اور چند دن بعد کہا۔ الگ ہو جاؤ۔ غلام نے حضورؐ تک بات پہنچائی۔ حضورؐ نے منبر پر چڑھ کر تقریر فرمائی کہ نکاح کرنے اور طلاق دینے کا حق فقط شوہر کو ہے۔ لوگ اپنے غلاموں کا نکاح کر کے تفریق نہیں کرا سکتے۔

حضورؐ کی ہدایت تھی کہ لونڈی کو میری بچّی اور غلام کو میرا بچہ کہا کرو۔ لونڈی غلام مت کہا کرو۔ لونڈی غلام گھروں میں اِس طرح رہیں جس طرح افرادِ خاندان رہتے ہیں۔ اُنھیں یہ احساس نہ ہونے دو کہ وہ عام انسانوں کی صف سے خارج ہیں۔

لونڈی کے ساتھ تعلق زوجیت قایم کرو تو علی الاعلان کرو۔ چوری چھپے کا تعلّق حرام ہے۔ علی الاعلان تعلّق حلال ہے۔ جس اللہ نے بیوی کو دو بول پڑھوا کر حلال کیا ہے اُسی اللہ نے علی الاعلان تعلّق کے ذریعہ لونڈی کو بغیر بول پڑھوائے حلال کر دیا ہے۔ علی الاعلان تعلّق لونڈی کے ساتھ گویا نکاح ہے۔ دُنیا کے علم میں آجانا چاہیئے کہ فلاں لونڈی اور فلاں حر شریک زندگی ہیں۔ اُس لونڈی کی اولاد کے حقوق اور بیوی کی اولاد کے حقوق مطلق فرق نہیں ہے۔ اُس لونڈی

Marfat.com

کی اولاد لونڈی یا غلام نہیں رہتی - بیوی کی اولاد کے بالکل برابر ہو جاتی ہے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وفات سے قبل آخری وصیت جو کی تھی اُس میں فرمایا تھا کہ غلاموں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔

لونڈی غلاموں کے ساتھ اسلامی مراعات کا کچھ ٹھکانہ ہے۔ اسلام سے پہلے دنیا میں ایک ملک بھی ایسا نہیں تھا جہاں لونڈی غلاموں کی تجارت نہ ہوتی ہو اور لونڈی غلاموں کے ساتھ انتہائی شرمناک اور انتہائی ظالمانہ برتاؤ نہ کئے جاتے ہوں - موجودہ ترقی یافتہ لوگوں نے تو کل سے، یعنی انیسویں صدی کے وسط سے، بردہ فروشی کو معیوب جانا ہے (اور معیوب جاننے کے باوجود ۱۹۳۰ء تک بقول لارڈ سیسل دنیا میں کم از کم پچاس لاکھ غلام موجود تھے - جنگی غلام نہیں - گاجر مولی کی طرح خریدے ہوئے غلام -) اسلام کو بردہ فروشی حرام کئے ہوئے چودہ برس گزر چکے۔

کوئی آزاد آدمی کسی غلام کو قتل کر دے تو اُسے اُسی طرح سزائے موت دینے کا حکم ہے جس طرح کوئی غلام کسی آزاد آدمی کو قتل کر دے تو اُسے دی جاتی ہے۔

اور غلام کو ایک طمانچہ مارنے کا کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کر دیا جائے۔

اسلام نے غلام اور حُر کی گواہی میں فرق نہیں رکھا، سوائے اِس کے کہ غلام اپنے آقا کی گواہی نہیں دے سکتا، کیونکہ جس طرح باپ کی گواہی میں بیٹے کا جھوٹ بولنا ممکن ہے اسی طرح آقا کی گواہی میں غلام کا جھوٹ بولنا ممکن ہے۔

Marfat.com

مالِ غنیمت میں غلام اور حُر کا حصّہ یکساں ہے۔

غلام آزاد عورت سے شادی کر سکتا ہے۔حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنی پھوپی زاد بہن اپنے آزاد کردہ غلام زید کو بیاہ دی تھیں اور حضرت امام زین العابدین نے اپنی والدہ، حضرت شہر بانو کا عقدِ ثانی بعد شہادت حضرت امام حسینؑ حضرت زبید سے کر دیا تھا جو حضرت امام حسینؑ کے غلام رہ چکے تھے۔ قرآن کی ایک آیت ہے:۔ یَآاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔

اے لوگو! ہم نے تمہیں عورت اور مرد سے پیدا کیا ہے اور مختلف گروہوں اور قبیلوں میں (محض) اس لئے تقسیم کر دیا ہے کہ ایک دوسرے کی پہچان ہو (جیسے ہر انسان کا نام رکھتے ہیں ویسے ہی ہر گروہ اور ہر قبیلہ کا نام رکھا گیا ہے۔ اس میں عزّت اور بے عزّتی کو دخل نہیں ہے) عزّت کا مستحق تو اللہ کے نزدیک فقط وہ ہے جو متقی ہو جو جتنا متقی ہے وہ اتنا مستحق عزت ہے۔ اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک غلام نے قبیلہ بنو بیاضہ کے ہاں رشتہ کا پیغام بھیجا۔ لڑکی والوں نے حضورؐ سے پوچھا۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ غلامی رشتہ کرنے میں مانع نہیں ہے۔

غلام اظہارِ رائے میں آزاد ہے۔ بلکہ اگر وہ اپنے آقا کی بے راہ روی پر نکتہ چینی کرے تو اُسے اِس کا ثواب اور اجر ملے گا، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے ایک دفعہ شہزادگی اور جوانی کے زمانہ میں اپنے غلام کو طمانچہ مار دیا تھا۔ غلام نے

Marfat.com

کہا۔ آپ کا آقا (یعنی اللہ) تو سزا دینے میں اتنی عجلت نہیں کرتا جتنی آپ نے کی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز غلام کی اس گرفت سے بہت متاثر ہوئے۔ اُسے فوراً آزاد کر دیا اور اللہ سے دُعا مانگتے وقت یہ فقرہ کہنا اپنے اوپر واجب ٹھیرا لیا کہ اے وہ کہ جو بُردبار ہے اور گناہ گاروں کو عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے وغیرہ میں غلام اور حُر برابر ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے تھے کہ انسان کے گناہ گار ہو جانے کے لئے اس قدر بات کافی ہے کہ جو خود کھائے وہ اپنے غلام کو نہ کھلائے۔ حضرت علی مرتضیٰ کا واقعہ ہے کہ حضرت نے غلام سے دو جوڑوں کا کپڑا منگوایا۔ غلام کپڑا لایا تو ایک کپڑا کسی قدر دوسرے سے اچھا تھا، حضرت علی نے اچھا کپڑا غلام کو دیدیا۔ یہ کہہ کر کہ تم جوان ہو تمھیں بہتر کپڑا پہننا چاہیئے۔

ایک حدیث ہے کہ جنّت کا دروازہ سب سے پہلے وہ کھٹکھٹائیں گے جو غلام ہیں اور اللہ کے حقوق ادا کرتے ہیں۔

دوسری حدیث ہے کہ ایک شخص کو جنت میں اُس کے غلام سے گھٹیا درجہ دیا جائے گا۔ وہ کہے گا۔ بارِ الٰہا! یہ تو میرا غلام تھا۔ اللہ فرمائے گا۔ میں نے اس کو اس کے عمل کا بدلہ دیا ہے اور تجھ کو تیرے عمل کا بدلہ دیا ہے۔

قرنِ اوّل میں غلام امامت کیا کرتے تھے اور جلیل المرتبہ صحابہ اُن کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ امامتِ صلوٰۃ اُس وقت آجکل کی سی امامتِ صلوٰۃ نہیں تھی۔

Marfat.com

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں کوئی شخص امام نہیں بن سکتا تھا۔ حضورؐ بیمار پڑے تو حضورؐ کے حکم سے حضرت ابوبکر صدیق نے امامت کی جس کا مطلب قوم نے یہ لیا کہ حضورؐ نے انھیں اپنا جانشین بنانے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ غرضکہ امامت صلوٰۃ بڑی عزت کی چیز تھی مگر یہ عزت غلاموں کو حاصل ہوتی تھی۔ قرن اول میں غلام جہادوں کی قیادت کیا کرتے تھے اور جلیل المرتبہ صحابہ اُن کے ماتحت رہتے تھے، عبدالملک بن مروان کے زمانہ حکومت میں مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ۔ یمن یمصر۔ شام۔ بصرہ۔ کوفہ اور اور کئی جگہ غلام ورزر تھے۔ عبدالملک بن مروان نے ایک دفعہ امام زہری سے کہا۔ میں چاہتا ہوں کہ غلاموں کے نام کے خطبے برسرِ منبر پڑھے جائیں اور بڑے بڑے عرب منبر کے نیچے بیٹھے ہوں۔ امام زہری نے اس خیال کی تائید کی اور فرمایا بے شک، امیر المومنین! جو اللہ کے دین کی حفاظت کرے گا وہ سردار ہوگا اور جو اللہ کے دین کو ضائع کرے گا وہ ذلیل و خوار ہوگا،

نصیب عربی کا مشہور شاعر غلام تھا۔ اُس نے عبدالملک کی شان میں قصیدہ پڑھا اور عبدالملک نے خوش ہو کر اسے انعام دیا۔ کسی نے توجہ دلائی کہ یہ حبشی غلام ہے۔ عبدالملک نے کہا۔ ہاں اس کا رنگ سیاہ ہے مگر اس کے اشعار سفید ہیں،

غرضکہ کہاں تک لکھا جائے۔ میری مختصر سی کتاب کے مختصر سے مضمون میں زیادہ لکھنے کی گنجایش نہیں ہے۔ بقول مسٹر اتربری (Mr. Utterbury) "اسلام میں داخل ہوتے ہی زنگی اپنے نفس کی عزت محسوس کرنے لگتا ہے اور

Marfat.com

غلام اپنے آپ کو حُر اور آزاد سمجھتا ہے"۔ اسلام میں جس طرح عربی کو عجمی پر فوقیت نہیں ہے اسی طرح آقا کو غلام پر فوقیت نہیں ہے۔ بقول موسیو بونہ موری "امیر اور غریب کس قوم میں نہیں ہوتے۔ لیکن اسلام کے پابند اُمرا میں وہ خشونت اور سختی نہیں پائی جاتی جو اسلام سے بے خبر امرا میں پائی جاتی ہے"۔ پابند اسلام اُمرا اپنی مالداری پر اتراتے نہیں ہیں۔ اُنھیں معلوم ہے کہ اللہ اقبال کو زوال سے بدل سکتا ہے۔

کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس پر اُس کے ماننے والے ہمیشہ یکساں رفتار سے چلے ہوں۔ ہمیں اقرار ہے کہ صحابہ کی سی بات تابعیوں اور تبع تابعیوں کو حاصل نہیں تھی۔ اُس سے آگے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ جوں جوں زمانہ رسالت سے دوری آتی گئی دونوں دِل وعمل میں فرق پڑتا گیا۔

خلفاء راشدین نے غلامی کے معاملہ پر بھی اُسی طرح بالکل اسلام کے مطابق نگاہ رکھی تھی جس طرح وہ ہر معاملہ پر نگاہ رکھتے تھے۔ صحابہ جیسے متبعین پچھلے مذاہب نہیں پیش کر سکتے۔ صحابہ کے خیرِ اُمّت ہونے کو صرف زبان نہیں، دل اور دماغ قبول کرتا ہے۔ لیکن بعد میں اسلام کی ہر خوبی اپنی جگہ سے قطعی ہلی اور یہ دعوے نہیں کیا جا سکتا کہ غلامی کے متعلق جو ہدایتیں اسلام نے کی تھیں اُسے مسلمانوں نے دانتوں سے پکڑ لیا تھا۔ تاہم اتنا ہم دیکھتے ہیں کہ لونڈیوں کی اولاد کو تختِ سلطنت پر بٹھا دیا جاتا تھا اور امیر المومنین بنا لیا جاتا تھا۔ عباسیوں میں منصور۔ ہارون۔ مامون۔ واثق۔ مہتدی۔ المستنصر۔ مستعین۔ مکتفی۔ مقتدر اور مستکفی لونڈیوں

کی اولاد تھے اور ہندوستان کے شاہانِ خاندانِ غلاماں کو تو اسکول کا بچّہ تک جانتا ہے۔ تعلیم اسلام کی اصلی شان سے ہٹ کر بھی مسلمانوں نے غلاموں کے ساتھ اس قدر اچھا سلوک کیا کہ غلاموں نے اور غلاموں کی اولاد نے بادشاہ ہو جانے کے باوجود اسلام سے بے وفائی نہیں برتی۔ انھوں نے اسلام کی خدمت کی۔ عباسیوں اور خاندانِ غلاماں کے بہت سے کارناموں کا تصوّر کر کے آج بھی ہمارا سر اونچا ہو جاتا ہے۔ بادشاہوں کے علاوہ خدا معلوم کتنے محدّث اور کتنے فقیہ غلام اور غلاموں کی اولاد ہیں۔ غلاموں کو ترقی کے مواقع دیئے جاتے تھے۔ اور وہ ترقی کر لیتے تھے تو اُن کو سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا تھا۔ حضرت زید۔ حضرت سلمان۔ حضرت صہیب اور حضرت بلال کے اسمائے گرامی کس نے نہ سُنے ہوں گے۔ یہ چاروں غلام تھے۔ اور یہ چار کیا۔ تیرہ غلام اور ہیں جن کا جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔ اَٹھائیس غلاموں نے تابعیوں میں امتیاز حاصل کیا اور تیس غلاموں نے تبع تابعیوں میں حضرت مالک بن دینار۔ حضرت معروف کرخی۔ حضرت ذوالنون مصری جیسے قرنِ اوّل کے اولیاءاللہ اور صاحب کشف و کرامات بزرگ غلام تھے۔

نظامیات کراچی

Marfat.com

نظام المشائخ - کراچی

اسلامی نظامِ معیشت

ذرا تصوّر کیجیے اُس زمانے کا جب انسان جانوروں کے ساتھ زندگی گزارتا تھا۔ انسان اور حیوان میں کچھ فرق نہیں تھا۔ حیوان ننگے پھرتے تھے، انسان بھی ننگا پھرتا تھا۔ حیوان بھٹوں میں سوتے تھے، انسان بھی بھٹوں میں سوتا تھا جو چیزیں حیوان کھاتے تھے وہی انسان کھاتا تھا۔ غرض انسانوں اور جانوروں میں سوائے شکل صورت اور وضع قطع کے کوئی فرق نہیں تھا۔ سو یہ فرق تو = جانوروں جانوروں میں بھی ہے۔ جانوروں کی شکلیں اور وضعیں بھی طرح طرح کی ہیں۔ دُنیا میں جہاں اور بہت سے حیوان ہیں وہاں ایک حیوان انسان بھی ہے۔ اور ابھی انسان حیوانِ ناطق بھی نہیں تھا۔ ابھی انسان کی عقل بھی حیوان سے نہیں بڑھی تھی۔

یکایک انسان کی فطرت نے کروٹ لی۔ اُسے اپنی ذات حیوان سے افضل نظر آنے لگی۔ اُس نے اپنے آپ کو برتر محسوس کیا۔ اُسے اپنے اندر بڑائی اور کبریائی کی جھلک دکھائی دی۔ انسان انسان متحد ہو گئے اور سب نے مل کر حیوانوں پر غلبہ حاصل کرنے کی بنیاد ڈالی۔ جو حیوان قابو میں رہ سکتے تھے

دسمبر ۱۹۵۲ء

Marfat.com

اُنھیں رکھ لیا اور اُن سے خدمت لینی شروع کردی اور جو قابو میں نہیں رہ سکتے تھے، اُنھیں حکم دے دیا کہ نکل جاؤ ہماری مملکت سے —— دور —— بہت دُور —— جہاں ہم ہوں وہاں تمھارا کام نہیں ہے۔ زمین کے مالک ہم ہیں جو قطعہ زمین ہمارے تصرف میں ہو اُس کے قریب مت پھٹکو۔

مدنیت کا یہ پہلا قدم تھا۔ تمدّن کی یوں ابتدا ہوئی۔ پہلے انسان اور حیوان رلے ملے یکساں زندگی بسر کرتے تھے۔ اب انسانوں کی دنیا الگ ہوگئی۔ حیوانوں کی دنیا الگ ہوگئی۔

لیکن ابھی انسانوں انسانوں میں امتیاز نہ تھا۔ انسان انسان پر حکومت نہیں کرتا تھا۔ انسان انسان برابر تھے۔ یہ انسانوں کی حقیقی مساوات کا دور تھا۔

انسان کی سُوجھ بوجھ نے ترقی کی۔ کسی انسان کی عقل زیادہ نکلی۔ کسی کی کم۔ تمدّن نے دوسرا قدم اُٹھایا۔ زیادہ عقل والا کم عقل والوں کو جانور سمجھنے لگا۔ زیادہ عقل والا کم عقل والوں سے جانوروں کا سا برتاؤ برتنے لگا۔ کم عقل والوں کو قابو میں رکھنے اور کم عقل والوں سے خدمت لینے کے طریقے تجویز کرنے لگا۔ زیادہ عقل والے سردار بنے۔ کم عقل والے تابعدار۔ عقل کے دو مدّ مقابل تھے۔ عقل کے ساتھ ساتھ جسمانی طاقت بھی مانی جانے لگی اور شجاعت کو بھی درجہ دیا گیا۔ لیکن تمدّن نے اور پاؤں پھیلائے۔ اہلِ عقل نے غلبہ قایم رکھنے کے وہ وہ سامان فراہم کئے کہ اہلِ طاقت اور اہلِ شجاعت بھی مرعوب ہو کر رہ گئے۔ طاقت کو عقل نے

شیر قالین بنایا۔ شجاعت کو لڑنے مرنے پر لگایا اور خود وزیر باتدبیر کا لقب اختیار کرکے چھا گئی۔ جانوروں کی طرح عام انسانوں کو بھی دور ہٹا دیا گیا۔ جانور اپنی جگہ رہتے ہی تھے، عام انسان بھی اپنی جگہ رہنے لگے۔

پھر تمدن نے چوتھی چھلانگ لگائی۔ بڑے وہ قرار پائے جن کے پاس دولت تھی۔ اہلِ دولت کے آگے اہلِ عقل نے بھی سپر ڈال دی۔ عقل بھی دولت کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوگئی۔ اہلِ طاقت۔ اہلِ شجاعت۔ اہلِ عقل اور اہلِ علم سب اہلِ دولت کے چاکر بن گئے۔ حتیٰ کہ اہلِ حکومت بھی۔

دارالسلطنت امریکہ میں انتہائی دولت مندوں کا ایک محلّہ ہے "وال اسٹریٹ"۔ اُس کے متعلق ضرب المثل ہے کہ "وال اسٹریٹ کسی کی محکوم نہیں ہے۔ وال اسٹریٹ والے امریکہ کے حاکموں کے بھی حاکم ہیں"۔

گویا دنیا آجکل وال اسٹریٹ والوں کے اشاروں پر ناچتی ہے اور وال اسٹریٹ والوں کا منشا پورا کرتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ انسانی جسم کو سر کی ضرورت ہے اور سر کو جسم کی ضرورت ہے۔ سر کو سر کی جگہ ہونا چاہیئے اور جسم کو جسم کی جگہ۔ لیکن اب سر سر بھی ٹکرانے لگے ہیں دیکھئے اس کا کیا نتیجہ رہتا ہے اور تمدن کون سی کروٹ بدلتا ہے۔ ۲۴ر جون ۱۹۵۵ء کے اخباروں نے ایک خبر چھاپی تھی کہ بیس سال کے اندر اندر امریکہ ایٹمی طاقت سے چلنے والا ایسا فوجی طیارہ تیار کرے گا جو بیس گھنٹے میں ساری دُنیا کا چکر

Marfat.com

کاٹ سکے گا، اور ایسے راکٹ بنا دے گا جو دُر مُلک آسانی سے پہنچ سکیں گے، اور انسان اس قدر طاقتور ہو جائے گا کہ اپنی تہذیب کو برباد کر سکے گا۔ انسان کی رفتار یقیناً ترقی کی جانب ہے۔ لیکن ترقی کے ساتھ ساتھ اُس کا بے آپے پن بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔

اللہ تعالےٰ اِسی بے آپے پن کی اِصلاح کے واسطے پیغمبر بھیجا کرتا تھا۔ لوگ طاقت۔ عقل اور دولت کے نشے میں اللہ کو بھول جاتے تھے۔ پیغمبر اُنھیں یاد دلاتے تھے کہ مرنے کے بعد تمھیں اللہ کے سامنے جانا ہے اور اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ اللہ نہیں چاہتا کہ طاقتور کمزوروں کو۔ عاقل کم عقلوں کو اور امیر غریبوں کو کچلیں کوئی باپ یہ پسند نہیں کر سکتا کہ اُس کے بچّے ایک دوسرے پر دھونس جمائیں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بار بار فرمایا ہے کہ مسلمانو! تم سے یہ اندیشہ تو نہیں ہے کہ دوبارہ شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے لیکن یہ اندیشہ ہے کہ پیسے کے چکّر میں کہیں نہ پھنس جاؤ۔

مُسلمان ناواقفیت یا نفسانیت کے باعث کچھ سے کچھ بن جائیں۔ سرمایہ دارانہ نظام اُن کے ریشے ریشے میں پیوست ہو جائے اور رگ و پے میں سما جائے تو اِسے آپ عجیب و غریب ایمان کہئے۔ مگر اسلام کو مُسلمانوں کے ایسے ایمان کا ذمہ دار مت ٹھیرائیے[1]۔ اسلام نے انسان اور انسانیت کو کبھی دولت کے پیمانے سے نہیں

---

[1] آج مسلمان سب سے بڑا گناہ جو کر رہے ہیں، وہ ترکِ صلوٰۃ۔ ترکِ زکوٰۃ۔ ترکِ صَوم
(باقی صـ ۱۸۳ پر)

Marfat.com

نظام المشائخ۔ کراچی

تا پایا۔ اسلام نے انسان اور انسانیت کے جانچنے کی کسوٹی صرف تقویٰ مقرر کی ہے۔

(بقیہ صہ ۱۸۲) اور ترک حج نہیں ہے بلکہ وہ گناہ وہ ہے، جو نماز پڑھ کر اور زکوٰۃ دے کر۔ روزے رکھ کر اور حج کرکے کیا جاتا ہے۔ وہ گناہ ہے، دولت مندوں کا دولت مند تر ہوئے چلا جانا۔ اور اقتدار کا غلط استعمال۔ اگر کوئی نظام اِس جُرم اور اِس گناہ کا انسداد نہیں کرتا تو اُسے اِسلامی نظام نہیں کہا جا سکتا۔ اُسے اسلامی نظام کہنا ہی ہے تو ناقص اسلامی نظام کہیئے۔ اُسے کامل اسلامی نظام کہنا اسلام پر ظلم ہے۔ اور اسلام کے ساتھ مذاق ہے۔ اسلام نے تو صاف لفظوں میں کہہ دیا:۔ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ط (قرآن مجید۔ پارہ ۲۸۔ سورہ حشر) ترجمہ (اللہ نے فلاں فلاں حکم اس لئے دیئے ہیں) تاکہ دولت تمہارے سرمایہ داروں ہی میں رُک کر نہ رہ جائے (بلکہ اُن کے قبضہ سے نکل کر اہل حاجت میں تقسیم ہو۔)

۱۵ ایک بات کہی جاتی ہے کہ اسلام اُس عدم مساوات کو تسلیم کرتا ہے جس کی بنیاد جوہر ذاتی (merit) پر رہے۔ کیونکہ قرآن میں ہے کہ اللہ نے بعض انسانوں کو رزق کے اعتبار سے دوسرے انسانوں پر فضیلت بخشی ہے۔ یہ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ لوگ پوری آیت نہیں پڑھتے۔ پوری آیت ہے۔ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۔ اب اس کا مفہوم ملاحظہ فرمائیے:۔ بعض انسانوں کو رزق حاصل کرنے کے اعتبار سے دوسرے انسانوں پر فضیلت اللہ نے دی ہے۔ (اُن کی اپنی پیدا کردہ نہیں ہے) لیکن جنہیں اس طرح امتیاز مل جاتا ہے وہ زائد ماحصل کو انہیں نہیں لوٹاتے جو کم استعدادی کے سبب اُن کی زیرِ نگرانی کام کرتے ہیں۔ وہ ایسا یوں نہیں کرتے کہ اُن کا دل اِس کا تصوّر کرنے سے بھاگتا ہے کہ سب معاشرہ میں برابر ہو جائیں۔ یہ ذہنیت اللہ کی طرف سے دی ہوئی نعمت سے انکار کرنے کے مرادف ہے۔

دسمبر ۵۹ء

Marfat.com

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ- اللہ کی نظر میں اللہ کا ماننے والا اور اللہ کے احکام پر عمل کرنے والا اور قیامت کی جوابدہی سے ڈرنے والا معزز و مکرم ہے- جو مسلمان اپنی ذمّہ داریاں بطریقِ احسن پُوری کرے اسلام میں وہ عزّت اور تکریم کا مستحق ہے- اسلام نے کسی انسان کو یہ حق نہیں دیا کہ دوسرے انسانوں سے اپنے احکام منوائے- حکم کرنے کا حق فقط اللہ کو ہے- اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ- اللہ کے احکام کی پابندی کرانے والوں کو بھی اللہ کے احکام کی پابندی کرنی پڑتی ہے- وہ قانون سے بالا نہیں ہوتے- اسلام نے حاکم و محکوم کا معروف تصوّر ختم کر دیا ہے- اسلام کے پیشِ نظر کُل قوم بلکہ کُل نوعِ انسان کی بہبودی و فلاح ہے- محض چند افراد کا پھلنا پھولنا اُسے نہیں بھاتا- اسلام گوارا نہیں کرتا کہ چند آدمی تو دولت مند سے دولت مند تر ہوتے رہیں اور بے شمار آدمیوں کو روٹی- کپڑا اور مکان تک میسر نہ آئے اور اُن کی صلاحیتیں نشو و نما نہ پا سکیں- اسلام کہتا ہے کہ زندگی کی خوش گواریوں میں سب کا حصّہ ہے[۵]- رزق کے سرچشمے کسی کی انفرادی ملکیت

---

[۵] حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ عامل کوفہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوا- حضرت کھانا کھا رہے تھے- کھانا کیا تھا- جَو کی روٹیاں اور زیتون کا تیل- عامل نے عرض کیا- امیر المومنین! آپ کی سلطنت میں گیہوں کی کمی نہیں ہے- حضرت بولے- کیا گیہوں کی اتنی مقدار ملنی ممکن ہے کہ سلطنت کے ایک ایک باشندہ کے سامنے گیہوں کی روٹی پہنچ جائے- میں گیہوں کی روٹی اُس وقت کھا سکتا ہوں جب وہ تمام لوگ جو میری نگرانی میں آباد ہیں گیہوں کی روٹی کھائیں- (دہاتی صـ۵۰۸ اپریل)

نہیں ہیں۔ اسلام کہتا ہے۔ دوسروں پر بوجھ مت بنو۔ جو بلاعذر شرعی دوسروں پر بوجھ بنے گا وہ نقصان اُٹھائے گا۔ خوب محنت کرو اور خوب کماؤ۔ مگر کمائی کا زیادہ سے زیادہ حصہ نوع انسان کی بہبودی و فلاح کے کاموں پر لگاؤ۔ اسلام میں دولت کا جمع رکھنا جرم عظیم ہے۔ اسلام افراد کی خاطر معاشرہ کو تباہ نہیں کرتا اور معاشرہ کی قربان گاہ پر افراد کو نہیں چڑھاتا۔ سرمایہ داری اور اسلام دو مختلف چیزیں ہیں سرمایہ دارانہ نظام سرمایہ داروں نے بنایا ہے اور اپنا مطلب پورا کرنے کے لئے بنایا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی عینک لگا کر اسلامی نظام کا جائزہ لیجئے گا تو اسلامی نظام میں حُسن یقیناً نہیں نظر آئے گا۔ مثلاً سود سرمایہ داری کی جان ہے۔ اسلام اسے حرام قرار دیتا ہے۔ سرمایہ دار سود لینے دینے سے دست بردار ہو جائے تو اُس کی سرمایہ داری باقی نہیں رہتی اور سود لئے اور دیئے جائے تو اسلام کا دامن چھوٹتا ہے۔ سرمایہ دار سرمایہ بڑھانے کے لئے سب کچھ کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ دامن دامن چھوٹنے اور دوسروں کے تباہ ہونے کی اُسے پرواہ نہیں ہوتی۔ اُس کے نزدیک ہر طریقے سے دولت کمانی جائز ہے۔ شرائط اور حدود کا قصہ وہ نہیں

(بقیہ صفحہ ۱۸۴) ذمہ داری کے اعتبار سے مسلمانوں کا امیر سب سے اونچا ہوتا ہے اور حقوق کے اعتبار سے مسلمانوں کا امیر سب سے آخری آدمی قرار دیا گیا ہے۔ اُس کے لئے جائز نہیں ہے کہ بیت المال کا مُشک تولنے میں بیوی کے ہاتھ خوشبو سے بس گئے ہوں تو بیوی کو ہاتھ کپڑوں پر مل لینے دے اور دوسروں کی نسبت اتنا سا زیادہ فائدہ اُٹھالے۔

Marfat.com

پالنا- دوسروں کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھانا اُس کا ہنر ہے- اُس نے سود کا جال ایسا بچھا دیا ہے کہ اس جال سے تو اللہ ہی نکلوائے گا- شراب خوری کی لعنت- قمار بازی کی وبا اور عیاشی و فحاشی سرمایہ دار نے عام کر دی ہے، سرمایہ دار کو نوجوان خوبصورت عورتیں فراہم کرنے اور اُنھیں ہیجان انگیز صورت میں مردوں کے روبرو لانے سے عار نہیں آتی- سرمایہ دار نے نت نئے فیشن نکال کر عورتوں کے جذبہ نمائش کو دیوانگی کی حد تک پہنچا دیا ہے اور برہنہ تصویروں اور فحش مضامین کی اشاعت کر کے مردوں اور عورتوں دونوں کا جذبہ انسانیت و شرافت خاک میں ملا دیا ہے- شراب بیچنے- جوئے کے گھوڑے دوڑانے- برباد کن فیشن ایجاد کرنے- تھیٹروں اور فلموں میں عورتوں کو نچوانے اور گندا لٹریچر پھیلانے سے روپیہ حاصل ہوتا ہے- روپے کے آگے سرمایہ دار اجتماعی اخلاق- سوسائٹی کے ضوابط اور دین کی ہدایتیں بے دھڑک توڑ ڈالتا ہے- اور حکومت کے قوانین تو اُس کی ذاتی چیز ہیں- لیکن سرمایہ دار مسلمان جائیں جہاں جانا چاہیں، عام مسلمانوں کو نہ معلوم کیا ہو گیا ہے کہ اُن کے ذہن سرمایہ دارانہ سانچے میں ڈھلے جا رہے ہیں- اُنھیں سرمایہ دارانہ نظام نے گھیر لیا ہے- سرمایہ دار مسلمان اس شعر کے مصداق ہیں ؎

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں

ایں خیال است و محال است و جنوں

اور عام مسلمان اس مصرع کے مصداق ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

سرمایہ دار مسلمانوں کو شاید یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ نماز پڑھنے اور حج کر لینے سے ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری کے گناہ دُھل سکتے ہیں۔

سرمایہ داروں کے غور کے قابل بس ایک بات ہے کہ اشتراکیت کا طوفان سرمایہ داری کے خلاف بڑھتا آرہا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی عمر زیادہ باقی نہیں ہے۔ اشتراکیت سرمایہ دارانہ نظام کا غالباً جلد خاتمہ کر دے گی، اسلامی نظام معیشت اشتراکیت کے مقابلے میں معتدل ہے۔ سرمایہ دار اسے قبول کر لیں تو اشتراکیت کے طوفان سے بچ سکتے ہیں۔ اسلامی نظام میں وہ بُری زندگی بسر نہیں کریں گے۔ بلکہ موجودہ زندگی کی نسبت اسلامی نظام معیشت کی زندگی پُر اطمینان اور شریفانہ ہوگی۔ اسلامی نظام معیشت کسی عطائی کا تجویز کردہ نہیں ہے۔ حکیم حقیقی کا تجویز کردہ ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کو اسلامی نظام سے قریب کہنا فعلِ عبث ہے۔ اشتراکیت میں سے اللہ اور آخرت کا تصور حذف نہ کر دیا گیا ہوتا تو اشتراکیت کو تو اسلامی نظام کے کسی قدر مشابہ کہا جا سکتا تھا مگر سرمایہ دارانہ نظام اور اسلامی نظام میں قطعی مشابہت نہیں ہے۔ ایک کا رُخ مغرب کی طرف ہے۔ دوسرے کا رُخ مشرق کی طرف۔ سرمایہ دارانہ نظام اسلام کے منشاء کو ہرگز پورا نہیں کر سکتا۔

سرمایہ دارانہ نظام کو اسلامی نظام سے قریب اور مشابہ کہنا ایسا ہی جیسے

Marfat.com

حرام کو حلال کہنا۔ اللہ نے جسے حرام کر دیا اُسے آپ حلال کہہ کر حلال نہیں بنا سکتے۔ گناہ کو گناہ سمجھ کر کرنا بھی بُرا ہے۔ مگر گناہ کو گناہ نہ سمجھ کر کرنا بے حد بُرا ہے۔ یہ تو ممکن ہے، بلکہ ممکن کیا ضروری ہے کہ اقتضاءِ وقت کے مطابق اسلامی نظامِ معیشت کو ڈھالا جائے۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ۔ اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ نرمی برتنی چاہتا ہے۔ سختی برتنی نہیں چاہتا۔ اجتہاد اسی کا نام ہے۔ لیکن یہ ناممکن اور محال ہے کہ اسلام کے اصول[1] بدل دیئے جائیں۔ سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت اور اسلامی نظامِ معیشت میں فروعی اختلاف نہیں ہے،

---

[1] اصول اللہ کے مقرر کردہ ہیں۔ اجتہاد اُن کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے۔ بائی لاز (By-laws) یعنی عملی جزئیات وقت کے تقاضوں کے مطابق ڈھالے جا سکتے ہیں مگر Laws (قوانین) تبدیل نہیں ہو سکتے۔ اجتماعی زندگی کے قوانین طبعی زندگی کے قوانین کی مثل غیر متبدل ہیں۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ۔ حکومت کا حق فقط اللہ کو ہے۔ اُس نے حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کے بندے (اور غلام و محکوم) نہ بنو۔ وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ۔ ہاں مسلمانوں کے معاملات آپس کی مشاورت سے طے پائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ بائی لاز تو بنا سکتے ہو۔ لیکن بائی لاز بنانے والوں کو قانون (قرآن) سامنے رکھنا پڑے گا اور حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے قانون کا جو منشا بتایا ہے اور قانون پر جس طرح عمل کر کے دکھایا ہے اُسے بھی سامنے رکھنا پڑے گا۔ اور صحابہ و متقدمین نے قرآن وسنّت کو جیسا سمجھا تھا اور قرآن وسنت سے جس طرح کام لیا تھا اُسے بھی سامنے رکھنا پڑے گا۔ مثلاً شراب حرام ہے۔ لیکن فقہا نے جان بچانے کے لئے انتہائی ناگزیر صورت میں بطور دوا شراب کا عارضی استعمال جائز کر دیا۔ یا چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے۔ مگر حضرت عمرؓ نے حکم فرمایا کہ زمانہ قحط میں چور کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔

(باقی صـ ۱۸۹ پر)

Marfat.com

اُصولی اختلاف ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام میں تمام وسائل ثروت پر چالاک اور دولت مند لوگ قابض اور متصرف ہو جاتے ہیں اور کھنکھجوروں کے مثل تمام وسایل ثروت میں پنجے گڑو لیتے ہیں اور اپنا اقتدار اور اپنی دولت بڑھاتے رہتے ہیں۔ دولت اتنی بڑھاتے ہیں کہ اِدھر اُنھیں دولت کی بدہضمی ہو جاتی ہے اور اُدھر سید ھے اور غریب لوگوں میں افلاس کے معایب (بے حیائی اور جرائم پیشگی وغیرہ) اُبھر آتے ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام عامۃ النّاس کے مفاد کا خیال نہیں رکھتا بلکہ سرمایہ دار افراد اور سرمایہ دار جماعتوں پر عامۃ النّاس کے فائیدوں کو قربان کر دیتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام نے دنیا کو دو طبقوں میں بانٹا ہے، ایک طبقہ زمینداروں، کارخانہ داروں اور ساہوکاروں کا ہے اور دوسرا طبقہ کسانوں، مزدوروں اور قرض داروں کا ہے۔ یہ جو آپ دیکھتے ہیں کہ ایک انسان دوسرے انسان سے ڈرا ڈرا اور دوسرے انسان کا دشمن ہے اور ایک طبقہ دوسرے طبقے سے خائف اور دوسرے طبقے کا دشمن ہے، یہ کیفیت سرمایہ دارانہ نظام نے پیدا کی ہے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے سرمایہ دارانہ نظام کی گرفت سخت سے سخت تر ہوئی ہے۔ پچاس سال پہلے تک آج کا سا عالم نہ تھا کہ کوئی کسی کا نہیں ہے۔ ہمدردی اور امداد باہمی معنی

(بقیہ صہ ۱۸۸) — بائی لاز بنانے والوں کے پاس دین کا پورا علم ہونا چاہیئے اور دینی احکام کا نشا سمجھنے کا دماغ ہونا چاہیئے۔ اور ان دونوں وصفوں کے ساتھ ساتھ اللہ کا خوف ہونا چاہیئے۔

Marfat.com

الفاظ ہو کر رہ گئے ہیں۔ پچاس سال پہلے، بلکہ اور پہلے، اور اور پہلے بھی ہمارے ملک میں خالص اسلامی نظام رائج نہیں تھا لیکن فرنگیوں کا لایا ہوا نظام بھی نہیں چھایا تھا۔ پچاس سال کیا، چالیس اور تیس سال پہلے رُوئی بھرے غل۔ اور کوٹ۔ صدریاں اور سینہ بند سلوائے جاتے تھے اور ایک سال یا دو سال پہن کر گھر کے سَقّے دھوبی اور حجام کو دے دیئے جاتے تھے۔ اب اللہ کے فضل سے رُوئی دار کپڑے سینے والے درزی ہی مفقود ہیں۔

دعوتیں ہوتی تھیں تو اُن میں اپنے سے اونچے آدمیوں کا شریک کرنا خوبی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اپنے سے نیچے آدمیوں کا شریک کرنا خوبی سمجھا جاتا تھا۔ دعوتیں گھروں پر کی جاتی تھیں۔ ہوٹلوں میں نہیں کی جاتی تھیں، اب حال یہ ہے:۔ ؎

کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے ہسپتال جا کر

ذہنیتیں بدل گئی ہیں اور مسخ ہو گئی ہیں۔ علامہ اقبالؒ کا شعر ہے ؎

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

برناڈشا کا قول ہے کہ اسلام کے اصول بہترین ہیں، البتہ اسے پیرو اچھے نہیں ملے۔ بے شک صحابہ کے بعد صحابہ کا سا رنگ قائم نہیں رہا۔ مگر برناڈشا کی نظر کاش اس حقیقت کی طرف بھی جاتی کہ مسلمانوں کا موجودہ ہدڑا اُن ہی کی

Marfat.com

قوم نے بنا لیا ہے ؂

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

اشتراکیت بظاہر سرمایہ داری کی ضد ہے۔ مگر جتنی خبریں ہمیں پہنچتی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اشتراکیت نے چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں کا قلع قمع کر کے سرمایہ داری کا حق تنہا اُنھیں دے دیا ہے جو حکومت کی کرسی پر آ بیٹھیں[1]، اور فرد کی اشتراکی نظام میں مطلق قدر و قیمت نہیں ہے۔

برخلاف سرمایہ داری اور اشتراکیت کے اسلام نے افراد میں اور جماعت میں توازن پیدا کیا ہے اور افراد اور جماعت میں ایسا رشتہ جوڑا ہے کہ باہمی خوف اور باہمی عناد کی بجائے باہمی یگانگت اور باہمی اُلفت پیدا ہو جاتی ہے۔

جماعت اسلام کی نگاہ میں بڑی چیز ہے۔ لیکن اسلام افراد کی حیثیت کو بھی برقرار رکھتا ہے۔ مسلمان افراد اپنی محنت اور سُوجھ بُوجھ کا مناسب معاوضہ لے سکتے ہیں۔ مسلمان افراد اپنے مال میں تصرف کرنے کے بھی مجاز ہیں۔ البتہ چند پابندیوں کے ساتھ۔ کوئی مسلمان اپنا مال شراب پی کر اور جُوا کھیل کر نہیں گنوا سکتا اور زکوٰۃ وغیرہ ——— کے ذریعہ ——— اپنے مال ——— کو متحرک رکھنا ہر صاحب نصاب مسلمان پر فرض ہے۔

---

[1] نیز کہا جاتا ہے کہ اشتراکیت مذہب کی حریف ہے۔ سرمایہ دار جھوٹ یا سچ اللہ کا نام لے لیتے ہیں، اشتراکیوں نے اللہ اور آخرت کا تصور ہی حذف کر دیا ہے۔ واللہ اعلم بالحقیقت۔

Marfat.com

اسلام نے کمانے کے بھی ضابطے مقرر کئے ہیں اور خرچ کرنے کے بھی ضابطے مقرر کئے ہیں۔ ان ضابطوں پر چلنے سے روپے کی گردش اور روپے کی تقسیم بالکل صحیح رہتی ہے۔ صاف حکم ہے کہ مال تمھارے مالداروں ہی میں گردش نہ کرتا رہے۔ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَاۗءِ مِنْکُمْ۔

مُسلمان مضرت رساں طریقوں مثلاً رشوت۔ چوری۔ بلیک مارکیٹ۔ ذخیرہ اندوزی وغیرہ کے ذریعے روپیہ نہیں کما سکتا اور غیر معمولی نفع کے ذریعہ گاہکوں کا خون چوس کر اپنے آپ کو موٹا نہیں کر سکتا[1]۔ اور روپے پر سانپ بن کر نہیں بیٹھ سکتا۔ وَیَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ۔ قُلِ الْعَفْوَ۔ وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ اللہ راہ پر کتنا خرچ کریں۔ کہہ دو کہ جو تمھاری ضروریات سے زائد ہو وہ بھلائی کے کاموں پر خرچ کرنے کے واسطے ہے۔ اَلشَّیْطَانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَفَضْلًا۔ (تم بھلائی کے کاموں میں اپنا مال خرچ کرنے لگتے ہو تو) شیطان تمھیں نادار ہو جانے کا خوف دلاتا ہے اور بخل جیسی بیہودگی کا مشورہ دیتا ہے۔ اور اللہ کا وعدہ ہے کہ (بھلائی کے کاموں میں خرچ کرو گے تو) اللہ تمھاری مغفرت بھی فرمائے گا اور تمھاری (قومی) خوش حالی کو بھی ترقی بخشے گا۔ (بھلائی کے کاموں میں خرچ کر کے تم کھوؤ گے نہیں کچھ پاؤ گے۔ خرچ کرنے سے مرنے کے بعد ہی جنّت نہیں ملے گی، دُنیا میں بھی

---

[1] ایک حدیث ہے کہ ایک درہم کو دو درہموں کے عوض مت فروخت کرو۔ اتنی نفع خوری سے سود خوری میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

لہر بہر ہو جائے گی - چاروں جانب خوشی ہی خوشی دکھائی دے گی - دولت ایک جگہ بند رہ کر بند پانی کی طرح سڑ جاتی ہے، دولت کو دریا کی طرح بہتا رہنا چاہیئے - زکوٰۃ کے ذریعہ تقسیم وراثت[1] کے ذریعہ - تقسیم غنائم[2] کے ذریعہ - وغیرہ وغیرہ -)

مسلمان افراد کو بتایا گیا ہے کہ تمہاری بہتری جملہ مسلمانوں کی بہتری میں ہے اور جملہ مسلمانوں یعنی مسلمان جماعت کو بتایا ہے کہ تمہاری بہتری اس میں ہے کہ افراد مسلمین خوش حال ہوں - آخر جماعت افراد ہی کا تو مجموعہ ہے - اللہ کے اقوال کا فیضان اللہ کے افعال کی طرح عام ہے - یعنی ہوا اور پانی کی طرح عام -

اسلام افراد اور جماعت کے توازن اور تعاون کو بگڑنے نہیں دیتا، اسلامی نظام معیشت میں افراد ذاتی بہبودی کی کوشش کر سکتے ہیں - لیکن اس طرح کہ دوسرے افراد کو نقصان نہ پہنچے - ہر مسلمان کی کمائی میں سب کا ساجھا[3] ہوتا ہے - اور اسلامی نظام کا بہترین وصف یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والے ہوں اور زکوٰۃ لینے والے نہ رہیں -- یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰو وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ[4] کی صداقت ثابت کر دی جائے،

---

[1] وارث کوئی نہ رہے تو مترو کہ مال بیت المال میں داخل ہوگا - یعنی ساری قوم کو وارث بنا دیا جائے گا -

[2] مال غنیمت پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے - چار حصوں کے مالک مجاہد اور ایک حصے کی مالک پوری قوم اور غنیمت کے علاوہ جہاد میں جو ہاتھ آئے وہ سارا کا سارا قوم کا - مثلاً اراضی اور اموال فئے -

[3] اس سے مراد مفت خور بنانا نہیں ہے،

[4] اللہ سود کو پھلنے پھولنے نہیں دیتا اور صدقات میں پھل پھول لاتا ہے -

Marfat.com

جبرِی وصول قرض

اسلام نے خیر سود کو تو حرام کیا ہی ہے۔ مسلمان بغیر سود کے قرض دے کر بھی قرضدار پر سختی نہیں کر سکتا۔ ارشاد ہے:۔ وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ۔ اگر قرض دار تنگ دست ہو تو اس کی فراخ دستی کا انتظار کرو۔ اور قرض معاف کر دو تو یہ تمہارے حق میں اور بہتر ہے، تم میں جاننے کا مادّہ ہے تو جان سکو گے کہ کیا بہتری ہے۔

زکوٰۃ جن جن کاموں میں صرف کی جا سکتی ہے ان میں ایک کام یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ سے قرض داروں کے قرض ادا کراؤ۔

سرمایہ دارانہ نظام کا اوڑھنا بچھونا سود ہے اور اسلامی نظام معیشت کا اوڑھنا بچھونا دوسروں کو سہولتیں دینا ہے۔ اللہ نے سود حرام کیا تو فرمایا:۔ اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ۔ مسلمان ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود (اس وقت تک کا) لوگوں کے ذمے ہے اُسے (بھی) چھوڑ دو۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کے لئے تیار رہو۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اگر تم نے اس حکم کی خلاف ورزی کی۔ یعنی سود کھائے گئے تو اُس آگ سے ڈرو جو (مسلمان گناہگاروں کے واسطے نہیں) کفار کے واسطے تیار کی گئی ہے۔ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ۔

نظامِ اشتراکی

اتنی سخت بات چوروں اور زانیوں سے نہیں کہی گئی۔ سود خوروں کے

نظام المشائخ۔ کراچی

خلاف تو اللہ نے اعلان جنگ کر دیا ہے، روپے کے بڑھنے کی یہ شکل تو اللہ کو کسی طرح منظور نہیں ہے کہ وہ بغیر محنت کے رکھے رکھے بڑھ جائے۔ جب روپیہ اپنے ہاں رکھا ہوتا ہے تو کیوں نہیں بڑھتا۔ پھر دوسرے کے ہاں جا کر اُس میں اضافے کے کیا معنی ہیں۔ روپیہ صرف محنت کر کے کمانا چاہیئے۔ محنت کے ساتھ ساتھ بھی جو چالاکیاں کی جاتی ہیں اُنھیں اسلام نے حرام قرار دیا ہے، آجکل ایسی چالاکیاں کاروباری فن اور ہنر سمجھی جا رہی ہیں۔ اسلام کے نزدیک اس قسم کا ایک ایک فن اور ایک ایک ہنر استحصال بالجبر سے بدتر ہے جو اصلی محنت کرنے والوں کو محنت کا پھل نہ کھانے دے۔

سرمایہ دار صرف سرمایہ کا جال بچھاتا ہے۔ محنت (جسمانی و دماغی) وہ دوسروں سے کراتا ہے اور اُن کی محنت کے ماحصل سے اپنا خزانہ بھرتا ہے۔ گویا دوسروں کی کمائی پر اُس کا حق ہے۔ دوسروں کا اُس کی ملکیت پر حق نہیں ہے۔ سرمایہ دارانہ حکومت ٹیکس وصول کر کے مطمئن ہو جاتی ہے۔ یہ دیکھنا اپنا فرض نہیں سمجھتی کہ عوام کو ضروریات زندگی بھی بہم پہنچ رہی ہیں یا نہیں۔ سرمایہ دار کی نگاہ میں غیر سرمایہ دار اتنا ذلیل اور حقیر ہوتا ہے کہ وہ اُسے عزت و تکریم ہی سے محروم نہیں کر دیتا بلکہ معمولی توجہ کے قابل بھی نہیں سمجھتا۔

اشتراکی نظام میں محنت چھوٹے بڑے سب کو کرنی پڑتی ہے اور سب محنت کا معاوضہ پاتے ہیں۔ اتنا معاوضہ جو اُن کی ضرورت کے لائق ہو۔

جنوری ۱۹۸۸ء

Marfat.com

جبری محنت

لیکن کس کی ضرورت کتنی ہے، اس کا فیصلہ اشتراکی نظام نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ کام میں صلاحیت دیکھی جاتی ہے۔ مگر صلاحیت کو نشو ونما دینے کی ذمّہ داری اشتراکی حکومت بھی اس طرح نہیں لیتی جس طرح اُس نے روٹی۔ کپڑے اور مکان کی ذمّہ داری لے لی ہے، اشتراکی نظام میں کام کی قیمت ہے۔ انسان کی قیمت اشتراکی نظام میں نہیں ہے۔

برخلاف اس کے اسلامی نظام میں جیسا کہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں، ہر شخص سے توقع کی جاتی ہے کہ کام کرے گا اور بے وجہِ معقول اپنا بوجھ دوسروں پر نہیں ڈالے گا۔ ہاں کسی معقول وجہ سے کوئی اپنا بوجھ خود نہ اُٹھا سکے تو اس کا بوجھ اُٹھانا معاشرہ پر لازم ہے۔ ۴

افراد قوم وملک کی صلاحیتوں کو نشو ونما دینا اسلامی نظام کی ایسی ہی ذمّہ داری ہے جیسی افراد قوم وملک کے روٹی۔ کپڑے اور مکان کی فراہمی اسلامی نظام کے ذمّہ ہے۔ افراد میں مسلم وغیر مسلم کی قید نہیں ہے۔

اشتراکی نظام میں فرد کچھ نہیں ہے، سرمایہ دارانہ نظام میں فرد سب کچھ ہے، بشرطیکہ وہ سرمایہ دار ہو۔ لیکن اسلامی نظام میں انسان بحیثیت انسان معزز ومکرم ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ۔ ہم نے انسان کو واجب التکریم بنایا ہے۔ اور جو اللہ کے اوامر ونواہی یعنی قوانین کا جتنا پابند ہے اتنا ہی زیادہ معزز ومکرم ہے۔

نظام اشتراکیت کی برائی

Marfat.com

اسلامی نظامِ معیشت میں اور دوسرے نظاموں میں ایک عظیم فرق یہ ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسلامی نظامِ معیشت کی محض زبانی تلقین نہیں فرمائی۔ اُس کے متعلق فقط تحریری ریکارڈ نہیں جمع کیا، بلکہ اپنی تمام تعلیمات کی طرح اسلامی نظامِ معیشت پر خود عمل کرکے دکھایا۔ حتّٰے کہ فاقے کئے اور حضورؐ کے ہاں کئی کئی دن چولھا نہ سُلگا۔

حضورؐ کی فاقہ کشی اور حضورؐ کے ہاں کئی کئی دن چولھا نہ سُلگنے کا یہہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ حضورؐ مجبور تھے۔ فاقہ کشی اور چولھا نہ سلگنے کا زمانہ وہ ہے جب روپے پیسے کی کمی نہیں تھی۔ اسلام نے غلبہ پالیا تھا۔ لیکن حضورؐ روپیہ پیسہ دوسروں پر خرچ کر ڈالتے تھے اور اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال کے لئے اُس وقت بچاتے تھے جس وقت کوئی دوسرا لینے والا نہ رہتا تھا۔ اور روپیہ پیسہ خود بچ جاتا تھا۔

مکّہ میں جہاں اسلام کو غلبہ نہ ہوا تھا حضورؐ نے فاقے نہیں کئے اور حضورؐ کے ہاں چولھا ہمیشہ سُلگا۔

یہ اسوۂ حسنہ پیش کرنے کا موقع مدینہ منوّرہ میں آیا تھا اور اس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ قوم کا پیٹ بھرنا مقدم ہے اور اپنا پیٹ بھرنا مؤخر۔

بیان کرنے والے حضورؐ کی فاقہ کشی اور حضورؐ کے گھر میں چولھا نہ سُلگنے کو رو رو کر بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ رونے کی بجائے اس کی تقلید کرنی چاہیئے

Marfat.com

اور اِس کی تقلید کی دعوت دینی چاہیئے۔

مفلس سُننے والے بھی رونے لگتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اللہ کا بڑا کرم ہے کہ وہ ہم سے فاقے کراتا ہے اور ہمیں اپنے حبیبؐ کی مشابہت کا شرف عطا فرماتا ہے۔

سُننے والوں کو قطعی نہیں سمجھایا جاتا کہ حضورؐ کی فاقہ کشی تو روزہ سے برتر اور افضل تھی۔ اور ہماری فاقہ کشی اس آیت کی مصداق ہے ــــ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۔ (جن قوموں نے اللہ کے قوانین کے خلاف زندگی لبسر کی) اللہ نے اُن پر بھوک اور خوف کا عذاب طاری کر دیا۔ اور یہ عذاب یوں ہی نہیں آگیا یہ اُن کی روش زندگی کا نتیجہ تھا۔

آپ سوال کر سکتے ہیں کہ بھوک اور خوف کا عذاب مفلسوں ہی پر کیوں بھیجا جاتا ہے، مالداروں پر کیوں نہیں بھیجا جاتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مفلس ہمیشہ سے مفلس نہیں تھے۔ مفلسی اُن کی مالداری کی غلط کاریوں کی سزا ہے۔ موجودہ غلط کار مالداروں کو بھی یہ سزا ایک نہ ایک دن ملے گی۔ ذرا نظر ڈال جائیے۔ کتنے مال دار داداؤں کے پوتے مفلس نہیں ہو گئے ہیں۔

عاقبت کی ہر سزا و جزا کا دنیا میں نمونہ دکھا دیا جاتا ہے۔ اللہ کے قوانین کی پابندی اور خلاف ورزی کر کے انسان یہاں بھی نتیجہ دیکھ لیتا ہے۔ بُشریٰ

جنوری ۱۹۵۶ء

۱۱۲

نظام اشتراکیت ۱۹۵۲ء

Marfat.com

نظام المشائخ کراچی

فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا اور خِزْیٌ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا - دنیاوی زندگی میں
بشارتیں بھی موجود ہیں اور دنیاوی زندگی میں ذلتیں بھی موجود ہیں - جو چاہو لے لو -
نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَاِیَّاھُمْ - ہم تمہیں رزق دیتے ہیں اور تمہاری اولاد
کو رزق دیتے ہیں - وَمَا مِنْ دَابَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا -
روئے زمین پر کوئی چلنے والا اور رینگنے والا نہیں ہے جس کا رزق اللہ مہیا نہ
کرتا ہو، لیکن ان دعووں کا عمل درآمد قاعدہ اور ضابطہ کے اندر ہوتا ہے - انسان
رزق اُس طرح نہیں پا سکتا جس طرح پتھر کا کیڑا پاتا ہے - بلکہ اُس طرح بھی نہیں
پا سکتا جس طرح ہاتھی یا شیر پاتا ہے - انسان کے رزق پانے کے قاعدے ضابطے
اللہ تعالے نے بتا دیئے ہیں - اُن کی پابندی کیجے اور پھر صرف روٹی کیا سب 15
کچھ پا لیجے گا - یہ دنیا آپ کے لئے ایک دفعہ جنت بن چکی ہے اور پھر جنت بن
جائے گی، اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْھَا وَلَا تَعْرٰی وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْھَا
وَلَا تَضْحٰی - اس جنت ارضی میں بھی تمہیں نہ بھوک کا اندیشہ رہے گا نہ پانی کا -
نہ لباس سے محرومی کی فکر ہوگی اور نہ سورج کی گرمی سے بچنے کی - مکان کی جگہ مکان
ہوگا، لباس کی جگہ لباس - اور خوراک کی جگہ خوراک - قید حیات بند غم نہ رہی گی -
عاقبت کے غم کے سوا ہر غم سے نجات مل جائے گی، اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ
مُؤْمِنِیْنَ - تم حقیقتاً مسلمان ہو جاؤ تو مسلمانو! پھر تم ہی تم ہو - تم سے اونچا
دوسرا نہیں جا سکتا -

جنوری ۵۷ ء

Marfat.com

سرورِ کائنات کی جہانبانی

جس اللہ نے انسان کو اور ساری کائنات کو پیدا کیا ہے اور جو انسان کی پرورش کرتا ہے اور کائنات سے اُسے فائدہ اُٹھانے کے مواقع بہم پہنچاتا ہے۔ اُس کا جاننا اور ماننا عین انسانیت ہے۔ جاننے اور ماننے کے بعد دوسرا فرض انسانی یہ ہے کہ جیسی زندگی گزارنے کا خالق اور رب حکم دے انسان ویسی زندگی گزارے۔ زندگی انفرادی ہو یا اجتماعی، زندگی کے ہر شعبے میں اُسی کی ہدایت پر چلے۔ خالق اور رب سے بہتر زندگی گزارنے کے طور طریقے اور کون بتا سکتا ہے۔ کائنات کی ہر شے خالق اور رب ہی کے قوانین کے مطابق زندگی گزار رہی ہے۔

انسان کی اجتماعی زندگی کے نظم کا نام جہانبانی ہے۔ پیغمبر ہمیشہ دو کاموں کے لئے آتے تھے۔ ایک خدا فراموش انسانوں کو خدا سے آشنا کرنے اور گناہوں سے بچانے۔ دوم دنیا میں رہنا سکھانے۔ ظلم و ستم سے پاک رہنا سکھانے۔ ایسا رہنا جس کا پھل عاقبت میں اچھا ملے۔

Marfat.com

دنیا کا سب سے اہم مرحلہ انسانوں انسانوں کے معاملات کا مرحلہ ہے۔ اِس مرحلے کو حکومت قایم کئے بغیر سَر نہیں کیا جا سکتا۔ پیغمبر حکومت کا کارخانہ خود چلا کر دکھائے، یا کسی اور سے چلوا کر دکھائے۔

حکومت کا کارخانہ خود چلانے والے پیغمبر کم ہوئے ہیں۔ خاتم الرسل حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے علاوہ شہرت ایسے پیغمبروں میں بس حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمان کی ہے۔ یا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کو شامل کرلیجے۔ باقی پیغمبر عموماً حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسےٰؑ کی صف میں نظر آتے ہیں،

حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت داؤدؑ۔ حضرت سلیمانؑ اور حضرت موسےٰؑ کا بھی من وعن حال محفوظ نہیں ہے۔ لیکن حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر نبوّت کا سلسلہ ختم ہو رہا تھا اس لئے حضورؐ کی حکومت کا حال حضورؐ کے تمام حالات کی طرح اللہ نے اتنا روشن کر دیا ہے کہ اُس کی روشنی میں ہمیشہ ہمیشہ حکومت جاری رکھی جا سکتی ہے۔

حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی حکومت کی چند موٹی موٹی بنیادی باتیں، مشتے نمونہ از خروارے، درج ذیل ہیں:۔

(۱) حاکم اللہ ہے[۱]۔ انسان انسان کا محکوم نہیں، اللہ کا محکوم ہے۔

---

[۱] اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ط اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ ط ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ
(باقی حاشیہ صد ۲۰۲ پر)

Marfat.com

اسلامی حکومت اللہ کے احکام کے مطابق چلائی جاتی ہے۔

(بقیہ صہ ۲۰۱ کا) وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ حکومت (وفرماں روائی) اللہ کا حق ہے۔ اُس نے حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبدیت (ومحکومیت) اختیار مت کرو۔ یہی حقیقی دین ہے لیکن اکثر آدمی جانتے اور سمجھتے نہیں۔

غیر اللہ میں سے اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اُسے حکومت کا حق حاصل ہے اور اللہ کے قانون کی بجائے اپنا قانون منوائے تو ایسے شخص کی حکومت طاغوتی حکومت کہلاتی ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ منافقوں کے متعلق ارشاد ہے:۔ تم انہیں دیکھ رہے ہو۔ یہ اعلان تو کرتے ہیں کہ جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ تم سے پہلے نازل ہو چکا ہے یہ اُس پر ایمان لے آئے ہیں (اور ان کا عمل کیا ہے) چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلے کرائیں طاغوت یعنی (غیر اللہ) سے۔ حالانکہ انہیں ایسا کرنے سے روکا جا چکا ہے۔ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ نبیوں کے ساتھ کتاب حقانیت نازل کی گئی تاکہ لوگوں کے اختلافات چکا دے۔

مسلمان وہ ہے جو اللہ کو فقط زبان سے نہ مانے بلکہ اُس کا دل اللہ کی حکومت تسلیم کرے بلا شرکت غیرے اُس کا سر اللہ کے سوا کسی کے حکم کے آگے نہ جھکے۔

کس قدر بے معنی اور خلاف عقل بات ہے کہ زبان پر ہو کہ زمین اور آسمان اور کل کائنات اللہ کی ہے اور اطاعت کی جائے انسانوں کی۔ گویا انسان بھی اللہ کا جزو ہیں۔ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ (باقی صہ ۲۰۳ پر)

Marfat.com

اللہ نے انسانوں کے اختیارات کی حد بندی کر دی ہے۔

(۲) قوم اپنے واسطے ایک انتظامی مشینری بناتی ہے۔ مشینری قوم کا جزو ہوتی ہے[۱]۔ کہیں باہر سے نہیں آتی، مشینری کے ذریعہ اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس مشینری کو چلانے والے اللہ کی حاکمیت کا عوام سے زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔ تم میں جو جتنا زیادہ اللہ کا تابعدار ہے وہ اتنا ہی اللہ کے نزدیک زیادہ قابلِ عزت و احترام ہے۔ مسلمان مسلمان ہی نہیں ہوتا جب تک وہ یہ نہ کہے کہ محمد اللہ کے بندے اور محکوم تھے۔ امیر ملت اسلام صرف دوسروں سے اللہ کی تابعداری نہیں کراتا۔ سب سے بڑھ کر تابعداری خود کرتا ہے۔

(۳) اسلامی حکومت پر لازم ہے کہ اپنے افراد کو اُن کی صلاحیتوں کی تکمیل میں انتہائی مدد دے اور افراد پر لازم ہے کہ اپنی استعداد

(بقیہ صـ ۲۰۲) اُنھوں نے اللہ کے بندوں میں سے (بعض کو اللہ کا) جُزو ٹھہرا لیا ہے۔ یاد رکھو اللہ کے قانون پر ہاتھ ڈالنے کا حق دار کوئی نہیں ہے۔ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ مسلمان Bye-Laws بنا سکتا ہے Fundamental Law نہیں بنا سکتا۔

[۱] اسلام میں قوم اور قومی سلطنت دو چیزیں نہیں ہیں۔

اور قابلیت حکومت کے سپرد کردیں۔ ؎

؎ جس قدر تعاون لوگوں کا اسلامی حکومت کو حاصل رہ سکتا ہے اُس قدر تعاون کا غیر اسلامی حکومتیں تصور نہیں کر سکتیں۔ جس طرح ملّت اسلامی کا امیر (حاکم) غیر اسلامی حُکام سے بالکل مختلف ہوتا ہے اسی طرح ملّت اسلامی اپنے امیر اور امام کے ساتھ ایسا والہانہ تعلق رکھتی ہے کہ اُس کا دنیا میں جواب نہیں ملتا۔ مسلم کی حدیث ہے :- فانما علیھم ما حملوا و علیکم ما حملتم۔ جو ذمّہ داریاں ارباب امارت کی ہیں اُن کے جواب دہ وہ ہیں اور جو ذمّہ داریاں تمھاری ہیں اُن کے ذمّہ دار تم ہو۔

ملّت اسلامی کے امیر اور امام سے مراد وہ حُکّام ہیں جو اللّٰہ کے قوانین کا نفاذ کریں اور جزئی قوانین بنائیں تو حدود اللّٰہ کو پیشِ نظر رکھ کر بنائیں۔ اِن حُکّام کی اطاعت اللّٰہ اور رسول کی اطاعت ہے۔ اِن کے فیصلوں پر ناک بھوں چڑھانا گناہ ہے۔ کیا کسی اور حاکم کا آپ نام لے سکتے ہیں جسے یہ مرتبہ حاصل ہو۔ بخاری کی حدیث ہے :- اسمعوا و اطیعوا و ان استعمل علیکم عبدٌ حبشیٌ مجدعٌ۔ کوئی نک چھدا حبشی غلام بھی تمھارا حاکم مقرر کر دیا جائے تو اُس کی بات سنو اور اُس کے بموجب عمل کرو۔

حاکم و محکوم کے تعاون بدون حکومت کا نظام کہیں بھی نہیں چلتا۔ لیکن اسلامی امیر اور اسلامی ملّت کے تعاون کا کوئی ٹھکانہ ہے۔ مسلم کی حدیث ہے :- من خرج من الطاعة وفارق الجماعة فمات میتة الجاھلیة۔ جو امیر کی اطاعت سے نکل گیا اور جماعت کا ساتھ چھوڑ بیٹھا اُس کی موت جاہلیت کی موت ہے (یعنی وہ مسلمان نہیں مرا) (باقی صہ ۲۰۵ پر)

Marfat.com

(۴) سچائی وہ ہے جو ذاتاً سچائی ہو۔ اللہ نے معاشرے کے مستقل اصول مقرر کر دیئے ہیں۔ جس طرح پانی اور ہوا کی بابت رائے شماری نہیں کیجاتی کہ آیا پانی اور ہوا ممدِ حیات ہیں یا نہیں اسی طرح اللہ کے مقرر کردہ اصول تو میں سے ایکاون ہاتھ کھڑے ہونے کے محتاج نہیں ہیں، ان اصولوں کی روشنی میں ہر زمانے کی ملتِ اسلامیہ کو حسبِ ضرورت جزئی قوانین (Bye Laws) بنانے کا حق حاصل ہے۔[ل]

(۵) اسلامی حکومت کی حدود میں بسنے والے مسلموں اور غیر مسلموں سب کے کھانے۔ کپڑے۔ مکان اور تعلیم کی حکومت ذمہ دار ہے۔ اور اس کی بھی کہ کسی مسلم و غیر مسلم سے بے انصافی نہ ہو۔

(بقیہ صد ۲۰۴) مسلم ہی کی ایک اور حدیث ہے:۔ من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم او یفارق جماعتکم فاقتلوہ، تمہارا نظام کسی امیر کے ماتحت قایم ہو اور کوئی شخص آکر اس میں افتراق ڈالنا چاہے تو اُسے قتل کر دو، ـــــ حضرت عمر فاروق کا ارشاد ہے:۔ لا اسلام الا بجماعۃ ولا جماعۃ الا بامارۃ ولا امارۃ الا بطاعۃ۔ جماعت نہیں تو اسلام بے معنی شے ہے اور جماعت بغیر امارت کے عبث ہے اور امارت کا انحصار اطاعت پر ہے۔

[ل] اس حد تک اسلام ایک مشاورتی نظام ہے۔ جس طرح پانی اور ہوا اور کائنات کی تمام اشیا سے کام لیا جاتا ہے اسی طرح حدود اللہ سے کام لینا چاہیئے۔ افعال اللہ اور اقوال اللہ دونوں آپ کی عقل کو دعوت استعمال دیتے ہیں۔

Marfat.com

(۶) سوائے ایک احتیاط کے کہ غیر مسلم اسلامی حکومت کے رازداں نہیں بنائے جا سکتے غیر مسلموں کو اسلامی حکومت میں زیادہ فائدہ ہے۔ نظامِ اسلامی مسلمانوں کی جان کا مالک ہوتا ہے اور غیر مسلموں کی جان کا فقط محافظ۔ مسلمان جنگ میں جانے پر مجبور کئے جا سکتے ہیں۔ غیر مسلموں کو آزادی ہے۔ چاہے جائیں چاہے نہ جائیں[1]۔

اسلام غیر مسلموں کے قلوب کو موہنے اور قریب لانے کی کوشش کرتا ہے۔ اُنھیں اُچاٹتا نہیں۔

(۷) اسلامی حکومت کردفر سے بے نیاز ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:۔ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ۔ جو اللہ رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور سمعنا واطعنا[2] کہتے ہیں (یعنی اللہ رسول کی باتیں سن کر اُن پر عمل بھی کرتے ہیں۔ ایماندار بھی ہیں اور نیکوکار بھی) اُن سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اُنہیں دُنیا میں اپنا نائب اور خلیفہ بنائے گا جیسا کہ پہلے ایمانداروں نیکوکاروں کو نائب اور خلیفہ بنا چکا ہے۔ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ

---

[1] قرآنی دستور۔
[2] سمعنا وعصینا کے مصداقوں سے یہ وعدہ نہیں ہے۔ سمعنا وعصینا یعنی سن تو لیا مگر کریں گے اس کے خلاف۔

Marfat.com

الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا ط اس مقصد سے کہ مسلمانوں کے اُس دین کو جسے اللہ نے اُن کے حق میں پسند فرمایا ہے مضبوطی بخشے اور اُن کے ہاں کی بدامنی (بدانتظامی) کو امن (وانتظام) سے بدل دے۔ تاکہ مسلمان اطمینان سے اللہ کی عبادت و اطاعت کر سکیں اور کسی کو اللہ کا شریک نہ بنائیں۔ (کسی غیر اللہ کے آگے جھکنے پر مجبور نہ ہوں)

اسلامی حکومت کا مقصد کرّوفر کی نمایش کرنا نہیں ہے۔ اسلامی حکومت کا مقصد امن کے سامان ہیّا کرنا اور مسلمانوں کو اس قسم کی سہولتیں دینا ہے کہ مسلمان یہ شعر نہ پڑھیں ؎

شب چو عقد نماز بر بندم   چہ خورد بامداد فرزندم

(رات کو جو میں نے نماز کی نیت باندھی تو مجھے خیال آیا کہ صبح بچّے کھائیں گے کیا) مسلمان حکمراں نہیں ہوتا، نگراں ہوتا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت بارہ سال رہی تھی، آخری چھ سال میں حضرت عثمانؓ کا تو نہیں لیکن اُن کے بعض ماتحت حکّام کا رنگ کسی قدر بدلنے لگا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ زندہ تھے۔ اُنھوں نے ایک ہنگامہ برپا کر دیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اموال فئے کی مالک ساری قوم ہے اُنہیں حکّام کے خدم و حشم اور شان و شوکت پر ہرگز صرف نہیں

Marfat.com

کرنا چاہیے۔

شام کے گورنر امیر معاویہ نے دمشق میں محل "الخضرا" بنانا شروع کیا۔ حضرت ابوذرؓ نے ٹوک دیا کہ اتنا بڑا مکان کیوں بنایا ہے۔ اللہ کے روپے سے بناؤ گے تو خیانت ہوگی اور ذاتی روپے سے بناؤ گے تو اسراف ہوگا،

اسلامی حکومت چلانے والوں کا جاہ وجلال اس میں تھا کہ محاصرہ بیت المقدس کے موقع پر محصورین نے کہا کہ اپنے خلیفہ کو بلالو۔ ہم اُن کے سامنے ہتھیار ڈالیں گے اور شہر کی چابیاں اُنہیں دیں گے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ روانہ ہوگئے۔ ایک خادم اور ایک اونٹ ساتھ لے لیا۔ جتنی دیر اونٹ پر حضرت عمرؓ آپ سوار رہتے تھے اتنی دیر خادم کو بٹھاتے تھے۔ جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو باری خادم کے بیٹھنے کی تھی خادم نے عرض کیا کہ میں باری چھوڑتا ہوں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے منظور نہیں فرمایا اور شہر میں اس شان سے گھسے کہ خادم اونٹ پر سوار تھا اور اونٹ کی مہار امیر المومنین نے تھام رکھی تھی۔ اہل بیت المقدس پر اس کا بڑا اچھا اثر پڑا وہ بیخ اُٹھے کہ ہم ایسی قوم سے نہیں جیت سکتے جس کے بادشاہ اور غلام میں اتنا تعاون ہو۔ اس طرز عمل سے حضرت عمر کا جاہ وجلال گھٹا نہیں تھا، بڑھا تھا،

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روم میں اسلامی حکومت کی

Marfat.com

نظام المشائخ دہلی

طرف سے سفیر مقرر کئے گئے۔ اُنھوں دربارِ روم کا کروفر دیکھ کر فرمایا:۔

"ہمارا خلیفہ تو ہم جیسا انسان ہوتا ہے۔ اُس میں اور دوسرے مسلمانوں میں کچھ فرق نہیں ہے۔ چوری کرے تو اُس کا ہاتھ کٹے گا۔ زنا کرے تو اُسے سنگسار کیا جائے گا۔ کسی کو مار ڈالے تو اُس سے قصاص لیا جائے گا۔ وہ حویلیوں اور قلعوں میں چھُپکر نہیں بیٹھتا۔ وہ غرور و تکبر نہیں کرتا۔ وہ کتاب اللہ اور سنّت رسُول اللہ کا پیرو ہے۔ پیروی چھوڑ دے تو ہم مسندِ خلافت سے اُتار دیں۔"

چند اکابر صحابہ نے ازراہِ ہمدردی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی کہ اپنے باپ (حضرت عمرؓ) سے کہئے کہ آپ کا موجودہ وظیفہ بہت تھوڑا ہے۔ ضروریات کی کفالت نہیں کرسکتا۔ آپ منظور فرمائیں تو وظیفے میں اضافہ کردیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا مجوّز کون کون صاحب تھے۔ حضرت حفصہؓ نے کہا۔ نام جب بتاؤں گی جب آپ تجویز منظور کرلیں گے۔ منظوری سے پہلے نام بتانے کو وہ لوگ منع کرگئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ تم نام بتادیتیں تو میں اُن کے مُنھ بگاڑ دیتا۔ تم رسول اللہ کی بیوی ہو۔ تمھیں یاد نہیں رسول اللہ کے پاس کے کپڑے تھے۔ رسول اللہ کا بستر کیسا تھا۔ رسول اللہ کیا کھاتے تھے۔ رزق کی وسعت اور اموال

۹ فروری ۱۹۵۷ء

Marfat.com

کی بہتات کے باوجود رسول اللہ نے کس قسم کی زندگی بسر کی۔ ابوبکرؓ اُس معیار پر پورے اُترے۔ میں بھی اُسے اپناؤں گا۔ میں آخرت میں رسول اللہ اور ابوبکر کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے "شہنشاہ" اور "ملک الملوک" وغیرہ القاب اختیار کرنے سے منع کیا ہے اور ایسے القاب کی مذمّت فرمائی ہے، خلیفہ رسول اللہ اور امیر المومنین سے زیادہ خلفائے راشدین کے واسطے کبھی کوئی لفظ استعمال نہیں ہوا۔ یہ اعزازی الفاظ نہیں تھے۔ عہدے اور منصب کے نام تھے۔

(۸) اسلامی حکومت میں حاکم باپ کی جگہ سمجھا جاتا ہے اور قوم اولاد کی جگہ۔ اولاد کما کما کر باپ کی نذر کر دیتی ہے اور باپ اُس سے گلچھرے نہیں اُڑاتا بلکہ اولاد کی کفالت کرتا ہے۔ اولاد کمائی میں سے اگر اپنے پاس کچھ رکھتی ہے تو اُسی قدر جس کی اللہ اور رسول اور باپ اجازت دیتے ہیں اور وہ رُکی ہوئی دولت بھی باپ اور بھائیوں کی امانت سمجھی جاتی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے ایک روز حلوہ پکا لیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا۔ یہ حلوہ کہاں سے آیا۔ کہا ماہانہ رقم جو ملتی ہے اُس میں سے کوشش کر کے پیسے بچائے تھے۔ اُن پیسوں کا حلوہ پکایا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُتنے پیسے ماہانہ رقم میں کم کر دیئے۔

Marfat.com

نظام المشائخ - کراچی

حضرت عمر فاروق رضی کی اہلیہ بیت المال کا مشک تول رہی تھیں - تول چکیں تو خوشبو بسے ہوئے ہاتھ چادر سے پر مل لئے - حضرت عمر نے چادر نہیں اوڑھنے دیا جب تک دھو کر اُس سے خوشبو کو زائل نہیں کرا دیا -

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے اصرار کیا گیا کہ ذرا بہتر مکان میں رہئے - حضرت نے قبول نہیں فرمایا -

حضرت عثمان غنی رضی بہت مالدار آدمی تھے - اُنھوں نے بیت المال سے اپنے لئے ایک پیسہ نہیں لیا اور اپنی دولت میں سے بھی خلیفہ ہونے کے بعد وہ اپنے اوپر اتنا خرچ نہیں کرتے تھے جتنا خلیفہ ہونے سے قبل کیا کرتے تھے - مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی اُنھوں نے معاشرت سادہ کر لی تھی -

اس نوعیت کے حُکام کا مرتبہ اسلام میں مسلمانوں کے ہر طبقے سے فائق ہے -

(۹) اسلام نے سودی لین دین کو حرام قرار دیا ہے اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو سودی لین دین ترک نہیں کرتا وہ مجھ سے لڑنے کے لئے تیار ہو جائے - فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ - یعنی اگر تم سودی لین دین ترک نہیں کرو گے تو خبردار ہو جاؤ کہ اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ لڑائی (مول) لے رہے ہو -

فرزند یوسف

اتنے سخت الفاظ سود کے سوا کسی گناہ کے متعلق نہیں ملیں گے۔ کوئی باپ یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ اُس کا ایک بیٹا تو مالا مال ہو جائے اور دوسرا بیٹا دانے دانے کو ترسے۔ اسلام اُن تمام طریقوں کے خلاف ہے جن سے مالدار زیادہ مالدار اور غریب زیادہ غریب بن جاتے ہیں۔ سود اُن طریقوں کی جڑ ہے۔ آج کل دنیا میں جتنی بے چینی نظر آتی ہے اُس کی بڑی وجہ سود ہے۔ ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکیٹ سب سود کراتا ہے۔ بنیکنگ سسٹم قدیم سود در سود کا بھی اُستاد ہے۔ اسلامی حکومت میں یہ تباہ کن سسٹم باقی نہیں رہ سکتا۔ ۹ھ ہجری میں حضورؐ نے نجران کے عیسائیوں سے معاہدہ کرتے وقت فرمایا تھا کہ ایک تو بغاوت مت کرو۔ دوسرے سود مت لو۔ پھر تمہیں کوئی نہیں چھیڑ سکتا۔ سود اسلام کے نزدیک اتنی بُری شے ہے۔

(۱۰) اسلامی ٹیکس (زکوٰۃ)[1] بھی نہایت منصفانہ اور مفید ٹیکس ہے۔ زکوٰۃ آمدنی پر نہیں لی جاتی۔ سال بھر کی بچت پر لی جاتی ہے۔ کوئی شخص کثیر الاولاد ہے اور باوجود معقول آمدنی کے پورے سال میں بہت تھوڑے

---

[1] زکوٰۃ غیر مسلموں سے نہیں لی جاتی تھی۔ مسلمانوں کے ٹیکس کا نام زکوٰۃ ہے۔ غیر مسلموں کے ٹیکس کا نام جزیہ ہے۔ ہر مستطیع غیر مسلم مرد کم از کم ایک دینار سالانہ دیتا تھا۔ غیر مسلم عورتیں اور بچے مستثنیٰ تھے حالانکہ زکوٰۃ مسلمان عورتوں اور بچوں کے مال پر بھی ہے۔ البتہ غیر مسلم کاشتکاروں سے زمین کی پیداوار کا کچھ حصہ بطور حق ملکیت لیا جاتا تھا۔ اسے خراج کہتے تھے۔

Marfat.com

مال کا مالک رہتا ہے تو اُس سے اتنے ہی مال پر زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ اور کسی کا خرچ زیادہ نہیں ہے اور معمولی آمدنی کے باوجود معقول آمدنی والے سے سال کے آخر میں زیادہ بچا سکتا ہے تو وہ معقول آمدنی والے سے زیادہ زکوٰۃ دے گا۔ آمدنی پر ٹیکس ہونے کی صورت میں آمدنی کو چھپانے کی تدبیریں سوچنی پڑتی ہیں اور سُوپر ٹیکس سے بچنے کے لئے تو آمدنی واقعی کم کرنی پڑ جاتی ہے۔ کاروباری لوگ روپیہ کاروبار میں نہیں لگاتے۔ اُسے یوں ہی منجمد اور بے کار کر کے ڈالے رکھتے ہیں۔ روپے کا چکر ٹوٹ جاتا ہے۔ برخلاف اِس کے اسلامی ٹیکس روپے کو خوب چکر کھلاتا ہے اور روپے کو منجمد و بے کار کر کے ڈالے رکھنے کا خیال نہیں آنے دیتا، روپے کا منجمد اور بے کار ہو جانا اور روپے کے چکر کا ٹوٹ جانا سُود کے بعد دنیا کی موجودہ بے چینی کی دوسری وجہ ہے۔ اسلام نے بچت، یعنی روپے کو منجمد اور بے کار کر کے ڈالے رکھنے پر ٹیکس لگا کر اس بے چینی کا خاتمہ کر دیا تھا۔

زکوٰۃ کی وصولی انکم ٹیکس کی وصولی کی طرح مشکل نہیں ہے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ کے محصّل ضرور مقرر کیا کرتے تھے۔ لیکن زکوٰۃ کا روپیہ بے تأمل آتا تھا، آج کل زکوٰۃ کا مطلق انتظام نہیں ہے۔ پھر بھی زکوٰۃ نکالنے والے زکوٰۃ نکالتے ہیں۔ زکوٰۃ نکالنا اسلام میں ویسا ہی فرض ہے جیسا نماز پڑھنا۔ روزہ رکھنا۔ ایک کمال کی بات یہ ہے کہ زکوٰۃ کی آمدنی حضورؐ اپنے اوپر خرچ نہیں کرتے تھے اور زکوٰۃ حضورؐ کی اولاد پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔

نظامِ المشائخ۔ کراچی
۱۳
فروری ۱۹۵۵ء

Marfat.com

(۱۱) سب سے بڑی خصوصیت اسلامی حکومت کی یہ ہے کہ اسلامی حاکم اپنے آپ کو اِس کا مستحق نہیں گردانتا کہ عام مسلمانوں کی نسبت اونٹ کا ایک بال بھی زیادہ لے لے یا عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر اپنی اولاد اور عام مُسلمان میں فرق کر جائے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے۔ میری بیٹی فاطمہؓ کے ساتھ بھی رعایت نہیں کی جا سکتی۔

(۱۲) حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں کوئی فردِ واحد کسی ایسی چیز پر قبضہ نہیں جما سکتا تھا جو رفاہِ عام کے کام آتی ہو۔ اسلام سے پہلے عرب کے امراء و رؤسا اپنے مویشیوں کے لئے چراگاہیں مخصوص کر لیا کرتے تھے اور وہاں اوروں کو گھسنے نہیں دیتے تھے۔ حضورؐ نے اُنھیں حکم فرمایا کہ آئندہ روک ٹوک نہ کریں۔

پیلو کے درخت کی بابت فرمایا کہ پیلو کا درخت اونٹوں کی غذا ہے۔ ہر اونٹ کو حق ہے کہ جس درخت سے چاہے پیٹ بھر لے۔

عرب میں ایک جگہ ہے دہنا۔ اِس کے ایک طرف بکر بن وائل کا قبیلہ رہتا تھا۔ بکر بن وائل والوں نے درخواست کی کہ یہ جگہ ہمیں مرحمت ہو جائے۔ درخواست کے وقت بنو تمیم کی کوئی خاتون بھی اتفاق سے موجود تھیں۔ اُنھوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ۔ دہنا کے دوسری طرف بنو تمیم رہتے ہیں اور اُن کے اونٹ اور بکریوں کی وہ چراگاہ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ پھر تو اُس سے دونوں

Marfat.com

قبیلوں کو فایدہ اٹھانا چاہئیے۔ اُسے کسی ایک قبیلے کی ملکیت نہیں بنایا جا سکتا۔

حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حکومت لوگوں کے دلوں پر تھی۔ دل محکوم ہو جائیں تو نہ رُعب جمانے کی ضرورت رہتی ہے اور نہ شان دکھانے کی۔ حضورؐ نہ سر پر تاج پہنتے تھے اور نہ تخت پر نشست فرماتے تھے۔ حضورؐ نے رہنے کے لئے محل نہیں بنوایا تھا۔ حضورؐ نے اپنے تک پہنچنے کے لئے پہرہ چوکی، حاجب اور دربان مقرر نہیں کئے تھے۔ حضورؐ سارے ملک پر اقتدار حاصل ہونے کے بعد مدینے کی گلیوں میں پیدل چلتے پھرتے تھے اور لوگوں کے معمولی معمولی کام کرتے دکھائی دیتے تھے۔

حضورؐ کی جہاں بانی میں قوم پر حکّام کی بڑی بڑی تنخواہوں اور دفتروں کے بڑے بڑے خرچوں کا بار نہیں ڈالا گیا۔ عمّال بقدرِ ضرورت معاوضہ پاتے تھے اور ضرورت کی مقدار حضورؐ نے بتا دی تھی اور فرما دیا تھا کہ اس سے زیادہ لینا خیانت ہے۔ جو شخص خود والی۔ قاضی یا محصّل زکوٰۃ و جزیہ بننا چاہتا تھا اُسے حضورؐ کچھ نہیں بناتے تھے۔ بے لوث حضرات کا انتخاب ہوتا تھا اور انتخاب سے پہلے امتحان لیا جاتا تھا۔ حضرت معاذ بن جبل کو یمن کے ایک حصّے جند میں بھیجنے کا ارادہ کیا تو اُن سے پوچھا مقدمات کے فیصلے کس طرح کرو گے۔ اُنھوں نے عرض کیا۔ قرآن مجید کی مدد سے۔ پوچھا۔

نظامِ المشائخ۔ کراچی ۱۵ فروری ۱۹۸۰ء

Marfat.com

قرآن میں فیصلہ نہ نکلا تو کیا کرو گے۔ عرض کیا۔ آپؐ کے اقوال و اعمال سامنے رکھوں گا۔ زریں ہدایات
فرمایا۔ اگر میرے قول و عمل سے بھی کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے تو کیا کرو گے۔ عرض کیا۔ پھر اپنی عقل سے کام لوں گا۔ اِس پر حضورؐ نے فرمایا۔ اللہ کا شکر ہے اُس نے اپنے رسول کے رسول کو اُس بات کی توفیق دی جسے اُس کا رسول پسند کرتا ہے، لیکن دیکھو معاذ! ایک بات ذہن میں بٹھالو کہ نرمی اور خوش خُلقی کو ہاتھ سے نہ دینا۔ اقتدار پاکر لوگ بدل جاتے ہیں۔ تم لوگوں کیلئے آسانی پیدا کرنا۔ دشواری مت پیدا کرنا۔ لوگوں کو اپنی طرف کھینچنا۔ اپنے سے نفرت مت دلانا۔ مظلوم کی بددُعا سے بچنا۔ مظلوم کی بددُعا اور اللہ کے
درمیان حجاب حائل نہیں ہوتا ہے۔ باہم اتفاق رکھنا۔ ایک دوسرے ۷
کے مخالف مت ہو جانا۔

حضرت معاذ بن جبل جب روانگی کے لئے گھوڑے پر سوار ہونے لگے اور اُنھوں نے رکاب میں پیر ڈالا تو حضورؐ نے پھر فرمایا۔ دیکھو خوش خُلقی کا برتاؤ کرنا۔

دُور دُور دراز مقامات کے لئے والی اور قاضی وغیرہ متعین کئے جاتے تھے مگر مدینہ اور نواح مدینہ کے تمام کام حضورؐ خود انجام دیتے تھے۔ نظامِ انتظامِ ملکی
کبھی کبھار کوئی مقدمہ مدینہ اور نواح مدینہ کا حضرت ابو بکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ حضرت

ابی بن کعبؓ اور حضرت معاذ بن جبل رضؓ کو بھی دے دیا جاتا تھا ورنہ مدینہ اور نواح مدینہ کا کام حضورؐ نے اپنے پاس رکھا تھا۔

حضورؐ قدیم معمول کے مطابق صبح کی نماز پڑھ کر مسجد میں ٹھیر جاتے تھے اور کبھی داعیان اسلام کی جماعتیں روانہ کرتے تھے اور کبھی باہر سے آئے ہوئے وفدوں کا خیر مقدم کرتے تھے۔ ایک گھڑی میں اماموں اور موذنوں کا تقرر ہوتا تھا اور دوسری گھڑی میں محصّلین زکوٰۃ و جزیہ اور عُمّال کا۔ اسی وقت شرعی سوالوں کے جواب دیئے جاتے تھے اور اسی وقت مقدمات کے فیصلے بھی کئے جاتے تھے، اسی وقت مہمانوں کی آسائش کا بندوبست کیا جاتا تھا۔

فوجوں کی آراستگی۔ سیاسی انتظامات۔ تحریر خطوط[1]۔ اجرائے احکام۔

---

[1] حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ خطوط اور احکام اور وحی بول کر لکھواتے تھے۔ عرب میں لکھنے پڑھنے کا عام رواج نہیں تھا۔ یہ نعمت بھی عرب کو حضورؐ ہی نے دی ہے۔ حضورؐ کو بڑا شوق تھا کہ لوگ لکھنا پڑھنا سیکھیں، غزوہ بدر کے بعد مکے کے جنگی قیدیوں سے کہا۔ مدینے کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دو۔ پھر تم آزاد ہو۔ کاتب وحی حضرت زید بن ثابت نے مکے کے جنگی قیدیوں ہی سے لکھنا پڑھنا سیکھا تھا اور پھر انھوں نے یہودیوں کی زبان عبرانی سیکھی تاکہ یہودیوں کے سامنے حضورؐ کی ترجمانی کر سکیں۔ حضورؐ نے اصحاب صفّہ کو لکھنا پڑھنا سکھانے کا بھی خاص انتظام کیا تھا۔

Marfat.com

اور جزئیات اخلاق اور معاملات، داد و ستد و بیع و شراء کی نگرانی ۵۱ - تعین وظائف - مال کی تقسیم - خانہ جنگیوں کی روک تھام ۵۲ - عہدہ داروں کا احتساب و محاسبہ ۵۳ - غرض سب کام اسی نشست میں انجام پا جاتے تھے۔

صحابہ نے حضورؐ کی ایک ایک بات کا ریکارڈ رکھا ہے۔ اگر کوئی چھینکا ہے اور کسی وجہ سے اُس کے چھینکنے پر حضورؐ نے یَرْحَمُکُمُ اللّٰہ نہیں کہا ہے تو وہ تک نوٹ ہے۔ تمام ہدایتیں۔ تمام احکام۔ تمام معاہدے اور تمام فرامین کتب احادیث میں موجود ہیں، احادیث کی کتاب البیوع

---

۵۱ نگرانی کے لئے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بازار کا گشت بھی لگاتے تھے۔ ایک دفعہ حضور سرور کائنات ؐ نے غلے کے انبار میں ہاتھ ڈالا تو اندر نمی سی محسوس ہوئی۔ پوچھا۔ نمی کیسی ہے۔ دکاندار نے کہا۔ غلہ بارش سے بھیگ گیا تھا۔ فرمایا۔ اِسے چھپایا کیوں ہے۔ یہ فریب ہے۔ جو فریب دیتے ہیں وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔

۵۲ خانہ جنگیوں کی روک تھام کے لئے حضورؐ کو جگہ جگہ جانا بھی پڑتا تھا۔

۵۳ ایک دفعہ حضورؐ نے حضرت ابن اللبیتہؓ کو محصّل متعین کیا۔ وہ واپس آئے تو انھوں نے عرض کیا کہ یہ یہ مال تو سب مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھے ہدیۃً ملا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا "ہدیہ تمہارے پاس گھر بیٹھے نہ آگیا" پھر ایک عام خطبہ دیا جس میں ایسے ہدیئے لینے کی ممانعت کی۔ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا۔ وَاللّٰہُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَۃ۔ تم متاعِ دُنیا کے بھوکے ہو۔ اور اللہ چاہتا ہے (کہ تمھیں اجر) آخرت (دے)۔

Marfat.com

میں دیوانی مقدمات کی تفصیل ہے اور کتاب القصاص والدیات میں فوجداری مقدمات جمع ہیں۔

نماز یا نمازوں کے بعد کی نشستوں کے علاوہ راہ چلتے اگر کام سامنے آجاتا تھا تو حضورؐ اُسے فوراً نمٹاتے تھے۔ حتی المقدور یہ نہیں فرماتے تھے کہ نماز کے بعد کی نشست میں ملنا۔

گھر میں قدم رکھتے تو خواتین کا ہجوم منتظر ہوتا تھا کہ اب حضورؐ ہمارے معاملات سلجھائیے۔ حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ حضورؐ تھک کر چُور ہو جاتے تھے اور بعض اوقات نماز تہجد کھڑے رہ کر نہیں پڑھ سکتے تھے۔ بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

مریضوں کی عیادت اور میّتوں کی تجہیز و تکفین میں شرکت اتنا کام بڑھ جانے پر بھی حضورؐ نے ترک نہیں کی تھی۔ البتہ مقروض کے جنازے کے ساتھ نہیں جاتے تھے۔ اس کا یہ اثر پڑتا تھا کہ وارث قرض ضرور ادا کر دیتے تھے۔ بلکہ وارث ادا نہ کر سکتے تو غیر ادا کر دیتے تھے۔

Marfat.com

سرورِ کائناتؐ کے مُعجزات

حیاتِ سرورِ کائناتؐ حصہ اوّل کے ابتدائی صفحات میں ایک مضمون ہے، جس کا عنوان ہے۔ "اہلِ عرب سرورِ کائنات سے قبل"۔ اُسے پڑھئے اور دیکھئے کہ جب ساری دنیا پر گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا اور عرب اندھیرے کے اعتبار سے دنیا کا سرتاج تھا اُس وقت عرب میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کو پیدا کیا گیا۔ اور پھر حضورؐ کو باپ، ماں اور دادا کی سرپرستی سے یکے بعد دیگرے محروم کر دیا گیا، تاکہ جو اُلٹی سیدھی تربیت مل سکتی ہو وہ تک نہ ملے۔ لکھنا پڑھنا اوّل تو اور عرب ہی کون سا جانتے تھے لیکن حضورؐ نے حروف شناسی کا موقع بھی نہیں پایا۔ حضورؐ بچپن میں اپنی انّا بی بی حلیمہ کے بچّوں کے ساتھ بکریاں چراتے رہے۔ جوانی میں تجارت کرنے لگے۔ تجارتی قافلوں کے ساتھ باہر گئے تو زیادہ سے زیادہ شام گئے۔ روم، ایران اور مصر نہیں گئے جو اُس وقت کے اندھوں میں کانڑے مُلک تھے اور چلے جاتے تو وہاں ایسا

Marfat.com

کیا سبق مل جاتا کہ حضورؐ یکایک کُل عالم کو سبق سکھانے کے قابل ہو جاتے۔ تمام انبیا تو ایک ایک قطعہ زمین کی رہنمائی کرتے آئے تھے، حضورؐ ساری دُنیا کی رہنمائی فرماتے اور معاشرت و معیشت، قانون و سیاست، تہذیب و تمدن، مذہب و اخلاق کی وہ باتیں بتاتے جن کا چالیس سال کی عمر سے پہلے خود حضورؐ کو علم نہ تھا اور جن کا اُس زمانے میں وجود ہی نہیں تھا۔ اور معلومات کا ایسا ذخیرہ چھوڑ جاتے جنھیں اُس وقت عرب کیا دُنیا میں کوئی نہیں جانتا تھا۔ یُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔ ہمارا رسول تمھیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔ حضورؐ کی تعلیم اور حضورؐ کی صحبت نے تیئیس سال کے اندر اندر جاہل اور سرکش عربوں کو جیسا آدمی بنا دیا اُس پر ذرا غور فرمائیے، اُسے معجزہ نہ کہئے گا تو کیا کہئے گا۔ حضورؐ پارس تھے جو حضورؐ سے چھو گیا سونا بن گیا۔ آجکل تبلیغ کے جتنے وسائل ہیں، مدرسے، کالج، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، اخبار، رسالے، کتابیں، ریل، ہوائی جہاز، اِن وسائل کا چودہ سو برس پہلے انسان تصوّر نہیں کر سکتا تھا۔ کیا اب ان وسائل کی موجودگی میں، اور دولت و حکومت کی مدد لیکر حضورؐ کے برابر کامیاب ہوا جا سکتا ہے؟

عرب میں نہ دولت تھی نہ حکومت اور اگر کچھ تھی تو حضورؐ کے پاس نہیں تھی۔ اُن کے پاس تھی جو گوارا نہیں کرتے تھے کہ حضورؐ جہالت و وحشت

کو دُور کریں اور تہذیب و تمدّن پھیلائیں۔ ضابطوں قاعدوں میں اُنھیں جکڑ دیں چوری، رہ زنی، قتل، خوں ریزی، شراب، جوئے اور زنا سے اُنھیں روکیں۔ اُنھیں سوتیلی ماؤں سے نکاح نہ کرنے دیں۔ مادر زاد برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف نہ کرنے دیں۔ پتھروں، درختوں اور ستاروں وغیرہ کی پرستش نہ کرنے دیں۔ مگر حضورؐ کے مخالفوں کی دولت اور مخالفوں کا اقتدار دونوں دھرے رہ گئے اور بالآخر حضورؐ نے اُنھیں تاریکی سے نکال کر روشنی میں کھڑا کر ہی دیا۔ اتنی روشنی میں کہ جس تعلیم کے وہ مخالف تھے اُسے وہی دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلاتے پھرے۔ اور کیسی مستعدی سے پھیلاتے پھرے۔ مخالف دو چار نہ تھے۔ ملک کا ملک مخالف تھا، اور پھر ملک کا ملک حضورؐ کی تعلیمات کا عاشق و مبلّغ ہو گیا۔

مخالفوں نے حضورؐ سے کہا کہ ہمیں ہماری قدیم روش پر چلنے دو تو ہم تمھیں اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں گے اور اگر تم باز نہ آئے تو تمھاری خیر نہیں ہے۔ حضورؐ نے بادشاہت کو ٹھکرا دیا اور ظلم پر ظلم سہنے قبول کیے اور مسلسل اکیس برس ظلم سہے۔ اور پھر اُن ظلم کرنے والوں کو جنھوں نے حضورؐ کو لہولہان کیا تھا، جنھوں نے حضورؐ کو وطن سے بے وطن کیا تھا، جنھوں نے حضورؐ پر فوج کشیاں کی تھیں انسانیت کی انتہائی بلندی پر لے جا بٹھایا، جانوروں سے بدتر لوگ فوق البشر قسم کے انسان بن گئے۔ ایسے انسان جن کی نظیر نہیں ملتی۔

Marfat.com

کیا بادشاہت کو ٹھکرا دینا اور مظالم کو قبول کرنا اور دشمنوں کو دین و دُنیا کی نعمتوں سے مالامال کر دینا اور خود دنیا کا ذرا سا آرام نہ اُٹھانا معجزہ نہ تھا۔

بقول حضرت عیسیٰ علیہ السّلام درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی نہیں، کُل نبیوں کا سب سے بڑا معجزہ اُن کی نبوت سے قبل کی زندگی تھی۔ نبوت سے قبل کا کیرکٹر اور نبوت سے قبل کے حالات اُن کے دعوے کی صداقت کو ثابت کرتے تھے۔ لیکن سمجھنے والے، صدیقین اور صالحین ہی اِسے سمجھ سکتے تھے[۵] اور نہ سمجھنے والے

---

[۵] مولانا روم رح فرماتے ہیں ؎

در دلِ ہر اُمّتی کز حق مزہ است
رُوئے و آوازِ پیمبر معجزہ است

جو حق و صداقت کی لذت سے آشنا ہوتا ہے اُس کا دل تو پیغمبر کے چہرہ اور پیغمبر کی آواز میں اعجاز دیکھ لیتا ہے۔

معجزہ جست از نبی بوجہل سگ
دید و کفرش فزوں از آں الا کہ شک

ابوجہل کُتے نے حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے معجزہ کا مطالبہ کیا اور معجزہ دیکھ کر اُس کے کفر میں کچھ اور اضافہ ہوگیا،

لیکن آں صدیقِ حق معجز نخواست
گفت ایں رو خود نہ گوید غیر راست

لیکن ابوبکر صدیق رض معجزہ کے طالب نہیں ہوئے۔ اُنھوں نے کہا کہ یہ چہرہ بھلا سچ کے سوا کیا بول سکتا ہے۔

Marfat.com

نئے نئے معجزے مانگتے رہتے تھے اور وہ معجزے دیکھ کر بھی عموماً ایمان نہ لاتے تھے - مَا اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ٥ اِن (منکرینِ خاتم النبیینؐ) سے پہلے کی جن جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا ہے اُن میں کوئی بھی (ہلاکت کی نشانیاں دیکھنے کے بعد اپنے زمانے کے پیغمبر پر) ایمان نہیں لایا تھا - تو کیا یہ (آجکل کے ایمان نہ لانے والے خرقِ عادت اور حِسّی معجزوں کی وجہ سے) ایمان لے آئیں گے - وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ط اور ہم حِسّی معجزے بھیجیں تو ہمارا ہاتھ کون پکڑتا ہے، مگر بات یہ ہے کہ (ایمان نہ لانے والے یہ معجزے دیکھ کر بھی ایمان نہیں لایا کرتے) پچھلے لوگوں نے حِسّی معجزے ہی تو جھٹلائے تھے -

تاہم اتمامِ حجت کے لئے نبیوں اور رسولوں کو حِسّی معجزے دئیے ضرور گئے - اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس معاملے میں مستثنےٰ نہیں ہیں - حضورؐ کو بھی خرقِ عادت اور حِسّی معجزے ملے -

ہمیشہ سے تین قسم کے آدمی ہوتے رہے ہیں - ایک حضرت خدیجہؓ - حضرت زیدؓ - حضرت علیؓ اور حضرت ابو بکرؓ جیسے - جنھیں معجزوں کی قطعی احتیاج نہیں تھی - دوسری قسم میں ابو لہب اور ابو جہل ہیں کہ مرتے مر گئے لیکن کسی دلیل، کسی نشانی اور کسی معجزے نے اُن کی آنکھوں کے آگے سے پردہ نہیں ہٹایا - وہ معجزہ دیکھتے تھے تو اُسے جادو کہہ دیتے تھے ـــــــ

Marfat.com

تیسری قسم درمیانی حضرات کی ہے کہ جتنی معجزوں سے اُن کی آنکھیں کُھل گئیں اور اُن کے ایمان مستحکم ہو گئے۔

معجزے نبیوں اور رسولوں کو حالات اور وقت کے مناسب دیئے جایا کرتے تھے۔ حضورؐ کو حضورؐ کے حالات اور وقت کے مناسب معجزے دیئے گئے۔ تمام نبیوں اور رسولوں کا حلقہ اور کام محدود تھا۔ حضورؐ ساری دنیا کے لئے آئے تھے اور آخری پیغمبر ہو کر آئے تھے۔ لہذا حضورؐ کے معجزے ایسے ہیں جن کا اعجاز تاقیامت باقی رہے گا اور جوں جوں انسان کی عقل اور انسانیت ترقی کرے گی دوں دوں حضورؐ کے معجزے چمکیں گے۔

حضرت موسےٰ علیہ السّلام کا عصا اژدہا بن گیا اور جادوگروں کے سانپوں کو نگل گیا۔ حضرت عیسےٰؑ نے کوڑھیوں کو تندرستی اور مُردوں کو زندگی دلوائی۔ مگر اُن معجزوں کا نتیجہ کیا نکلا۔ حضرت موسےٰؑ اور حضرت عیسےٰؑ اور پچھلے جملہ نبی اور رسول دنیا سے رخصت ہونے لگے تو اُن کے گئے گئے پیرو تھے۔ اور وہ پیرو بھی اِن عظیم المرتبہ پیغمبروں سے کیا اتنے متاثر ہوئے جتنا ہونا چاہیئے تھا۔ پھر ان پیغمبروں کے معجزوں کو اُسی زمانے کے لوگوں نے دیکھ لیا سو دیکھ لیا۔ آج اُن معجزوں کا انکار اقرار کی نسبت آسان ہے۔ برخلاف ازیں حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو وقتی معجزے بھی ملے۔ مثلاً معجزہ شق القمر۔ اور دائمی معجزہ بھی ملا۔ یعنی قرآن مجید۔ حضورؐ

نظام المشائخ کراچی

۹

مارچ ۱۹۶۹ء

Marfat.com

زندہ نبی ہیں اور حضورؐ کا معجزہ زندہ معجزہ ہے ؎

ایک اُمّی پہ جو ہو جاتی ہے رحمت اُس کی
اُس کے احکام اُتر آتے ہیں قراں ہو کر

معجزہ کی اِصطلاح بعد کے حضرات نے تجویز کی ہے۔ قرآن یا حدیث میں یہ لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ قرآن اور حدیث میں بجائے معجزہ کے آیت، حجت، برہان اور سُلطان کے الفاظ ہیں۔ یا تائید اور نصرِ الٰہی کہا گیا ہے۔ جامع لفظ آیت ہے۔ آیت کے معنی ہیں علامت و نشانی۔ شناخت کی علامت و نشانی۔ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں علامتوں اور نشانیوں سے جانی اور پہچانی جاتی ہیں۔ یہ فلاں شخص ہے۔ یہ فلاں جانور ہے۔ یہ فلاں پھل ہے۔ یہ فلاں پتھر ہے۔ یہ اچھا ہے۔ یہ بُرا ہے۔ اگر علامات ذہن میں نہ ہوں تو انسان کسی چیز کی بابت کچھ نہیں بتا سکتا۔ وہ انسان اور حیوان میں فرق نہیں کر سکتا۔ وہ بُرے بھلے میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اللہ اور اللہ کے پیغمبروں کے پہچاننے کے لئے آیت کا لفظ خاص طور سے اور اصطلاحاً بولا جاتا ہے۔

انسان فقط اُن چیزوں پر حیرت کا اظہار کیا کرتا ہے جنھیں روز روز مرّہ نہیں دیکھتا۔ حالانکہ حیرت کے لائق اللہ کی ہر ہر صنعت ہے۔ قرآن اور حدیث اللہ کی صنعتوں کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ چاند کا طلوع ہونا۔

نظام المشائخ کراچی

پھر بڑھنا اور گھٹنا - رات بھر چمکنا اور دن بھر غائب رہنا مستقل اور دائمی آیت ہے اور چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا وقتی اور عارضی آیت. جس اللہ میں چاند کو بنانے اور نظم کے ساتھ قابو میں رکھنے کی قدرت ہے اُس میں چاند کے دو ٹکڑے کر دینے کی بھی قدرت ہے - اور یہ بھی قدرت ہے کہ ایسا واقعہ ظہور میں لائے اور اس کے باوجود نظام عالم میں فرق نہ آنے دے - مستقل اور دائمی آیات اللہ کی پیدا کی ہوئی تمام چیزیں ہیں - رات - دن - سورج - چاند - آسمان - زمین - پہاڑ - سمندر - بارش - بجلی - نر - مادہ - چوپائے - چرند - پرند - خود تمھاری پیدائش - تمھارا پلنا - تمھارا زبانوں اور رنگوں میں اختلاف - غرض کس کس چیز کا نام لیا جائے - گنوایا نہیں جا سکتا -

برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ - اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ کی نشانیوں کو نہ مانے - مستقل اور دائمی آیات وقتی اور عارضی آیات کی صداقت کی طرف بھی رہنمائی کرتی ہیں[1]-

---

[1] پیغمبروں کے معجزے اللہ کے قبضہ میں تھے - اِنَّمَا الْاٰيَاتُ عِنْدَ اللّٰهِ - پیغمبر اپنے اختیار سے اور اللہ کی مرضی اور مشیت کے بغیر معجزے نہیں دکھا سکتے تھے - مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ -

ماہ ۱۹۷۸ء

بہر حال اسلام عارضی اور غیر عارضی دونوں کو آیات کہتا ہے۔ ہم غیر عارضی آیات کے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ عارضی و وقتی آیات و معجزات سے دیکھنے والوں نے اثر لیا بھی اور نہیں بھی لیا اور اب نہ دیکھنے والے اُن کے متعلق شبہے میں پڑ جاتے ہیں کہ بھلا یہ کیونکر ہوا ہوگا۔ اتنی بڑی زمین کے معلق چکر کھانے پر عقل نہیں چکراتی۔ لیکن اگر بیان کیا جائے کہ اللہ چھوٹا سا گولا معلق رکھ سکتا ہے اور اُسے معلق حالت میں گردش دے سکتا ہے تو عقل کو گھمیری آجاتی ہے۔ اللہ کے ادنیٰ کارناموں کو ملتے ہوئے ہم ہچکچاتے ہیں اور سٹپٹاتے ہیں۔ حالانکہ سٹپٹانے کے لایق تو زمین اور زمین کے اوپر کا ذرہ ذرہ ہے۔ وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ماننے والوں کے واسطے زمین میں آیات ہی آیات ہیں۔ خود تمھارے وجود میں آیات ہیں، تم انھیں آنکھیں کھول کر دیکھتے نہیں۔

حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ صرف عقل سے اپنے کو پہچوانا اور اپنے احکام کو منوانا چاہتا تھا۔ لیکن کم عقلوں اور کٹ حجتوں نے مطالبہ کیا کہ نہیں، قدیم قسم ہی کے معجزے لاؤ۔ ہمارے نزدیک صداقت کا معیار خارقِ عادات واقعات ہی ہیں۔

ایک دور تھا کہ انسان افعالُ اللہ سے اتنا متاثر تھا کہ اُس نے افعالُ اللہ کو اللہ قرار دے دیا۔ اُس دور کی یادگاریں آگ، پانی، درخت

اور پہاڑ کی پرستش کی شکل میں ابھی تک موجود ہیں۔ اُس دور کے انسان افعالُ اللہ کے سامنے اللہ کو بھول گئے۔ وہ اللہ کی بجائے اللہ کے مظاہر کی پرستش کرنے لگے۔ پھر ایک دور آیا کہ افعالُ اللہ کے ساتھ مساوات ہو گئی اور اللہ کے پیغمبر بھٹکے ہوئے لوگوں سے راہِ راست پر آنے کے لئے کہتے تو اُن سے خواہش کی جاتی کہ اللہ کے نئے کرشموں کا مشاہدہ کراؤ۔ لیکن حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی بعثت نے تیسرے دور کا آغاز کیا۔

حضورؐ کی بعثت کے وقت نوعِ انسان اس قابل ہو چکی تھی کہ اُس کی بچپنے اور جوانی دیوانی کی ذہنیت بدل جائے اور اُس میں پختہ کاری آئے۔ لہٰذا اللہ تعالےٰ نے اب نوعِ انسان سے اُسی طرح خطاب فرمایا جس طرح پختہ عمر والوں سے خطاب کیا جاتا ہے۔ فرمایا:۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ (اے محمدؐ!) کہہ دو میرا طریق یہ ہے کہ میں اللہ کی جانب (عقل اور) بصیرت کے ذریعہ بلاتا ہوں۔ میرا اور جو میرے نقشِ قدم پر چلتا ہے اس کا طریق کار یہی ہے۔ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ جسے ہلاک ہونا ہے وہ اتمامِ بیّنات کے بعد ہلاک ہو اور جسے جینا ہے وہ بیّنات دیکھ کر جئے۔ اِنَّ شَرَّ الدَّوَاۗبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ اللہ کی نگاہ میں بدترین حیوان وہ انسان

ہیں جو بہرے اور گونگے ہوگئے ہیں اور جو کچھ سمجھتے ہی نہیں۔

معجزہ طلبی پر ارشاد ہوا: وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِن رَّبِّي ۚ هَٰذَا بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

(اے محمدؐ!) جب تم ان کے پاس کوئی (خرق عادت) نشانی (معجزہ) لیکر نہیں جاتے تو وہ (از راہ طنز) کہتے ہیں۔ نشانی اپنے جی سے کیوں نہ گھڑ لی۔ کہہ دو کہ میں تو اس وحی کی تعمیل کرتا ہوں جو میرا پروردگار مجھے بھیجتا ہے۔ (اپنے جی سے کچھ نہیں گھڑتا) یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے بصیرتوں کا مجموعہ ہے اور اہل یقین کے حق میں باعث ہدایت و رحمت ہے، سَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمْ آتَيْنَاهُم مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ۗ وَمَن يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ

(ذرا) بنی اسرائیل سے پوچھو (تو) ہم نے انھیں کیسی کیسی (خرق عادت) نشانیاں دکھائی تھیں۔ (انھیں دیکھ کر بھی تو وہ راہ ہدایت پر قائم نہ رہے) اور جو اللہ کی رحمت آنے کے بعد اسے (شقاوت سے) بدل ڈالے تو یاد رکھو اللہ سزا دینے میں بڑا سخت ہے، (اس کے بعد عذاب آتا ہے) وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَلَئِن جِئْتَهُم بِآيَةٍ لَّيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنتُمْ إِلَّا

Marfat.com

نظام المشائخ کراچی

مُبْطِلُوْنَ ○ کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ○

اس قرآن میں ہم نے بنی نوع انسان کے فایدے اور ہدایت کی ساری باتیں بیان کر دی ہیں، (جنھیں فایدہ اُٹھانا اور ہدایت یاب ہونا ہو گا وہ فایدہ اُٹھالیں گے اور ہدایت یاب ہو جائیں گے) اور جنھوں نے راہ انکار اختیار کر رکھی ہے، اُن کے پاس تم کیسی بھی نشانی لے جاؤ وہ یہی کہیں گے کہ تم (اور تمھارے متبع) سب غلط راہ پر گامزن ہو۔ (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ اندھی عقل والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰی یَبْعَثُهُمُ اللّٰہُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ○ تمھاری
۱۵ پکار کا وہی جواب دے سکتے ہیں جو تمھاری پکار سنتے ہیں۔ لیکن جو (سرے سے) مُردہ ہیں (اُن سے جواب کی کیوں اُمید لگاتے ہو) انھیں تو (بس) اللہ (قبروں سے) اُٹھائے گا اور وہ اُس کے پاس لوٹائے جائیں گے۔ (اور اُس وقت جو دیکھنا ہے دیکھ لیں گے) وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ وَمَا یُشْعِرُکُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ○ وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ کَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ○ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةَ وَکَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰی وَحَشَرْنَا

ماہ ربیع ۱۳۴۸

عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ ۝ اور یہ (کفار) اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر کوئی (خرقِ عادت) معجزہ انھیں دکھا دیا جائے تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے۔ (اے محمدؐ!) تم جواب دے دو کہ معجزے اللہ کے قبضے میں ہیں۔ (میرے قبضے میں نہیں ہیں) تمھیں کیا معلوم، معجزہ دکھا دیا جائے تو بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (کیونکہ خود ہم نے فیصلہ کر رکھا ہے کہ یہ ایمان نہ لائیں) ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو اُلٹ دیں گے۔ (یہ خرقِ عادت معجزے بھی دیکھیں گے تو انکار ہی کریں گے) جس طرح قرآن پر اوّل دن ایمان نہیں لائے تھے (اُسی طرح خرقِ عادت معجزوں کا ان پر اثر نہیں ہوگا) ہم انھیں (ان کے حال پر) چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی میں (سر پھوڑتے اور) بھٹکتے پھریں۔ یقین جانو، ہم ان پر فرشتے اُتار دیتے یا (ایسا کرتے کہ قبروں کے) مُردے (اُٹھ کر) ان سے باتیں کرنے لگتے اور جتنی چیزیں بھی دُنیا میں ہیں سب کو ان کے سامنے (گواہی میں) لا کھڑا کرتے تب بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے۔ ہاں اگر اللہ کی مشیت ہو (تو اُس کی قدرت سے کچھ باہر نہیں ہے۔ لیکن اللہ نے چند قاعدے قوانین بنا رکھے ہیں) جنھیں ان (لوگوں) میں سے اکثر سمجھتے نہیں۔ (اللہ ایسا خرقِ عادت معجزہ لا سکتا ہے کہ پھر اقرار کے سوا چارہ نہ رہے۔ مگر

اُس سے عقلوں اور طبیعتوں کی آزمائش کیا ہوگی۔ اللہ رضا و رغبت کا ایمان چاہتا ہے۔ جبر و اکراہ کا ایمان نہیں چاہتا۔ اس کے علاوہ اب صورت یہ ہے کہ اللہ کی ہدایتیں بار بار نہیں آئیں گی۔ جو ہدایتیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں وہ قیامت تک کے واسطے ہیں۔ اللہ معجزہ مانگنے والوں کی مرضی کے مطابق معجزہ دکھا بھی دے تو اُسے موجودہ آدمی دیکھ لیں گے۔ وہ معجزہ قیامت تک نہیں چلے گا۔ قیامت تک صرف قرآن اور قرآنی تعلیمات کا معجزہ ہی چل سکتا ہے) هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ ۗ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا ۗ قُلِ انتَظِرُوا إِنَّا مُنتَظِرُونَ ۝ یہ (خرقِ عادت معجزے مانگنے والے) کیا اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ فرشتے اُتریں۔ یا تمھارا پروردگار ان کے روبرو آجائے۔ یا تمھارے پروردگار کی بعض (ایسی) نشانیاں ظاہر ہو جائیں (جو قیامت کے دن ظاہر ہوتی ہیں) تو (اے محمدؐ! انھیں بتا دو کہ) جس روز تمھارے پروردگار کی وہ نشانیاں ظاہر ہوں گی اُس روز کسی شخص کو، جو پہلے سے ایمان قبول نہ کر چکا ہوگا۔ یا ایمان کی حالت میں اُس نے نیکی نہ کمائی ہوگی، ایمان لانے سے خاک فائدہ نہیں ہوگا۔ (اُس روز کا ایمان غیر معتبر ہے۔ اے محمدؐ!) تم (ان سے) کہہ دو کہ جاؤ

Marfat.com

انتظار کئے جاؤ۔ ہم بھی (فیصلے کے وقت کے) منتظر ہیں۔

حِسّی اور خرقِ عادت معجزات کو اہمیت نہ دینے اور دنیا کا رُخ تفکّر و تدبّر کی طرف پھیرنے کے باوجود حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایسے افعال سرزد ہوتے رہتے تھے، جن کی بابت ارشاد ہے وَاِذَا رَاَوْا اٰیَۃً یَّسْتَسْخِرُوْنَ، وَقَالُوْٓا اِنْ ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ۔ جب وہ (یعنی کفار) کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق اُڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کھلا جادو ہے۔[لہ]

لہ دُنیا کا رُخ تفکّر و تدبّر کی طرف پھیرنے کے علاوہ حسّی اور خرقِ عادت معجزات کو اہمیت نہ دینے اور اُن کا مطالبہ کرنے پر جھنجلانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پیغمبروں سے مداریوں کے سے کرتب اللہ تعالےٰ نے کبھی نہیں کرائے۔ پیغمبروں سے معجزے خود بخود سرزد ہوتے رہتے تھے۔ فرمائشی معجزے دکھانے سے ہر پیغمبر نے تامّل کیا۔ بقول علامہ سید سلیمانؒ "انجیل کے مطابق حضرت عیسےٰؑ نے تمام انبیا سے زیادہ معجزات اور نشانیاں دکھائیں، تاہم فریسی یہودیوں میں معجزہ کی تشنگی باقی ہی رہی، اور ہر ملاقات میں اُنھوں نے معجزہ کی نئی فرمائش کی۔

انجیل میں ہے :-

"تب فریسی نکلے اور اُس سے (حضرت عیسےٰؑ سے) حجت کرکے اُس کے امتحان کے لئے کوئی آسمان سے نشان چاہا۔" (مرقس ۸ - ۱۱)

حضرت عیسےٰؑ نے آہ سرد بھر کر فرمایا :-

"اِس زمانے کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں۔ میں تم سے سچ

(باقی صہ ۲۳۵ پہ)

Marfat.com

اِن معجزات کا قرآن مجید میں بھی ذکر یا اشارہ ہے اور احادیث میں

(بقیہ صفحہ ۲۳۴) کہتا ہوں کہ زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔"

(مرقس ۸-۱۲)

ایک دفعہ حضرت عیسیٰؑ نے کسی گونگے کو اچھا کیا۔ بعض آدمیوں نے کہا

"یہ بعل زبول دیوتا کی مدد سے ایسے عجیب کام کرتا ہے اور اوروں نے

آزمائش کیلئے اُس سے (حضرت عیسیٰؑ سے) ایک آسمانی نشان مانگا۔" (لوقا ۱۱-۱۶)

حضرت عیسیٰؑ نے جواب میں فرمایا:۔

"اس زمانہ کے لوگ بُرے ہیں۔ وہ نشان ڈھونڈتے ہیں۔ پر کوئی نشان

اُن کو نہیں دیا جائے گا۔ مگر یونسؑ نبی کا نشان" (لوقا ۱۱-۲۹)

غرض حضرت عیسیٰؑ سے یوں تو معجزے سرزد ہوتے تھے مگر فرمائشی معجزوں سے اُنھوں نے بالعموم انکار کیا۔ کیونکہ وہ بنی اسرائیل کی تباہی دیکھنی نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ اُن سے آسمانی خوان اُتروانے کی فرمائش کی گئی تو اللہ نے کہا:۔

میں یہ آسمانی خوان تم پر اُتار تو سکتا ہوں، لیکن اُس کے بعد بھی اگر تم میں سے کسی نے انکار کیا تو میں اُسے ایسا سخت عذاب دوں گا جو دنیا میں کسی کو نہ دیا ہوگا۔ (مائدہ-۱۵)

پیغمبر اگر فرمائشی معجزے دکھانے لگتے تو پھر اُنھیں اُس کام کی فرصت نہ رہتی نہیں جس کے لئے وہ بھیجے گئے تھے۔ بس دن رات معجزے ہی دکھائے جاتے اور تماشہ بن جاتے۔ ایک کے بعد دوسری فرمائش ہوتی اور دوسری کے بعد تیسری۔ پیغمبروں کو پیغمبری کی فرصت نہ ملتی اور معجزے مانگنے والوں کو عذاب سے بچنے کی مہلت

(باقی صفحہ ۲۳۶ پر)

Marfat.com

تو پوری تفصیل ہے۔ مثلاً غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کفار سے ایک تہائی تھی، نیز مسلمان بے ساز و سامان تھے اور کفّار ساز و سامان سے لیس تھے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تعالےٰ سے مدد کی درخواست کی۔ ایک ہزار فرشتے مسلمانوں کے درمیان آ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں نے معجزانہ فتح پائی۔ سورۂ انفال میں ہے:۔ اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ۔ جب تم اپنے پروردگار سے مدد مانگ رہے تھے تو اُس نے تمہاری درخواست کو منظور فرمایا اور کہا میں ایک ہزار سواروں سے تمہاری مدد کئے دیتا ہوں۔

جنگ شروع ہونے سے قبل خواب میں دکھا دیا گیا تھا کہ کفّار مسلمانوں سے تعداد میں کم ہیں۔ اس خواب کو اللہ یاد دلاتا ہے:۔ اِذْ یُرِیْکَھُمُ اللّٰہُ فِیْ مَنَامِکَ قَلِیْلًا وَلَوْ اَرٰکَھُمْ کَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ سَلَّمَ اِنَّہٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (انفال) اللہ کا احسان یاد کرو کہ اُس نے تمھیں خواب میں کفار کو تھوڑا کر کے دکھایا۔ اگر زیادہ کر کے دکھاتا تو تم ہمت ہار دیتے۔ لڑائی کے بارے میں اختلاف کرنے لگتے (کہ لڑیں یا نہ لڑیں) لیکن اللہ نے بچا لیا۔ اللہ سینوں کے راز

(بقیہ صہ ۲۳۵ حاشیہ) حضور (صلعم) کی انگلیوں سے چشمہ بہہ نکلا اور اشارے سے درخت چلے۔ مگر فرمائش پر حضورؐ نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا

Marfat.com

جانتا ہے۔

میدان جنگ میں مسلمانوں کو کفار اپنے سے کم نظر آرہے تھے اور وہ اطمینان سے لڑ رہے تھے۔ اور کفّار کو مسلمان اتنے ہی نظر آرہے تھے جتنے وہ تھے یعنی کم۔ یہ اس لئے کہ زیادہ نظر آنے سے کفار بھاگ نہ کھڑے ہوں۔ میدان میں ڈٹے رہیں اور خوب قتل ہوں۔ اس احسان کو بھی قرآن مجید میں یاد دلایا گیا ہے۔

پھر جب گھمسان کی لڑائی لڑی جانے لگی اور مسلمان اور کفار گتھ گئے تو کفار نے محسوس کیا کہ مسلمان اُن سے دوگنے ہیں۔ اب کفار کے ہاتھ پاؤں پھول جانے ہی میں بہتری تھی۔

میدان بدر میں جہاں مسلمانوں نے اپنی صفیں قایم کی تھیں وہ جگہ اُونچی تھی۔ اور جہاں کفار تھے وہ جگہ نیچی تھی۔ اللہ تعالےٰ نے مینہ برسا دیا۔ اس سے مسلمانوں کے ہاں تو گرد و غبار دب گیا اور مسلمانوں کو چلنے پھرنے میں آسانی ہوگئی اور کفار کے ہاں پانی نے کیچڑ کردی۔ اُن کے پاؤں پھسلنے لگے۔ اللہ تعالےٰ نے اسے بھی قرآن مجید میں جتایا ہے۔

بدر میں ایک اور واقعہ بھی ہوا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کچھ مٹی اور کچھ کنکریاں مُٹھی میں بھر کر دشمن کی سمت پھینکیں، اور دشمن نے فوراً شکست مان لی۔ قرآن مجید اس واقعہ کا یوں ذکر کرتا ہے:۔

Marfat.com

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

(مسلمانو!) کفار کو تم نے قتل نہیں کیا، اللہ نے قتل کیا۔ اور (اے محمدؐ!) وہ کنکریاں جب تم نے پھینکیں تو تم نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکیں، تاکہ اِس (عمل) کے ذریعہ مسلمانوں کو (فتح کی) نعمت حسنہ سے سرفراز کرے۔

غزوہ احزاب یعنی وہ لڑائی جس میں عرب کے جملہ قبایل نے مسلمانوں پر چڑھائی کی تھی، اِس کے وقوع سے پہلے حضورؐ بتا چکے تھے کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایسا ایسا ہونے والا ہے۔ جب وہ جنگ پیش آئی تو پریشان ہونے کی بجائے مسلمانوں کے ایمان نے تازگی پائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:——

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ؕ جب مسلمانوں نے (اتنے) قبایل کو (حملہ کرتے) دیکھا تو بولے یہی وہ (بات ہے) جس کا اللہ اور اُس کے رسولؐ نے ہم سے وعدہ (یا ذکر) کیا تھا۔ اللہ اور اُس کے رسولؐ کا کہنا سچّا نکلا۔ اس واقعے (یعنی اتنے زیادہ قبایل کے حملہ آور ہونے) نے اُن کے ایمان اور اعتراف کو اور زیادہ پکّا کر دیا۔

ہجرت مدینہ سے ایک سال قبل یہ آیت اُتری تھی:۔ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ

Marfat.com

خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا - اگر کفار نے تمھارا مکے میں رہنا دوبھر کر دیا - تاکہ (دوبھر کرکے) تمھیں مکے سے نکال دیں تو (فکر مت کرو) یہ لوگ تمھارے بعد بہت دن اپنی ہستی برقرار نہ رکھ سکیں گے۔

یہ پیشین گوئی جن حالات میں کی گئی تھی کوئی عام انسان اسے باور نہیں کر سکتا تھا۔ اور ایک اور پیشین گوئی تو اس سے بڑھ کر ہے۔ فرمایا:۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ - تم میں سے جو ایمان لے آئے ہیں اور (جنھوں نے) نیک عمل کئے ہیں اُن سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انھیں زمین میں (اپنا) خلیفہ (وائسرائے) بنائے گا۔ یہ بشارت اُس وقت دی گئی تھی جس وقت مدینہ پہنچ کر بھی اطمینان میسر نہیں آیا تھا اور مسلمان کہتے تھے کہ الٰہی کوئی گھڑی ایسی بھی ہوگی کہ ہم اطمینان کا سانس لے سکیں اور ہمیں تیرے سوا کسی کا ڈر نہ رہے۔

مدینہ جانے سے پہلے کی ایک اور آیت ہے:۔ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا۝ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۝ یعنی (اے رسول) تم اپنے پروردگار سے دعا مانگو کہ اے پروردگار! مجھے (کسی) اچھی جگہ پہنچا اور (مکہ سے) بعافیت نکال۔ اور مجھ کو اپنی جناب سے ایسی قوت عطا فرما جو (دشمنوں کے مقابلہ میں) میری

Marfat.com

مُعین (و) مددگار ہو۔ اور (پھر) اعلان کردو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ باطل کو (ایک نہ ایک دن) مٹنا تھا۔ یہ دعا اُس وقت سکھائی جا رہی ہے جب کہ دشمنوں پر غلبہ پانا تو درکنار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو وطن میں جائے پناہ نہیں ملتی تھی۔ چنانچہ ترکِ وطن ہی کے لئے ارشاد ہوا ہے کہ یوں دُعا کرو۔ لیکن اُس کے ساتھ وعدہ ہے کہ تمہیں ایسی جگہ لے جایا جائیگا جہاں سے فاتح بن کر لوٹو گے۔ دس برس پہلے اور انتہائی پریشانی کے زمانہ میں بشارت دے دی ہے کہ حق غالب آئے گا اور باطل مٹ جائے گا۔

فتح مکّہ کے دن حضورؐ یہ آیت بار بار پڑھتے تھے۔

غرضکہ متعدد پیشین گوئیاں قرآن مجید میں ہیں جو ایک ایک کرکے اور حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئیں۔ حتّٰی کہ حضورؐ کی وفات کی پیشین گوئی بھی قرآن میں موجود ہے۔ بعض پیشین گوئیاں بالکل صاف ہیں۔ بعض اشارے ہیں۔

سب سے بڑھ کر معرکۃ الآرا پیشین گوئی کو تو میں بھول ہی گیا۔ روم کے غلبہ پانے کی پیشین گوئی۔ ملاحظہ کیجئے کتنی صاف پیشین گوئی ہے۔

عرب کے ایک جانب روم کی حکومت تھی اور ایک جانب فارس کی۔ ۵ سنہ نبوی میں یہ دونوں حکومتیں لڑ پڑیں۔ رومی چونکہ عیسائی اور اہلِ کتاب تھے، مسلمانوں کو اُن سے ہمدردی تھی اور اہلِ فارس (ایرانی) مشرک تھے،

Marfat.com

اِس لئے مشرکین کو اُن سے لگاؤ تھا۔ فارس نے روم پر فتح پائی اور رومی سلطنت بتاشے کی طرح بیٹھ گئی۔ مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں سے کہا۔ ہماری تمہاری لڑائی ہو تو تمہارا بھی یہی ہدڑا بن جائے۔ رومی اِس قدر کمزور پڑگئے تھے کہ فارس کی جن شرائط کو اُنھوں نے قبول کیا اُن میں ایک شرط یہ تھی کہ رومی ہزار باکرہ لڑکیاں ایرانیوں کے حوالے کریں گے۔ اور جس وقت رومی قاصد ایران کے دربار میں مصالحت کا پیام لایا تو خسرو (بادشاہ ایران) نے کہا کہ خود بادشاہ روم کو پا بزنجیر میرے تخت کے نیچے آکر کھڑا ہونا چاہیئے۔ اور اپنے مصلوب خدا کو چھوڑ کر سورج دیوتا کے سامنے سر جھکانا چاہیئے۔ اِس وقت یہ آیات نازل ہوئیں الٓمٓ۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰہِ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ وَعْدَ اللّٰہِ لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ وَعْدَہٗ۔

رومی قریب کی زمین میں مغلوب ہوگئے۔ وہ مغلوب ہونے کے چند (ہی) سال بعد پھر غلبہ حاصل کریں گے۔ اللہ ہی کے ہاتھ میں پہلے اور پیچھے (جتانے) کا کُل اختیار ہے۔ (جس روز رومی جیتیں گے) اُس روز اللہ کی نصرت سے مُسلمانوں کو خوشی حاصل ہوگی۔ اللہ جس کی چاہے مدد کرے۔ وہ غالب رحم والا ہے۔ (یہ) اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف

نظام المشائخ ۔ کراچی
اپریل ۱۹۵۷ء
Marfat.com

نہیں کیا کرتا۔

اِس پیشین گوئی کو سُن کر کفار نے مذاق اُڑایا اور کہا شرط لگا لو۔ پیشین گوئی صحیح نکلے تو اتنے اونٹ ہم دیں گے ورنہ تم دینا۔ تمہارے اللہ میاں نے میعاد مقرر کر ہی دی ہے۔

انگریز مورخ گبن لکھتا ہے:۔ "شہنشاہ روم، جو اس شکست سے قبل سُستی، عیاشی اور اوہام میں مبتلا رہتا تھا اور رعایا کے مصائب کا تماشہ دیکھا کرتا تھا، دفعتہً اُس کی طبیعت بدلی اور روم کی عزت بچ گئی ——— عین اُس وقت جبکہ ایرانیوں کو فتح پر فتح ہو رہی تھی محمدؐ نے (وحی الٰہی کی بنا پر) ایسی پیشین گوئی کرنے کی جرأت کی، جس سے زیادہ دُور از قیاس پیشین گوئی اُس وقت اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی"۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بِضۡعِ سِنِيۡنَ کا مطلب "دس سال سے کم" فرمایا تھا۔ چنانچہ نویں سال اِدھر مسلمانوں نے کفارِ مکہ کو ہرایا اُدھر خبر آئی کہ رومیوں نے ایرانیوں کو بھگا دیا۔

اِس پیشین گوئی کے پورا ہونے سے قریش کے کافی آدمی ایمان لے آئے تھے۔

قرآن مجید میں اِن آیات اور نشانیوں کا بھی ذکر ہے کہ (۱) اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں سے ہاتھیوں اور ہاتھی نشین فوج کو ہلاک کرا دیا۔ یہ واقعہ

حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیدائش سے چند دن پہلے کا ہے۔ یہ حضورؐ کے ظہور کا اشارہ تھا۔ ابرہتہ الاشرم خانہ کعبہ ڈھانے آیا تھا۔ ڈھا جاتا تو نقصان حقیقتاً معمار خانہ کعبہ کے جانشین کا ہوتا۔ خانہ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چیز ہے اور حضورؐ اُس کی حفاظت کے کفیل تھے۔ حضورؐ کو اُسے پاک اور صاف کرنا اور سنبھالنا تھا۔ حضورؐ کی وجہ سے اللہ تعالٰے نے یہ کرشمہ دکھایا کہ ابابیلیں کنکریاں برسا کر ہاتھیوں اور ہاتھی نشینوں پر غالب آگئیں۔ جب سورۂ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ نازل ہوئی تو اس واقعہ کی تصدیق کرنے والے مسلم وغیر مسلم زندہ تھے۔ کسی نے واقعہ کی تکذیب نہیں کی۔ اور یہ تو کون کہہ سکتا تھا کہ اللہ تعالٰے نے خانہ کعبہ کو اس لئے بچایا تھا کہ اُس میں تین سو ساٹھ بُت رکھے ہوئے تھے۔

(۲) ہجرت سے قبل جو سازش کفار نے حضورؐ کے قتل کے لئے کی تھی تو کوئی مسلمان سازش کے وقت کفار کے پاس نہیں بیٹھا تھا۔ اور کفار خود آ کر کہنے سے رہے تھے۔ پھر حضورؐ کو کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ ارادے ہیں۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے:-

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَ يَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ یاد کرو وہ وقت جب کفار تمہارے ساتھ داؤں کر رہے تھے تاکہ تمہیں قید کریں۔ یا قتل کر دیں۔ یا گھر سے نکال دیں۔ (اُدھر) وہ تدبیریں سوچ رہے تھے اور (اِدھر) اللہ تدبیر کر رہا

تھا - اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

(۳) ہجرت کا یہ واقعہ بھی معجزہ ہی تھا کہ کفّار غار ثور کے مُنہ پر جا کھڑے ہوئے - ذرا نیچی گردن کرکے دیکھتے تو کھوج لگا لیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ گھبرا گئے۔ لیکن حضورؐ نے فرمایا:- لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا- ڈرو مت (ہم صرف دو نہیں ہیں) اللہ بھی ہمارے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے اس جملے کو قرآن مجید میں محفوظ کر دیا ہے۔

حضورؐ ہجرت کے قصد سے نکلے تو مکان کے چاروں طرف کفّار کا پہرہ تھا۔ لیکن حضورؐ نکل گئے اور کفّار کی آنکھوں پر پردے پڑ گئے۔

(۴) مکّے سے بیت المقدّس تک ایک شب میں سفر۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی- پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندے کو خانہ کعبہ سے بیت المقدس ایک رات میں لے گیا۔ (حالانکہ دونوں مقامات کا فاصلہ اُس زمانے میں مہینوں کا تھا)

(۵) اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ o قیامت کی گھڑی قریب آگئی اور چاند شق ہوگیا - اور اگر یہ کافر کوئی نشانی دیکھیں تو اُس سے مُنہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو تو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ یہ آیت معجزہ شق القمر کے متعلق ہے۔

Marfat.com

نظام المشائخ ۔ کراچی

یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ قرآن نے دعوے کیا کہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ۔ اللہ کفار سے تمہیں محفوظ رکھے گا ۔ وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا ۔ اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کیے بیٹھے رہو ۔ تم ہماری آنکھوں کے سامنے ہو (ہم تمہیں گزند نہیں پہنچنے دیں گے) اِنَّ رَبَّکَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۔ تمہارے پروردگار نے کفار کو (ایسا) گھیر رکھا ہے کہ (اُن کے لئے ممکن نہیں ہے کہ تم پر دسترس پائیں) قرآن کا یہ دعوے سچا رہا ۔ حضور ؐ کے خلاف کیا کیا سازشیں نہ کی گئیں ۔ کیا کیا منصوبے نہ گانٹھے گئے ۔ کھانے میں زہر دیا گیا ۔ سوتے میں قتل کا اہتمام کیا گیا ۔ چھپ چھپ کر حملے کئے گئے ۔ کھل کھل کر زغے میں لیا ۔ لوگ تلواریں زہر میں بجھا بجھا کر مارنے پہنچے ۔ لیکن اللہ کے فضل سے حضور ؐ سلامت رہے ۔

غرضکہ ایسے معجزات قرآن مجید میں کافی ہیں اور احادیث میں تو بے شمار ہیں ۔ لیکن اللہ تعالے اِن معجزات کو اتنی اہمیت نہیں دیتا جتنی خاص قرآن[لے] کے مستقل اور دوامی معجزے کو دیتا ہے اور

لے حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا:۔ کوئی پیغمبر نہیں ہے جسے نبوت کی نشانی نہ ملی ہو ۔ مجھے قرآن ملا ہے ۔ اور قرآن میں ہے :۔ اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتاب یتلی علیھم ۔

(باقی صفحہ ۲۴۶ پر)

اپریل ۱۹۵۶ء

Marfat.com

حضور ؐ کی قبل نبوت زندگی کو دیتا ہے۔

قرآن مجید کے متعلق ارشاد ہے:- وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۔ یہ (ہدایت نامہ) جو ہم نے اپنے بندے (محمد صلعم) پر اتارا ہے اس کی صداقت میں اگر تمہیں شک ہے (اور تم سمجھتے ہو کہ اسے محمد صلعم نے خود تصنیف کر لیا ہے) تو (سیدھا حل یہ ہے کہ) تم قرآن جیسی (پوری کتاب نہیں، قرآن جیسی) ایک سورۃ تصنیف کر کے لے آؤ۔

یہ چیلنج سن کر کفار تلواریں نکال لائے مگر ایک سورۃ نہ لا سکے۔ اور سورہ طور میں تو سورۃ نہیں بات کا مطالبہ ہے۔ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ قرآن جیسی ایک بات پیش کرو۔ (شروع میں دس سورتیں لانے کو کہا تھا۔)

دوسرے انبیا کے صحیفے معجزہ نہیں تھے۔ قرآن مجید کی ہر آیت معجزہ ہے۔ قرآن مجید کا انداز کلام اور انداز بیان معجزہ ہے۔ قرآن مجید نے نظم و نثر کے درمیان ایک عجیب و غریب اسلوب ایجاد کیا اور فصاحت و بلاغت کا دریا بہا دیا۔ قرآن کے سامنے عرب کے شعرا کی زبانیں گونگی ہو گئیں اس وقت کے عرب شعرا کی۔ غیر عرب، غیر اہل زبان تو کیا مقابلہ کریں گے۔

بقیہ صفحہ ۲۴۵ - کیا کفار کو یہ نشانی کافی نہیں معلوم ہوتی کہ ہم نے تم پر قرآن نازل کیا ہے جو انہیں پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔

Marfat.com

پھر قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت ہی قرآن مجید کا اعجاز نہیں ہے۔ قرآن مجید کے مخاطب عہدِ نبوی سے لے کر قیامت تک کے لوگ ہیں اور قرآن مجید تنہا عرب کے لئے نہیں ہے، سارے عالم کے لئے ہے۔ فصاحت و بلاغت کا جواب دیتے تو اہلِ عرب ہی دیتے[۵]۔ لیکن قرآن کے حکمت و موعظت سے بھرے ہوئے بیانات ساری دُنیا کو چیلنج کر رہے ہیں کوئی بیان علمائے نفسیات کو چیلنج کرتا ہے۔ کوئی بیان ماہرینِ سیاست کو دعوت دیتا ہے۔ قرآن کے قوانین قانون دانوں کو پکارتے ہیں ؎

بہار اب جو دُنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پَود اسی کی لگائی ہوئی ہے

قرآن نے مزید نزولِ وحی سے دُنیا کو مستغنی کر دیا۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔

قرآن مجید نے دلوں کے وہ اسرار فاش کئے، جن تک انسانوں کی نگاہ خود کبھی نہیں پہنچی تھی۔

قرآن مجید کا سمجھنے کے بعد وہ اثر ہوتا ہے کہ کسی کتاب کا نہیں

---

[۵] سبعہ معلقہ والے لبید حضور ؐ ہی کے زمانہ کے شعرا میں نہیں تمام اگلے پچھلے عرب شعرا میں ممتاز ہیں، ایمان لانے کے بعد اُنھوں نے شعر کہنا چھوڑ دیا تھا اور کہا کرتے تھے کہ اللہ نے بقرہ اور آلِ عمران جیسی سورتیں سکھائی ہیں۔ اُن کے سامنے شعر کہنا زیب نہیں دیتا۔

Marfat.com

ہوتا - آدمی مسخر ہو جاتا ہے -

پھر قرآن مجید کے احکام اور ارشادات تو اعجاز ہیں ہی - قرآن نے کہیں اپنی تاثیر کی طرف توجہ دلائی ہے - کہیں اپنی یکسانی اور اپنے مضامین کے عدم اختلاف کو جتایا ہے -

قرآن کا ایک بیّن معجزہ یہ ہے کہ قریباً چودہ سو برس گزر چکے اور جوں کا توں محفوظ ہے اور وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْن (ہم قرآن کے محافظ ہیں) کی صداقت کو ثابت کر رہا ہے - اتنے عرصے کوئی ارضی اور سماوی کتاب اصلی حالت پر باقی نہیں رہی - اور ہمارا ایمان ہے کہ قرآن تا قیامِ قیامت باقی رہے گا اور اس کی جامعیت میں، اور اس کے زیر، زبر اور پیش میں فرق نہیں آئے گا - توراۃ، زبور اور انجیل اب اپنے پیروؤں کو راستہ دکھانے سے قاصر ہیں لیکن قرآن اپنے پیروؤں کی ہمیشہ رہنمائی کرتا رہے گا - قرآن وہ آفتاب ہے جو ڈوبنے والا نہیں ہے -

قرآن مجید حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اُمّی ہونے کا بار بار ذکر کرتا ہے اور رسالت سے قبل کی ناواقفیت کو بتاتا ہے - قرآن میں حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسٰےؑ تک کا جو حال ہے وہ حضورؐ کے علم میں کیسے آگیا - قرآن مجید نے گزرے ہوئے ایسے واقعات پیش کئے ہیں جنہیں حضورؐ بطور خود جان ہی نہیں سکتے تھے - ذٰلِک

Marfat.com

مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْآ اَمْرَهُمْ۔ یہ پچھلے زمانے کی باتوں کا علم ہم وحی کے ذریعہ دے رہے ہیں۔ تم اُن لوگوں کے پاس اُس زمانے میں نہیں تھے جب وہ باہم مشورہ کر رہے تھے۔ وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ کِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِکَ۔ تم تو رسالت سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اُسے لکھ سکتے تھے۔ مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ۔ تم کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کسے کہتے ہیں۔ تِلْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْکَ مَا کُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا۔ یہ پچھلے زمانے کی باتیں، جنھیں ہم تمھیں ذریعہ وحی بتلاتے ہیں، انھیں نہ تم جانتے تھے اور نہ تمھاری قوم جانتی تھی۔

مشرکینِ مکّہ نے حضورؐ کو شاعر، ساحر اور مجنون تو کہا لیکن حضورؐ پر یہ الزام کبھی نہیں لگایا کہ چھپ کر پڑھنا لکھنا سیکھ لیا ہے۔ یہ ضرور کہا کہ باہر کا فلاں آدمی قرآن لکھوا رہا ہے۔ چنانچہ قران نے اُس کا بھی جواب دے دیا کہ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ جس سے قرآن کو منسوب کیا جاتا ہے اُس کی زبان عجمی ہے۔

Marfat.com

یہاں تک مکّے کا قصّہ تھا۔ مکّے کا عجمی مکّے میں رہ گیا اور حضورؐ مدینے پہنچے تو وہاں یہودیوں اور عیسائیوں نے یہ کرنا شروع کیا کہ مسلمان ہو جاتے اور پھر ترکِ اسلام کا ڈھنڈورا پیٹتے۔ اسی تماش کا ایک عیسائی کہنے لگا بس میں جتنا لکھوا چکا اُس سے زیادہ محمدؐ کچھ نہیں جانتے۔ لیکن چونکہ وحی کا سلسلہ اس عیسائی کے ارتداد کے بعد جاری رہا، لہٰذا بات چلی نہیں حتّٰی کہ عیسائی مر گیا اور وحی برابر آتی رہی۔

حضورؐ کی قبل نبوت زندگی کو بھی قرآن نے بطور چیلنج پیش کیا ہے۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ میں نبوت کے دعوے سے پہلے (ایک دو نہیں، چالیس سال، قریباً) پوری عمر تم ہی میں بسر کر چکا ہوں۔ کیا تم (اتنا) نہیں سوچ سکتے (کہ مجھ جیسا شخص جس نے انسانوں کے معاملے میں عمر بھر جھوٹ نہیں بولا آخر عمر میں اللہ پر بہتان باندھے گا۔ وحی نہ آتی ہوگی اور کہے گا کہ وحی آتی ہے۔ کیا میری زندگی افترا پردازوں کی زندگی تھی۔ تم میری زندگی میں کوئی ادنٰے سے ادنٰے سقم بھی بتا سکتے ہو)

اِس چیلنج کا بھی جو اللہ نے اپنے رسولؐ سے قرآن میں دلوایا کفّار جواب نہ دے سکے۔ حضورؐ کی سیرۃ کے خلاف کسی کی زبان سے ایک لفظ نہیں نکلا۔ اور کسی نے کہنے کا ارادہ کیا تو دوسرے کفّار نے روک دیا کہ وہ بات کہو جو اُٹھائی اور بٹھائی جا سکے۔ جسے لوگ مان سکیں۔ فقط ایک چیز

Marfat.com

ہے، اُسے شہرت دو کہ محمدؐ کا اتباع کرنے سے بیٹے باپ سے، بیویاں شوہروں سے اور بھائی بھائی سے جُدا ہو جاتے ہیں۔ آپس کا اتفاق باقی رکھنا ہے تو محمدؐ کے قریب مت جاؤ۔

بہر حال قران اور سیرۃ سے متاثر ہونے والے سب نہیں تھے۔ زیادہ لوگ ایسے ہی تھے جو اِن روحانی و اخلاقی معجزات کے مقابلے میں حسی معجزات سے متاثر ہونے کی قابلیت رکھتے تھے۔ سب کا ذوق اور سب کا رجحان طبع یکساں نہیں تھا۔ مگر ذرا آجکل کے ذوق اور رجحان طبع کے ساتھ تو اس بات کو جوڑیئے کہ اللہ تعالےٰ ایک طرف حضور سرورِ کائنات سے حسی معجزے صادر کراتا جاتا ہے اور دوسری طرف معجزوں پر معجزے مانگنے والوں کو سمجھاتا ہے کہ معجزوں کے پیچھے مت پڑو۔ معجزے تو فقط متحیر اور مبہوت کر دیتے ہیں، تم ہماری تعلیم کے محاسن سے بہرہ ور ہو۔ یہ دیکھو کہ جو نظام زندگی تمہیں دیا جا رہا ہے وہ دلیل و برہان پر مبنی ہے یا نہیں۔ قرآنی دعوت کی بنیاد سر تا سر حکمت و بصیرت پر قایم کی گئی ہے۔ قران نے دنیائے مذہب میں نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔ یہ بات بذاتِ خود ایک معجزہ ہے۔

معجزات اور امکان معجزات کے متعلق چہ مےگوئیاں ہو سکتی ہیں، لیکن اس واقعے سے اختلاف ممکن نہیں ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے اہل وطن سے اُن عادات کو ترک کرنے کے لئے

Marfat.com

کہا جو اُن کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھیں۔ اُن عادات کی خرابی اُن ہی میں کے صرف ایک شخص کو کس نے سمجھا دی۔ حضورؐ نے اُن بتوں کی مذمت کی اور اُن بتوں کو توڑ پھینکنے کا وعظ کہا جن کی سارا عرب پرستش کرتا تھا۔ اِن بتوں کی ہیبت یکہ و تنہا، بے یار و مددگار، اور بے زر و بے پر انسان کے دل سے کس نے ہٹا دی۔

پھر یہ کیا ماجرا تھا کہ اس دعوت کو قبول کرنے والوں کے لئے حضورؐ کے پاس ظاہری بدلہ اور معاوضہ کچھ نہ تھا۔ پھر بھی لوگ اسے قبول کر رہے تھے۔ مصیبتیں اُٹھاتے تھے۔ بلائیں جھیلتے تھے۔ گھر سے بے گھر اور وطن سے بے وطن ہوتے تھے لیکن کھنچے چلے آتے تھے۔ مکّے کے تیرہ سال میں جنھوں نے اِسلام قبول کیا کس اُمید پر قبول کیا۔ اور فتح مکّہ سے پہلے تک بھی جنھوں نے اسلام قبول کیا اُنھیں ہی کون سی توقعات تھیں۔ وہ سود۔ قمار۔ لوٹ مار۔ سرقہ۔ ڈاکہ اپنے ایک ایک ذریعہ معاش سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور فاقے کرنے لگے تھے۔ آخر کیوں۔

دشمنانِ اسلام پروپاگنڈا کرتے ہیں کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا ہے۔ کیا بدر کے تین سو اُنیس مجاہد بھی شمشیر کے زور سے ایمان لائے تھے۔ فرمائیے یہ پہلے شمشیر زن کس شمشیر سے مسلمان ہوئے تھے۔

پھر اسے معجزہ اور کرشمہ ربّانی نہ کہئے گا تو کیا کہئے گا کہ نبوّت کے

Marfat.com

تیرہ سال مصائب میں گزرے اور دس سال حملوں کے دفاع میں۔ کوئی اور ہوتا تو تیرہ سالہ مصائب ہی سے بتاشے کی طرح بیٹھ جاتا۔ اور حملے بھی ہمت ہارنے کے لئے کافی تھے۔ ایسا نظر آتا ہے کہ پورا زمانہ نبوت مصیبتوں اور جنگوں کی نذر ہو گیا اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فقط مصیبتوں اور جنگوں ہی میں مبتلا رہے۔ لیکن حضور ﷺ اِن حالات کے باوجود وہ کام کر گئے کہ غیر نبی اطمینان کی حالت میں نہیں کر سکتا۔ حضور ﷺ نے اندھیرے کو اُجالے سے بدل دیا۔ روحانی اور اخلاقی انقلاب پیدا کر دیا۔ بندوں کا اللہ سے رشتہ جوڑ دیا اور انسانوں کو فرشتوں سے بڑھا دیا۔ حضور ﷺ کی احادیث ہی کو پڑھ کر دیکھئے۔ کس کا دماغ پُر آشوب حالات میں ایسی حکمت و موعظت کی باتیں سوچ سکتا ہے،

آجکل کمیونزم کا بڑا چرچا ہے اور لوگ اُس کے گرویدہ ہیں۔ ہم کمیونزم سے واقف نہیں کہ کیا چیز ہے۔ ایک فقرہ برنارڈ شا کا البتہ اُس کی بابت کہیں پڑھا تھا کہ اسلام سے خدا اور عاقبت خارج کر دئیے جائیں تو اسلام کا نظامِ حیات اور کمیونزم کا نظامِ حیات قریباً ایک ہے۔

افسوس لوگوں نے بعض فرضی معجزے حضور ﷺ سے منسوب کر کر کے حضور ﷺ کے حقیقی اور بے مثال معجزوں کو دبا دیا ہے۔ نادانوں کی یہ حرکت ایسا ظلم ہے جس کی بابت حضور ﷺ فرما گئے ہیں کہ جو مجھ سے غلط بات منسوب

کرے گا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے گا۔

دوسرے غلط قول و فعل تو حضورؐ سے منافقوں اور دشمنوں نے بھی منسوب کئے ہیں اور اسی لئے کئے ہیں کہ سچے اقوال و افعال کا چھانٹنا دشوار ہو جائے اور نور تاریکی میں چھپ جائے، یا حضورؐ کی زندگی ہدف مطاعن بن جائے، لیکن فرضی معجزے پھیلانا صرف نادان دوستوں کا کام ہے۔

ایسے واقعات کو بھی معجزات کے شوقینوں نے خواہ مخواہ معجزہ قرار دے لیا ہے۔ مثلاً حضورؐ حضرت جابرؓ کی عیادت کرنے گئے۔ حضرت جابر سخت بیمار تھے اور بے سُدھ پڑے تھے۔ حضورؐ نے اُن کے مُنہ پر پانی چھڑکا۔ اُنھیں ہوش آگیا۔ یہ واقعہ بخاری و مسلم میں ہے اور صحیح ہے۔ لیکن محض واقعہ ہے۔ معجزات کے شوقینوں نے اِسے معجزہ بنا ڈالا۔

مُسند امام احمد حنبل رحؒ میں ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کے گھر میں کوئی جانور پلا ہوا تھا۔ وہ یوں تو ہر وقت پھرتا رہتا تھا۔ مگر جب حضورؐ تشریف لاتے تو ایک جگہ بیٹھ جاتا تھا اور حضور تشریف لے جاتے تو پھر دوڑنا شروع کر دیتا تھا یہ معجزہ نہیں ہے۔ محدثین نے مندرجہ بالا دونوں واقعوں کو بطور معجزہ پیش نہیں کیا۔ لیکن کتب دلائل و فضائل

Marfat.com

میں پہلا واقعہ بھی بطور معجزہ درج ہے اور دوسرا واقعہ بھی بطور معجزہ درج ہے۔

صحابہ کرام رضؓ حضورؐ کے ایک ایک قول اور ایک ایک عمل کو یاد رکھتے تھے۔ ہمیں بھی انھیں تبرّک اور باعثِ برکت سمجھنا چاہیئے اور حرزِ جاں بنانا چاہیئے۔ لیکن ہر قول اور ہر عمل کو اس کی جگہ پر رکھنا چاہیئے۔ جس طرح ہدفِ مطاعن بنانے والی مَن گھڑت حدیثیں حضورؐ کے لئے موجبِ تکلیف ہیں اسی طرح معجزات کی تعداد بڑھانے سے بھی حضورؐ خوش نہیں ہوں گے۔ ناراض ہوں گے۔ خوشی کی صورت تو فقط ایک ہی ہے کہ حضورؐ کے احکام کی تعمیل کی جائے اور حضورؐ کے لائے ہوئے اسلام کا پابند ہُوا جائے۔ حضورؐ کا وقار معجزوں کی تعداد بڑھانے سے نہیں بڑھ سکتا۔ حضورؐ کا وقار اس میں ہے کہ اُن کے نام لیوا احکام اسلام کا کتنا خیال کرتے ہیں اور نظام اسلام کو کہاں تک عملی جامہ پہناتے ہیں۔ اسلامی نظام اگر عملاً متشکل ہو جائے تو وہ حضورؐ کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ اُس معجزہ کے آگے دُنیا ایک دفعہ سر جُھکا چکی ہے۔

معجزوں کی تعداد بڑھانی ہے تو قرآن مجید اور حضورؐ کی سیرۃ پر غور و تدبر کر کے بڑھائیے۔ قرآن مجید کے ایک دعوے اَللّٰہُ .... یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ[1] کا اعجاز بالکل نیا پاکستان کے مشہور و معروف عالم مولانا

---

[1] عورت کے رحم میں لڑکا ہے یا لڑکی اس کا علم اللہ ہی کو ہوتا ہے۔

Marfat.com

احتشام الحق صاحب کی زبانی حال میں سُنا۔

کسی مسلمان ڈاکٹر نے مولانا احتشام الحق صاحب سے کہا کہ عکس ریز (X-RAY) کے ذریعہ جسم کی ہر اندرونی چیز دیکھ لی جاتی ہے۔ لیکن عکس ریز یہ نہیں بتا سکتا کہ عورت کے رحم میں کیا ہے۔ لڑکا یا لڑکی عکس ریز سے بڑھ کر کوئی آلہ ایجاد ہو جائے تو وہ بھی یہ نہیں بتا سکے گا۔ کیونکہ رحم کے اندر بچّہ کی نشست اس طرح ہوتی ہے کہ اعضائے جنسی چُھپے رہتے ہیں۔

اَللّٰہُ .... یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ کی صداقت کا یہ ایسا ثبوت ہے جو ڈاکٹر ہی پیش کر سکتا تھا۔

اسی طرح جنرل محمد اکبر خاں نے حضور ؐ کے غزوات کو فنّی کسوٹی پر کسا تو معلوم ہوا کہ حضور ؐ آجکل کے اعلیٰ ترین کمانڈروں سے فایق تھے۔ فن جنگ کی تعلیم و تربیت نہ پانے کے باوجود فن جنگ میں اتنا کمال یقیناً معجزہ ہے اور اس کا کھوج غیر جنرل نہیں لگا سکتا تھا۔

ہر فن کا آدمی اپنے فن کی روشنی لے کر قرآن مجید اور حضور ؐ کی سیرۃ پر غور و تدبّر کرے تو بے شمار معجزے مل سکتے ہیں۔ معجزوں کی کمی نہیں ہے، قرآن و سیرۃ کو جتنا رگڑو گے قرآن و سیرۃ کی چمک بڑھتی چلی جائے گی۔

پچھلے دنوں چاند کے سفر کا ارادہ رکھنے والے سائنسدانوں کی سالانہ

Marfat.com

کانفرنس ہوئی تھی۔ اُس کی رپورٹ کا مندرجہ ذیل ٹکڑا حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنے اخبار صدق جدید (لکھنؤ) مورخہ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۵۶ء میں شائع کیا ہے :۔

"جرمن سائنسداں پروفیسر لتانگر نے آئینسٹائن کے نظریۂ اضافت کا حوالہ دے کر سامعین کو یاد دلایا کہ زمین کے گرد کے کرۂ ہوائی کو طے کرنے کے بعد ایتھر کی خلا میں پہنچئے تو وقت کا معیار اس قدر بدل جاتا ہے کہ وہاں کا ایک سکنڈ ہمارے ایک سال کے برابر ہوتا ہے۔ وہاں ہمارے زمینی سال سکنڈوں میں ختم ہوتے ہیں۔ اور وہاں کا ایک دن زمینی انسانوں کے اوسط عمر کے برابر ہوتا ہے۔ اس لئے چاند کے سفر کرنے والوں کے دو دن بھی اگر خلائے سفر میں صرف ہوئے تو زمینی معیار سے گویا دو عمروں کی مدت صرف ہو جائے گی"

ماہرین سائنس میں سے کسی نے اِس بیان سے اختلاف نہیں کیا۔ سب متفق رہے۔ اب آپ قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائیے :۔

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔

(تحقیق تیرے رب کے ہاں ایک دن تمہاری گنتی کے حساب سے ہزار برس جتنا ہے)

نظام المشائخ۔ کراچی
۹
مئی ۵۷ء

Marfat.com

ہے۔ سائنس دانوں کے بیان کے بعد تو قرآن کے معجزہ ہونے میں شک باقی نہیں ہے؟

اِس نوع کے بیانات کی پیشین گوئی بھی قرآن مجید میں موجود ہے:۔ سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (عنقریب ہم اُن کو اپنی نشانیاں آفاق میں اور (خود) اُن کے نفسوں میں دکھائیں گے۔ حتّٰی کہ ظاہر ہو جائے گا اُن پر حق)

Marfat.com

نظام المشائخ - کراچی

اِسلام اور عورت

اِسلام سے پہلے عورت ذات مرد کی اِس طرح مِلک سمجھی جاتی تھی جس طرح مویشی مِلک ہوتے ہیں۔ مرد کے مرنے کے بعد اُس کی عورتوں کو بطور جائداد منقولہ تقسیم کیا جاتا تھا۔ سوتیلی مائیں حصّے میں ملتی تھیں تو سوتیلے بیٹے اُنھیں بیوی گردان لیتے تھے۔ بیویوں کی تعداد مقرر نہیں تھی۔ مرد جتنی بیویاں چاہتے تھے کر سکتے تھے اور جو سلوک اُن کے ساتھ کرنا چاہتے تھے کرتے تھے۔ کسی نوع کی روک ٹوک مرد کے لئے عورت کے معاملے میں نہیں تھی۔

مرد ایک دوسرے کی بیویوں سے متمتع ہو سکتے تھے اور اسے نیوگ کہتے تھے۔

اسلام نے جن عورتوں سے نکاح حرام قرار دیا ہے وہ یہ ہیں :-
(۱) ماں۔ (۲) بیٹی۔ (۳) سگی بہن۔ (۴) سگی پھوپی۔ (۵) سگی بھتیجی۔ (۶) سگی خالہ۔ (۷) سگی بھانجی۔ (۸) سوتیلی بیٹی۔ (۹) سوتیلی ماں۔ (۱۰) ساس

(۱۱) بہو۔ (۱۲) سالی (بیوی کی زندگی میں)۔ (۱۳) دودھ شریک رشتہ دار عورتیں اور (۱۴) جو عورتیں دوسروں کے نکاح میں ہوں۔

باقی تمام عورتوں سے نکاح حلال ہے۔ لیکن زنا کسی سے نہیں کیا جاسکتا۔ حکم ہے کہ "زنا کے قریب بھی مت جاؤ (مبادیات و مقدمات زنا سے بھی بچو)[۵] کیونکہ زنا (بے غیرتی اور) بے حیائی کی حرکت ہے اور (عورت مرد کے تعلق کا) برا (اور مکروہ) طریقہ ہے، وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَّسَاءَ سَبِیْلًا (القرآن)

اسلام سے پہلے مردوں نے یہی تسلیم نہیں کیا تھا کہ عورتوں کے اندر ہماری جیسی روح ہے۔ عورت بیٹی کی حیثیت سے باپ کی لونڈی تھی۔ بیوی کی

۵؎ آنکھیں زنا کرتی ہیں۔ آنکھوں کا زنا نظر بازی ہے۔ ہاتھ زنا کرتے ہیں۔ ہاتھوں کا زنا دست درازی ہے۔ پاؤں زنا کرتے ہیں۔ پاؤں کا زنا زنا کی خاطر کوچہ گردی کرنا ہے۔ زبان زنا کرتی ہے۔ زبان کا زنا ایسی باتیں کرنا یا ایسے انداز سے باتیں کرنا ہے کہ زنا کی تحریک ہو۔ دل زنا کرتا ہے۔ دل کا زنا زنا کی خواہش ہے۔

اسلام نے زنا کو جس قدر اہمیت دی ہے اُس کا تصوّر دوسری قومیں کیا، اب تو شاید مسلمان بھی نہیں کرسکتے۔ زنا کا غلط الزام لگانے پر اسلامی قانون اسّی کوڑے لگواتا ہے اور زنا کی سزا عورت مرد دونوں کے لئے سو سو کوڑے ہے۔ اور شادی شدہ ہونے کی صورت میں رجم۔ ——— حکم ہے کہ سزا دیتے وقت رحم نہ کھایا جائے۔ لوگ کوڑے لگتے اور رجم ہوتے دیکھیں، تاکہ سزا پانے والوں کی تکلیف بڑھ جائے اور سزا دیکھنے والے عبرت حاصل کریں اور اُن پر ہیبت طاری ہو جائے۔

Marfat.com

حیثیت سے شوہر کی لونڈی اور ماں کی حیثیت سے بیٹوں کی لونڈی۔ عمر کے ہر حصّے میں مرد کی محتاج اور دست نگر۔ بعض جگہ شوہر کے ساتھ اُسے مرنا تک پڑتا تھا۔ جب باپ کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی تھی تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا تھا۔ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُھُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْھُہٗ مُسْوَدًّا۔ (القرآن)

مردوں کی رائے میں عورت اخلاقی و روحانی پستی کا مجسّمہ۔ بدی کی جڑ۔ گناہ کی ماں۔ جہنّم کا دروازہ اور شیطان کا سب سے بڑا آلۂ کار تھی۔ مرد اِس بات پر شرماتے تھے کہ وہ عورت کے بطن سے پیدا ہوتے ہیں۔ عورت سے نکاح کا تعلق بھی اتنا ناپاک سمجھا جاتا تھا کہ مسیحی اُس دن کسی مذہبی تہوار میں شرکت نہیں کرتے تھے جس کی شب وہ بیوی کے ساتھ گزار چکے ہوں۔

اسلام نے اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔ (حدیث) نکاح میری سنت ہے جو اِس سنت سے اعراض کریگا وہ میری جماعت کا فرد نہیں رہے گا۔[۱] ....

---

[۱] ایک اور حدیث ہے کہ تمہیں نکاح کرنا چاہیئے۔ نکاح آنکھوں کی بدنظری روکنے اور شرمگاہ کی حفاظت کی بہترین تدبیر ہے۔ جو نکاح کی مقدرت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے۔ روزہ خواہشِ نفسانی کو دباتا ہے۔ اسلام نے صنفی خواہش کا قلع قمع نہیں کیا ہے۔ مگر صنفی انتشار کا قلع قمع کر دیا ہے۔ بے راہ روی کا کوئی دروازہ کُھلا نہیں چھوڑا۔

نظام المشائخ۔ کراچی　مئی ۱۹۵۸ء

Marfat.com

اور لَا رُھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ (حدیث) اسلام میں رہبانیت نہیں ہے، دو جملوں سے اِن تمام خرافات کا خاتمہ کر دیا۔ اور ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ (القرآن) عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم عورتوں کے لباس ہو کہہ کر عورتوں کو مردوں کے برابر لا بٹھایا۔

اسلام میں عورتوں اور مردوں کے دائرہ عمل اور فرائض ضرور مختلف ہیں۔ مثلاً مسلمان مرد کے ذمے کمانا ہے اور مسلمان عورت کے ذمے گھر چلانا۔ اولاد کو سنبھالنا۔ خاندان کی ذمہ داریوں کا بوجھ اُٹھانا۔ مرد جن کاموں کا اہل ہے اسلام نے وہ مرد کو سونپے ہیں اور عورتیں جن کاموں کی اہل ہیں وہ عورتوں کے سپرد کئے ہیں۔ اسلام نے اخلاقی مرتبہ اور انسانی حقوق کے اعتبار سے عورتوں اور مردوں کو یکساں کر دیا ہے لیکن تمدنی زندگی میں اسلام دونوں سے یکساں کام لینے کی اجازت نہیں دیتا۔ عورت گھر کی حاکم ہونے کے قابل تھی اُسے گھر کی حکومت بخشی[1]۔ مرد گھر سے باہر کا حاکم بن سکتا تھا اُسے گھر سے باہر کی حکومت عنایت فرمائی[2]۔ اسلام اس کے خلاف ہے کہ

---

[1] اَلْمَرْاَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰی بَیْتِ زَوْجِھَا وَھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی حکمراں ہے اور (حکمرانی میں) اپنے عمل کی جواب دہ ہے (حدیث بخاری)

[2] اَلرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَھْلِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ۔ مرد اپنے اہل و عیال پر حکمراں ہے اور (حکمرانی میں) اپنے عمل کا جواب دہ ہے۔ (حدیث بخاری) اور اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ۔ مرد عورتوں کے سر دھرے ہیں۔ (القرآن)

(باقی صہ ۲۶۳ پر)

عورت ذات نسوانی صلاحیتیں کھو بیٹھے۔ جنس تبدیل کرلے[1]۔ گھر کے کام عورت کے واسطے تھوڑے نہیں ہیں جو وہ مرد کا ہاتھ بٹانے باہر نکل آئے۔ مرد عورت کے فرایض انجام نہیں دیتا تو عورت مرد کے فرایض کیوں انجام دے۔ اگر کوئی مرد عورت سے کہتا ہے کہ تو اپنے فرایض کو ٹھکرا اور میرے فرایض سنبھال تو وہ مرد ظالم اور بے انصاف ہے۔ اسلام نے عورت پر نماز جمعہ اور جہاد فرض نہیں کیا۔ جنازوں کی شرکت اور مسجدوں کی حاضری اُسے معاف ہے۔ نکاح کرسکنے کی عمر ہو اور محرم مرد ہمراہی کو نہ ملے تو حج تک معاف یا ملتوی۔ المرأة کالضلع ان اقمتها کسرتها وان استمتعت بها استمتعت بها وفیها عوج (حدیث بخاری)

15 اسلام عورت اور مرد کا اختلاط پسند نہیں کرتا۔ اسلام نے پردے کے ذریعہ یہ اختلاط روک دیا ہے۔ اور پردہ چونکہ گھر کی ملکہ ہی کرسکتی تھی

(بقیہ صـ۲۶۲) قوّام کے معنی زیادہ عزت والے نہ سمجھنے چاہئیں۔ زیادہ عزت والے اور عزت والیاں تو وہ ہیں جو زیادہ متّقی ہیں۔ بغیر تقوے کے اسلام میں بادشاہ بھی عزت کا مستحق نہیں ہے۔ عام عورتیں اور عام مرد کیا ہوں گے۔

[1] جنس تو خیر اللہ ہی بدل سکتا ہے۔ مگر آجکل مغربی اور مغرب زدہ عورتوں کو مرد بننے کا شوق بے حد ہو گیا ہے۔ اور نہیں تو عورتیں مردوں کا لباس ہی پہن لیتی ہیں۔ حالانکہ مرد کوئی عورتوں کا لباس نہیں پہنتا۔ عورت ذات کے دل میں خود اپنی اہمیت نہیں رہی ہے۔ عورتیں سمجھتی ہیں کہ وہ عزت اور اہمیت مرد بن کر ہی

نظام المشائخ۔ کراچی
...
Marfat.com

پردہ عورت ذات[۵۰] کو کرایا گیا ہے اور اُسی سے کہا گیا ہے کہ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھو۔ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ (القرآن)۔ مگر مسلمان عورت ضرورت کے وقت[۵۱] حیاداری اور ستر پوشی کی سپر لے کر باہر بھی نکل سکتی ہے۔ چند شرائط کے ساتھ نماز پڑھنے مسجد میں جا سکتی ہے۔ جنگ کے زخمیوں کو پانی پلا سکتی ہے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کر سکتی ہے۔ علم سیکھ سکتی ہے۔ علم سکھا سکتی ہے۔ بس مردوں میں رَل مِل نہیں سکتی۔ تبرّج جاہلیہ[۵۲] نہیں کر سکتی۔ لوگوں کو اپنی ادائیں اور اپنی زینت و آرائش دکھانے کے لئے ماری ماری نہیں پھر سکتی۔ اسلام عورت مرد کے رلنے ملنے کے گندے نتائج سے بچانا چاہتا ہے۔ لکل دین خلق وخلق الاسلام الحیا[۵۳]۔ ہر دین کا ایک اخلاق ہوتا ہے اور اسلام کا اخلاق حیا ہے (حدیث)۔ اسلام ایسی نوبت نہیں آنے

---

۵۱ قَدْ اُذِنَ اللہ لَکُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِکُنَّ اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے کہ تم اپنی ضروریات کے لئے گھر سے نکلو۔ (حدیث بخاری)

۵۲ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى

۵۳ حیا پر اسلام نے اس قدر زور دیا ہے کہ میاں بیوی کو بھی ایک دوسرے کے سامنے بالکل ننگا ہو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ گدھے اور گدھی کی طرح ننگے نہ ہو جایا کرو۔ تنہائی میں بھی ننگا رہنا گناہ ہے۔ اور کوئی نہیں دیکھتا تو اللہ تو دیکھتا ہے اور اللہ اس کا سب سے بڑا حق دار ہے کہ اُس سے حیا کی جائے۔ اللہ احق ان یستحیی منہ۔ (ترمذی)۔

(باقی بر صـ ۲۶۵ پر)

دینی چاہتا کہ مسلمان عورتیں مغربی عورتوں کی لیڈر ژورژساں
(George Sand) کی طرح کہنے لگیں کہ "پھول کی خوشبو دس بیس
آدمی سونگھتے ہیں۔ عورت بھی ایک کی بجائے زیادہ آدمیوں کا دل خوش
کردے تو مضایقہ کیا ہے"۔ اور مرد الکسا ندرے دوما (Alexander
Dumas)۔ الفرے ناکے (Alfred Naquet)۔
پول اداں (Paul Adam)۔ پیر لوئی (Pierre
Louis)۔ اور پیر وولف (Pierre Wolff) کی
طرح پکار اُٹھیں کہ "لطف زندگی کو ضابطوں قاعدوں سے جکڑنا زیادتی
ہے، جو محبت کے مندر میں ایک ہی بُت کی پُوجا کئے جائے وہ نادان

(بقیہ صہ ۲۶۴) حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جو عورتیں کپڑے پہنکر بھی ننگی رہیں اور غیر مردوں کو رجھائیں اور خود اُن پر ریجھیں اور بختی اونٹ کی طرح گردن ٹیڑھی کرکے چلیں وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی۔ وہ جنت کی بُو تک نہیں سونگھ سکیں گی۔ (مُسلم) تفسیر کبیر میں وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ کی تفسیر کے تحت لکھا ہے کہ قبل اسلام عرب عورتیں ایسا لباس پہنتی تھیں کہ اُن کا سینہ آدھا یا دُکھلا رہتا تھا اور بازو۔ کمر اور پنڈلیوں کو بھی عرب عورتیں قریب قریب عریاں رکھتی تھیں گویا آجکل کے حساب سے قبل اسلام کی عورتیں ترقی یافتہ، مہذب اور شایستہ تھیں۔ لیکن اسلام کہتا ہے کہ وہ مرد ملعون ہے جو مرد کے ستر پر بھی نظر ڈالے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص بے حیا ہے وہ ہمارے کسی کام کا نہیں ہے۔ مُردے تک کی ران پر نظر ڈالنے کی ممانعت ہے۔ مرد کا ستر ناف اور گھٹنے کے درمیان ہے اور عورت کا ستر سارا جسم ہے بجز چہرے اور ہاتھوں کے اور اس حصے کے جو اتفاقاً

(باقی صہ ۲۶۶ پر)

Marfat.com

ہے۔ بندشیں انسانی ذہن اور دماغی قوت کے نشوونما میں حائل ہوتی ہیں۔ بہن اور بیٹی سے بھی یہ مطالبہ نہ کرنا چاہیئے کہ محبت کئے بغیر بوڑھی ہو جاؤ۔ ان دقیانوسی باتوں کو بھول جانا مناسب ہے کہ وفاداری اور عصمت مآبی ضروری چیزیں ہیں اور صنفی خواہش کو نکاح کے علاوہ کسی صورت سے پورا نہیں کیا جا سکتا۔" نیز اسلام یہ نوبت نہیں آنے دینا چاہتا کہ فرانس کی طرح اعلان کیا جائے کہ "قوم کی گود میں لڑنے کے لائق نوجوان تھوڑے ہیں۔ یہ نوجوان اپنے تئیں بھینٹ چڑھا کر اس جنگ سے ممکن ہے عہدہ برآ ہو جائیں، لیکن دوسری جنگ کے لئے نوجوان کہاں سے آئیں گے۔ لہذا رسمی قیود کی پرواہ مت کرو۔ بچے جنو اور جنواؤ۔ ہر کنواری اور بیوہ جو وطن کی خاطر اپنا رحم بطور رضا کار پیش کرے ملامت کی نہیں عزت کی مستحق ہے" اور انگلستان کی مس مارگاہنتا مالاسکی کی طرح برملا کہا جائے کہ" اپنے منگیتر سے قبل عقد تعلقات جنسی قایم کر لینے میں کیا برائی ہے"۔

یورپ اور امریکہ بہ یک وقت چار بیویاں رکھنے کو تو بُرا سمجھتا ہے

(بقیہ صہ ۲۶۵) یا ضرورتاً کھُل جائے۔ عورت باپ بھائی کے سامنے بھی بے حیائی کے ساتھ نہیں آسکتی اور ایک دوسرے کا ستر نہیں دیکھ سکتی۔ غیر محرموں کے سامنے چہرہ اور ہاتھ بھی حتی المقدور نہیں کھُلنے چاہئیں۔

لیکن بغیر نکاح کے لاتعداد عورتوں سے تعلق رکھنا یورپ و امریکہ کو قبول ہے۔ بغیر نکاح کے جو مرد جس عورت سے چاہے اور جو عورت جس مرد سے چاہے تعلق کرلے۔ لاتعداد نکاح بھی کئے جاسکتے ہیں مگر اس طرح کہ نکاح کئے جائیے اور طلاق دیئے جائیے۔ امریکہ کے ادب پتی ٹامی مینولے نے حال میں سترھواں یا اٹھارواں بیاہ رچایا ہے اور امریکن خاتون بلٹی کیلا موسا نے بارھواں یا تیرھواں۔ خیر سے اس خاتون کی عمر ابھی چالیس سال ہے۔ چھٹے مہینے شوہر بدل ڈالتی ہے۔ ہالی ووڈ میں تو شوہروں کی تبدیلی داخل فیشن ہوگئی ہے۔

اسلام نے عورت ذات کو اتنا اونچا کیا ہے کہ مسلمان کی جنت ماں کے قدموں کے نیچے بتائی ہے۔ باپ کے قدموں کے نیچے نہیں، ماں کے قدموں کے نیچے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کسی صحابی رضؓ نے پوچھا کہ میرے حُسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ماں۔ صحابی نے پوچھا۔ پھر کون، جواب دیا۔ ماں۔ صحابی نے تیسری دفعہ پوچھا۔ پھر کون۔ تیسری دفعہ بھی جواب ملا۔ ماں۔ چوتھی دفعہ پوچھنے پر حضورؐ نے فرمایا۔ اب باپ۔

بیوی کے متعلق حدیث ہے کہ دنیا کی نعمتوں میں نیک بیوی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے، لیکن اسلام عورتوں سے یہ توقع نہیں

Marfat.com

رکھتا کہ وہ فرانس کی ڈائنیں بن جائیں۔ بچے پیدا نہ کریں اور بچے پیدا ہو جائیں تو اُنھیں پانی میں ڈبو کر، گلا گھونٹ کر۔ دیوار سے ٹکرا کر اور تالو سے زبان کھینچ کر مار ڈالیں۔ یا بچہ اپنی موت مرے تو خوشی منائیں۔ ناچیں کودیں۔ گائیں اور کہیں "آئندہ بچہ قطعی نہیں جنوں گی۔ کم بخت نے میری اور میرے شوہر کی زندگی خراب کر دی تھی، ہر وقت کی ٹُوں ٹُوں ہر وقت کا پیشاب، پیخانہ۔"[۱]

---

[۱] اِس قسم کے واقعات کی فرانس میں مثالیں موجود ہیں اور ان جرایم کی فرانسیسی عدالتوں نے کوئی سزا نہیں دی تھی۔ ایک فرانس کیا اُن تمام مغربی ممالک کا جن کی نقل کرنا آجکل مشرقی ممالک فخر سمجھتے ہیں، یہی حال ہے۔ مشرقی ممالک مغربی ممالک کی نقل صرف اُن ہی باتوں میں کر رہے ہیں، جنھوں نے مغربی ممالک کو اِس نوبت تک پہنچا دیا ہے۔ مغربی ممالک کی اچھی باتوں کی مشرقی ممالک نقل نہیں کرتے۔ مشرقی ممالک کا معیار ترقی اب غالباً یہ ہے کہ لوگ دق کی بجائے آتشک سے مرنے لگیں،

مغربی ممالک نے عورتوں مردوں کو خلط ملط کر کے جو نقصان اُٹھایا ہے اُس کے اعداد و شمار اور واقعات مغربی مصلحین ہی کے ذریعہ ہمارے پاس پہنچتے ہیں۔ نیز یہ بات بھی علمی اور سائنٹیفک طور پر مغربی عالموں اور سائنٹسٹوں ہی نے ثابت کی ہے کہ عورت کی جسمانی ساخت ایسی ہے کہ اُس کے فرایض مردوں کے فرایض سے یقیناً مختلف ہونے چاہئیں۔ لیکن

(باقی ص ۲۶۹ پر)

Marfat.com

اسلام جذبہ مادری کے بقا کا خواہشمند ہے۔ خاندانی زندگی سے نفرت اور ازدواجی ذمہ داریوں سے بیزاری اسلام کے نزدیک مستحسن نہیں ہے۔ اسلام عورت ذات سے خاندان کے نظم کا طالب ہے اور چاہتا ہے کہ عورت مرد دونوں ازدواج کے رابطے اور تقدس کو برباد نہ ہونے دیں۔ خاندانوں کی تنظیم حقیقتاً پوری قوم کی تنظیم ہے اور یہ تنظیم ازدواج کے رابطے اور تقدس کے بغیر محال ہے۔ انسان کی فطرت اور حیوانوں

(بقیہ صہ ۲۶۸) مغربی علما اور مغربی مصلحین اصلاح حال کے لئے آج بھی تنہا اپنی عقل پر انحصار کر رہے ہیں اور وحی الٰہی سے راہ نمائی نہیں لیتے، وہ گندگی دُور کرنے کی کوشش میں گندگی لتھیڑتے اور پھیلاتے چلے جاتے ہیں۔ اُنھوں نے مرض کو پا لیا ہے مگر علاج اُنھیں نہیں ملا۔ رہے مغرب کے مشرقی پیرو تو ان کو ابھی نہ مرض کا احساس ہے اور نہ علاج کی خبر ہے۔ یہ تو ابھی اس نوع کے بگاڑ کی ابتدائی منزل میں ہیں اور تباہی کے رخ آنکھیں بند کئے بہے جا رہے ہیں۔ ان کے ہاں اصلاح کا سوال ابھی پیدا نہیں ہوا۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا۔ تم ضرور اپنے سے قبل کے لوگوں کے قدم بہ قدم چلو گے۔ حتّٰی کہ وہ گوہ کے سوراخ میں گھسیں گے تو تم بھی گھس جاؤ گے۔ پوچھا گیا، یا رسول اللہ! کیا قبل کے لوگوں سے مراد یہود و نصارےٰ ہیں۔ فرمایا۔ نہیں تو اور کون۔ یہ پیشین گوئی غالباً آج کل ہی کے لئے تھی۔

Marfat.com

کی طرح محض جنسی تعلق ہی کی خواہاں نہیں ہے کہ تعلق کیا اور پھر تو کون اور میں کون؟ نِسَآءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ (القرآن)۔ انسانی نر و مادہ میں کسان اور کھیتی کی نسبت ہے۔ کسان کا کام زمین میں بیج ڈال کر ختم نہیں ہو جاتا۔ انسانی نر و مادہ مخصوص تعلق سے زیادہ مستقل وابستگی اور مستقل ساتھ کے لئے ایک دوسرے کی طرف کھنچتے ہیں۔ انسان کو چونکہ متمدن بنانا تھا اللہ تعالیٰ نے عورت مرد کیا تمام رشتوں کے درمیان غیر معمولی کشش رکھی ہے۔ جانور اور جانور کے بچوں کے درمیان وہ کشش نہیں ہوتی جو انسان اور انسان کے بچوں کے درمیان ہوتی ہے۔ یہ گوشت کے لوتھڑے، ہر وقت روں روں اور ہر وقت گندگی پھیلانے والے لوتھڑے، پل نہ سکتے تھے اگر اللہ تعالیٰ انھیں مقناطیس کی سی کشش نہ عطا فرما دیتا۔ پل جانے کے بعد بھی انسان سے محبت کی جاتی ہے اور ماں باپ ہی نہیں، سب بزرگ اور سب خُرد محبت کرتے ہیں۔ جانوروں کی محبت چند دن رہتی ہے۔ پھر جانور پہچانتے بھی نہیں کہ کون ہمارا بچہ ہے اور کون ہماری ماں تھی۔

المختصر عورت اور مرد کا معاملہ خاندانوں اور قوم و ملک کی تنظیم کا معاملہ ہے اور اسلام نے اس بارے میں ایسی رہنمائی کی ہے کہ فقط یہی رہنمائی اسلام کی حقانیت کا کافی ثبوت ہے۔

Marfat.com

اسلام تجرّد کو پسند نہیں کرتا۔ ازدواج اسلام کے نزدیک اس قدر ضروری ہے کہ مجرّدوں کی بابت حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ میرے ساتھی نہیں ہیں۔ اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔ تجرّد خلاف اسلام ہے۔ لَا رُھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ۔ مگر نکاح کا منشا یہ ہرگز نہیں ہے کہ نکاح کو مقصود بالذات سمجھ لو اور نکاحوں ہی کے ہو کر رہ جاؤ اور نکاحوں کی سنت میں ایسے منہمک ہو کہ اور سنتوں کی سُدھ نہ رہے۔ دوسری ساری سنتیں بھول جاؤ۔

نکاح میں لذّت جس مقصد سے رکھی گئی ہے اور نکاح پر زور جس مقصد سے دیا گیا ہے وہ مقصد، جیسا کہ اوپر واضح کیا جا چکا ہے، قوم کو متمدّن اور منظّم بنانا ہے۔ مرد عورت ایک دوسرے سے روٹھ کر بیٹھ جائیں تو بھی تباہی ہے اور ایک دوسرے کے سوا کسی تیسرے سے غرض نہ رکھیں تو بھی تباہی ہے۔ اسلام اعتدال سکھاتا ہے۔ دنیا کی ہر شے کے استعمال میں اعتدال اسلام ہے۔ مسلمانوں نے روٹھنے کا تجربہ تو نہیں کیا لیکن حد سے متجاوز ہو جانے کا تجربہ مسلمان کر چکے ہیں۔ آج کی برسر اقتدار قوموں کی نفس پرستی اور خوش حالی ساتھ ساتھ دیکھ کر مسلمانوں کو غلط فہمی میں نہیں پڑنا

Marfat.com

چاہیئے۔ یہ غلط فہمی مسلمانوں کی مزید تباہی کا باعث ہو گی۔ برسراقتدار قوموں کی نفس پرستی بہ تدریج انھیں وہاں لے جا رہی ہے جہاں نفس پرست قومیں پہنچا کرتی ہیں۔

اسلام میں برہمچاری۔ سنیاسی اور رُہبان ہونا بُرا ہے مگر برعکس صورت اختیار کر لینا بھی بُرا ہے۔ فطری میلانات کے دبانے سے انسانیت دَب جاتی ہے اور فطری میلانات کے بھڑکانے سے انسانیت بھسم ہو جاتی ہے۔ سوختہ ہو جاتی ہے۔ مٹ جاتی ہے۔ اسلام عورت ذات کو اُس راستے پر ڈالتا ہے جس میں مرد سے تعلق کرنے کے نتائج کی تنہا عورت ذمّہ دار نہیں رہتی اور مرد ذات کو ہدایت کرتا ہے کہ جو بوجھ تو نے عورت کے سپرد کیا ہے اُسے تُو بھی اُٹھا۔ اِسی صورت کا نام نکاح ہے۔ نکاح سے بوجھ عورت مرد دونوں کے ذمّے پڑ جاتا ہے۔ نیز ہیجانی اور بے اعتدالی کی کیفیت نہیں رہتی۔ نکاح سے عورت مرد کا تعلّق پاکیزہ اور مقدّس چیز بن جاتا ہے پھر عورت کو مانع حمل طریقوں اور اسقاط کرانے کا خیال بھی نہیں آسکتا۔ نکاح مرد کے حق میں بھی نعمت ہے لیکن عورت کے حق میں یہ درجہا بڑھ کر نعمت ہے۔ اللہ اور اُس کے جملہ انبیا مستحق حمد و ستایش ہیں کہ اُنھوں نے نکاح کے ذریعہ مرد کو عورت

Marfat.com

کا پابند کر دیا۔ نکاح کی صورت میں مرد اُس بوجھ کو خوش ہو ہو کر اُٹھاتا ہے جسے نکاح کے بغیر وہ تنہا عورت کے سر ڈال دیا کرتا تھا۔ پھر اولاد نا خواندہ مہمان نہیں رہتی بلکہ خواندہ مہمان ہوتی ہے اور زیادہ سے زیادہ خواندہ بنائی جاتی ہے۔ ماں باپ کے تعاون سے اولاد کی تعلیم و تربیت کی جاتی ہے۔

اِسلام نے نکاح کی تاکید کی ہے اور بغیر نکاح کے عورت مرد کا تعلق حرام کیا ہے۔ اِسلام انسان کو ڈھور ڈنگر نہیں سمجھتا، اشرف المخلوقات سمجھتا ہے۔ اشرف المخلوقات کے شایانِ شان نہیں ہے کہ ڈھور ڈنگر کی طرح جہاں چاہے مُنہ مارتا پھرے۔

اِسلام مرد سے عورت کی عزت کراتا ہے۔ نامحرم عورت کو دیکھنا تک اسلام میں جائز نہیں ہے۔ حکم ہے کہ عورت کے پاس سے گزرو تو نگاہیں نیچی رکھ کر گزرو۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا اَبْصَارَهُمْ۔ (القرآن) عورت کے سامنے آنکھیں جھکا لینا اُس کی عزت ہے یا اُسے تاکنا اور گھورنا عزت ہے۔ اِسلام عورت تو عورت کسی چیز سے بھی، جو تمھاری نہیں ہے، متمتع ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔

عورت اور مرد میں فرق بس ایک ہے کہ عورت عورت ہے اور مرد مرد۔ عورت میں قابلیت ہے فاعلیت نہیں ہے۔ مرد میں فاعلیت ہے قابلیت نہیں ہے، عورت سراپا تاثر ہے اور مرد سراپا تاثیر ہے۔ اِس

حقیقت حال سے عورت گھٹیا کیونکر ہو جاتی ہے۔ عورت کی یہ توہین کیسے ہے دنیا کی جملہ چیزوں کے جوڑے ہیں۔ وَمِنْ کُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ (القرآن) ہم نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا کر کے پیدا کیا ہے۔ ہر جوڑے کے ایک فرد میں تاثر و قابلیت ہے اور دوسرے فرد میں تاثیر و فاعلیت۔ قوتِ فعل اور قوتِ انفعال کے فرق کی وجہ سے کسی اور نوع کے جوڑے کی بابت تو آپ نہیں سوچتے کہ مادہ گھٹیا اور ذلیل ہے اور نر بڑھیا اور معزز۔ صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ مادہ نازک ہے اور نر مضبوط۔ نسائیت نسائیت ہے۔ رجولیت رجولیت۔ نازک اور مضبوط دونوں پرزے کارخانہ عالم کو چلانے کے لئے ضروری اور اہم ہیں۔ البتہ ایسا نہیں کرنا چاہیئے کہ جسے جو قوت دی گئی ہے اُس سے وہ سلب کر لی جائے۔ مادہ کو نر اور نر کو مادہ بنا دیا جائے۔ یا کھیتی کو کسان اور کسان کو کھیتی سمجھ لیا جائے۔ نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ۔ دونوں پرزے یکساں ضروری اور اہم بے شک ہیں مگر یکساں نہیں ہیں۔ یکساں ہوں گے تو اثر قبول نہیں کریں گے۔ عالم کا کارخانہ نہیں چلے گا۔

انسان ہونے کی حیثیت سے جیسے حقوق مرد کے ہیں ویسے عورت کے ہیں۔ لَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ۔ (القرآن) البتہ جس طرح عورت پر نماز جمعہ اور جہاد فرض نہیں ہے اسی طرح مرد نکاح کے معاملہ میں عورت کی نسبت آزاد ہے۔ مسلمان مرد یہودی و نصرانی عورت سے نکاح کر سکتا ہے، مسلمان

عورت غیر مسلم مرد سے نکاح نہیں کر سکتی۔ اور مسلمان مرد سے نکاح کرنے میں بھی اُسے باپ بھائی کا مشورہ مرد کی نسبت زیادہ سننا پڑتا ہے۔ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ۔ لیکن باپ بھائی عورت کو اُس کی مرضی کے خلاف ہرگز نہیں جھونک سکتے۔ فیصلہ خود عورت ہی کرتی ہے، وہ باپ بھائی کا کہا نہ مانے اور کسی مسلمان سے نکاح کرلے (اپنے غلام مسلمان سے نہیں) تو نکاح جائز ہوگا۔

باپ بھائی سر دھرے اِس واسطے نہیں بنائے گئے ہیں کہ عورت پر ناجائز دباؤ ڈالیں۔ باپ بھائی خاندان کے نظم کے لئے سر دھرے ہوتے ہیں، ظلم کرنے کے لئے نہیں۔ باپ بھائی اس کے مجاز نہیں ہیں کہ بیٹی اور بہن کا دماغ اور دل کچل کر رکھ دیں۔

مرد عورت کو طلاق دے سکتا ہے تو عورت مرد سے خُلع لے سکتی ہے۔

عورت اُسی طرح علوم سیکھ سکتی ہے جس طرح مرد سیکھ سکتے ہیں، بلکہ علم سیکھنا عورت و مرد دونوں پر فرض ہے۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ۔ لیکن عورتوں اور مردوں کی مخلوط تعلیم جائز نہیں ہے۔

اِسلام میں عورت کا ایک مقام ہے۔ ایک مرتبہ ہے اور وہ مقام اور مرتبہ مرد سے گھٹیا نہیں ہے۔ مسلمان عورت پتی کی داسی نہیں ہوتی۔ پتی ورتا اور پتی پوجا اُس کا دھرم نہیں ہے۔ مسلمان عورت عورت رہ کر

نظام المشائخ۔ کراچی 19 مئی ۱۹۶۰ء

Marfat.com

انتہائی کمال اور انتہائی عروج حاصل کر سکتی ہے۔ اسلام نے عورت کو بے بس نہیں رکھا ہے۔ مرد صرف ورثے پاتا ہے۔ عورت ورثے بھی لیتی ہے اور مہر بھی پاتی ہے۔ مال دار ہونے کے باوجود عورت کے جملہ اخراجات ہر شوہر کے ذمے ہوتے ہیں اور شوہر مر جائے تو باپ بھائی اُس کی کفالت کرتے ہیں۔ عورت ورثے یا مہر میں کچھ پائے یا تجارت میں روپیہ لگا کر کچھ کمائے تو وہ عورت کی ملکیت ہے۔ کوئی مرد اُس کے مال پر قبضہ نہیں جما سکتا۔

تمام اسلامی قوانین (دیوانی و فوجداری) عورت کے لئے وہی ہیں جو مرد کے لئے ہیں۔ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ۔ مرد اپنے کئے کا پھل پائیں گے اور عورتیں اپنے کئے کا پھل پائیں گی، البتہ جس طرح کچھ احکام عورتوں کے واسطے مخصوص ہیں۔ مثلاً (۱) مردوں سے بات کرو تو زیادہ شیریں کلامی نہ دکھاؤ۔ (۲) بازاروں میں ماری ماری نہ پھرو۔ اسی طرح مردوں کے واسطے بھی چند مخصوص احکام ہیں۔ مثلاً (۱) جب لڑکے جوان ہو جائیں تو گھر میں اجازت لے کر قدم رکھیں۔ (۲) دوسروں کے گھروں میں مت گھسو جب تک گھر والوں سے پوچھ نہ لو۔ (۳) جب نامحرم عورتوں سے کوئی شے مانگو تو پردے کی اوٹ سے مانگو۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں سے بیعت

زبانی لیا کرتے تھے۔ اُن کا ہاتھ ہاتھ میں نہیں لیتے تھے۔

واضح رہے کہ عورت عورت اور مرد مرد میں فرق ہے۔ نہ جوان اور بوڑھی عورت یکساں ہے اور نہ جوان اور بوڑھا مرد یکساں علیٰ ہذا محرم اور غیر محرم کا فرق ہے۔ سب کے لئے یکساں احکام نہیں ہیں۔ مثلاً بہن سواری پر چڑھے یا سواری سے اُترے تو بھائی اُس کا ہاتھ پکڑ کر چڑھا اور اُتار سکتا ہے۔

Marfat.com

اسلام اور فرقہ بندی

اگر کوئی شخص کہے کہ فلاں باپ چاہتا ہے کہ اُس کی اولاد اتحاد اور یکجہتی سے نہ رہے اور متفرق و منتشر ہو جائے تو کیا آپ یقین کیجیے گا۔ ہرگز نہیں۔ مسلمان بھی اسلام یا پیغمبر اسلام کی اولاد کے مثل ہیں بلکہ اولاد سے بڑھ کر۔۔۔ اسلام یا پیغمبر اسلام کیسے چاہ سکتے ہیں کہ مسلمان فرقوں اور جماعتوں میں بٹ جائیں کم از کم مذہبی فرقوں اور جماعتوں کے متعلق میرا ایمان ہے کہ جنہیں فرقوں اور جماعتوں کا بانی سمجھا جاتا ہے یا جن سے فرقے اور جماعتیں اپنے تئیں منسوب کرتی ہیں، اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ حضورؐ سرورِ کائنات کی اُمّت کو آپس میں بانٹ لیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام سے پوچھے گا کہ عیسائیوں کو تم نے ہدایت کی تھی کہ تمہیں اور تمھاری والدہ کو میری خدائی کا شریک مانیں۔ حضرت عیسیٰؑ کانوں پر ہاتھ دھریں گے اور عرض کریں گے۔ بارالٰہا! تیری ذات بے نیاز ہے۔ بھلا یہ کیونکر ممکن تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہیں تھا۔ اگر میں نے کہا ہوگا تو تُو جانتا ہوگا۔ تو میرے دل کے حال سے واقف ہے۔ میں تیرے دل کا حال

Marfat.com

نظامُ المشائخ ۔ کراچی

نہیں جان سکتا ۔ تو غیب داں ہے ۔ پروردگار ! میں نے لوگوں سے صرف اُتنی بات کہی تھی جتنی کا تو نے حکم فرمایا تھا ۔

حضرت عیسٰے علیہ السلام کے جواب و سوال کا قرآن مجید میں ذکر ہے ۔ تعجب نہیں جو اُن علما و مشائخ سے بھی پوچھا جائے ۔ جن کے ناموں پر مذہبی فرقے قایم ہیں ، کہ تم نے میرے حبیبؐ کی اُمّت کے ٹکڑے کر دئیے تھے اور ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی الگ الگ مسجدیں بنائی تھیں اور تم نے کہا تھا ہمیں بھی پیشوائی میں شریک کرو ۔ ظاہر ہے کہ ان بزرگوں کا جواب وہی رہے گا جو حضرت عیسٰی ؑ دیں گے کہ ہماری کیا مجال تھی کہ ہم ایسا کرتے ۔

۳۲ اسلام میں فرقہ بندی کی مطلق گنجایش نہیں ہے ۔ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ لَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ " آپس میں جھگڑے مت اُٹھاؤ (جھگڑو گے تو تمہارا شیرازہ بکھر جائے گا) اور تم (بہت کم ہمت) اور بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی " یہ قرآن مجید کے دسویں پارے واعلموا کے دوسرے رکوع کی دوسری آیت ہے ۔ چوتھے پارے لن تنا کے دوسرے رکوع میں ارشاد ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً وّلا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً اللہ کی رسّی (یعنی قرآن) کو سب مل کر مضبوط پکڑ لو ۔ اور (آپس کا) ایکا نہ توڑو اور اللہ کی (اس)

نئی ۵۸ ء

Marfat.com

نعمت (اور مہربانی) کو یاد رکھو جو (اُس نے) تم پر کی ہے کہ ایک وقت تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے۔ (اللہ نے) تمہارے دلوں میں (ایک دوسرے کی) اُلفت ڈال دی اور تم اللہ کی مہربانی سے بھائی (بھائی) ہو گئے — اور اکیسویں پارے اتل ما اوحی کے ساتویں رکوع میں تو اللہ تعالیٰ نے قصہ ہی ختم کر دیا ہے۔ متفرق اور منتشر ہو جانے کو مشرکین کا شیوہ بتایا ہے۔ ارشاد ہو لا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعاً (اے مسلمانو!) تم کہیں مشرکین کی صف میں مت جا ملنا۔ جنہوں نے اپنے دین کو ذاتی اور نفسانی خواہشوں سے مجبور ہو کر پس پشت ڈال دیا اور جہالت و بے غوری اور ہوس پرستی کے باعث دین کے پرخچے اُڑا کر رکھ دیئے اور گروہ گروہ ہو گئے۔

گویا متفرق اور منتشر ہونا اور فرقوں میں بٹ کر اتحاد اور یکجہتی کو خراب کرنا شرک یا مثل شرک ہے۔ یعنی سب سے بڑا گناہ۔

دیوار کی دس بیس اینٹیں اوپر کی طرف سے یا درمیان میں سے نکال دیں تو چل بھری جا سکتی ہے۔ لیکن بنیاد ڈھلنے کے بعد دیوار قائم رہنی ناممکن ہے۔ دیوار اَرّا دھم کر کے گر پڑے گی۔ اتحاد کا ٹوٹنا اور متفرق و منتشر ہو جانا اسلام کی بنیاد کا ڈھا دینا ہے۔ افتراق و انتشار قوموں کو معمولی نقصان نہیں پہنچاتا۔ قومیت کی عمارت کو کھنڈر بنا دیتا ہے۔ لہذا اس

سے بڑھ کر گناہ اور کونسا ہوگا۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سامنے صرف دو ہی فرقے تھے۔ ایک فرقہ حضورؐ کا مُقِر اور ایک فرقہ حضورؐ کا مُنکر۔ حضورؐ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ کے دَور میں بھی اسلام کے اندر فرقوں کا وجود نہیں پایا جاتا۔ نیز حضرت عثمان غنی رضؓ کی خلافت کے ابتدائی چھ سال بھی حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کی خلافت کے مطابق گزرے۔ فرقہ بندی یا تفرقہ بازی نہ ہونے کا نتیجہ معلوم ہے، کیا نکلا تھا۔ اٹھارہ انیس سال کی مختصر سی مدت میں مسلمان ساری دنیا پر چھا گئے تھے اور آدھی دنیا باضابطہ مسلمانوں کے زیرِ حکومت نذیرِ نگیں آ گئی تھی۔

حضرت عثمان کی خلافت کے بقیہ چھ سال میں امویوں نے زور پکڑا اور ایسا زور پکڑا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضؓ مسندِ خلافت پر تشریف لائے تو اُن جیسے جری اور مدبر اور فاتح کو جوہر دکھلانے کا موقع نہ دیا۔ حضرت علی رضؓ اور امیر معاویہ کی کشمکش میں پہلی بار دو جماعتیں نمودار ہوئیں۔ ایک محبّانِ اہل بیت کی اور ایک مخالفین اہل بیت کی۔ بس اِن دو جماعتوں کو دو فرقے کہہ لیجے۔ یا یوں کہیے کہ ایک جماعت نے حُبِّ اہل بیت ترک کر دی اور خارجی کہلائی۔ اسلام اب بھی فرقہ بندی سے پاک تھا۔

فرقہ بندی اور تفرقہ بازی دونوں ایک چیز ہیں۔ اسلام کیسے گوارا کر سکتا

Marfat.com

تھا کہ تفرقہ بازی کرا کر اپنے گلے پر چھری پھروا لے - خارجیوں کے نکل جانے کا بھی اسلام کو کافی خمیازہ بھگتنا پڑا - اور پھر محبانِ اہلِ بیت کی افراط اور تفریط سے شیعہ اور سُنّی دو تقسیمیں اور ہوگئیں - اِن کے علاوہ جتنے فرقوں کا چرچا آپ سنتے ہیں، یہ فرقے نہیں ہیں - سوچنے اور غور کرنے کا اسلام نے مسلمانوں کو حق ہی نہیں عطا کیا ہے بلکہ سوچنے اور غور کرنے کی تاکید فرمائی ہے - سوچنے اور غور کرنے میں اختلافات ضرور ہوا کرتے ہیں - یہ اختلافات تو رحمت ہیں - رائے کے اختلافات کو مخالفت پس رؤوں نے بنا لیا - ورنہ فروعی اختلافات میں مخالفت کا سوال ہی نہ تھا اور اصولی اختلافات ہیں نہیں -

شیعوں اور سنّیوں میں بھی اصولی اختلاف نہیں ہے - اور ائمہ حدیث اور ائمہ فقہ کے نام لیوا تو بالکل ایک ہیں - حدیث اور ائمہ حدیث کی اہمیت سے مقلدین فقہا کو کب انکار ہے، اور ائمہ فقہ کے نام ہر اہلِ حدیث ادب کے ساتھ لیتا ہے - ایک نہ ایک اُستاد کا شاگرد تو ہونا ہی پڑتا ہے - شاگرد ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دوسرے اُستاد کے شاگردوں کے خلاف لام باندھ لیا جائے - مگر ہوا یہی - اُستادوں کا منشا تھا یا نہ تھا - شاگردوں نے اور اُستادوں کے خلیفاؤں نے واقعی لام باندھ دیا اور اُستادوں کو قریب قریب رسولؐ کے برابر لا بٹھایا -

اس افراتفری کا نتیجہ ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں - ابتدا کے چند

Marfat.com

سال بے داغ اتحاد سے ہمیں دنیا کی سرداری و سرتاجی حاصل ہو گئی تھی اور فرقہ بندیوں اور تفرقہ بازیوں کی وجہ سے ہم دنیا کی سب سے بدحال قوم ہیں۔ وہ تو ابتدا کی حاصل شدہ سرداری و سرتاجی اس قدر سخت جان تھی کہ اُسے مٹتے مٹتے صدیاں لگ گئیں۔ سینکڑوں برس تک فرقہ بندی نے یہ شکل نہیں اختیار کی تھی جو آخر میں اختیار کر لی گئی۔

خلیفہ ہارون الرشید عباسی امام مالک کا معترف و معتقد تھا۔ اُس نے ارادہ کیا کہ عامۃ المسلمین سے بھی امام مالک کے اجتہادات منوائے اور فقہ مالکی پوری مملکت میں رائج کر دے۔ امام مالک نے اُسے روکا کہ خبردار یہ مت کرنا۔

بنو امیہ کا اختلاف بھی اپنے اندر ایک شان رکھتا تھا۔ امیر معاویہ کو حضرت علی سے برگشتہ پا کر قیصرِ روم نے امیر معاویہ کی طرف دستِ اعانت بڑھایا۔ امیر معاویہ نے اُس کا ہاتھ جھٹک دیا اور اُس کو لکھ بھیجا کہ علیؓ کی اور تیری جنگ ہوئی تو علیؓ کے لشکر سے جو پہلا سپاہی تجھے زک دینے نکلے گا، وہ میں ہوں گا۔

محمد تغلق شہنشاہِ ہند نے خواجہ نظام الدین اولیا کا اثر توڑنے کی غرض سے ملتان کے مشہور سہروردی بزرگ مولانا رکن الدین کو دلّی تشریف لانے کی دعوت دی۔ سہروردیوں اور چشتیوں میں ویسا ہی اُستاد دن

کا فرق ہے جیسا حنفیوں اور شافعیوں وغیرہ میں ہے۔ مولانا رکن الدین جب دِلّی آئے اور محمد تغلق اُن کی خدمت میں حاضر ہوا، تو باتوں باتوں میں اُس نے پوچھا۔ مولانا یہاں سب سے آگے بڑھکر آپ کا استقبال کس نے کیا؟

مولانا نے فرمایا۔ اُس نے جو یہاں سب سے اچھا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا۔ وہ کون ہے۔ مولانا نے فرمایا۔ خواجہ نظام الدینؒ!

یہ حرکتیں بہت بعد کی ہیں کہ شیعوں کی مسجد میں سُنّی نماز نہیں پڑھتے اور سنیوں کی مسجد میں شیعہ نماز نہیں پڑھتے اور کسی مسجد پر لکھا ہے مسجد اہل حدیث اور کسی مسجد پر لکھا ہے مسجد احناف۔

یہ حرکتیں کیں تو مسلمانوں نے اور داغ لگا اسلام کو۔ حالانکہ اسلام ان حرکتوں سے سخت بیزار ہے۔ اکبر اعظم اسی فرقہ بندی اور تفرقہ پردازی سے گھبرا کر غلط راستہ پر پڑ گیا تھا اور ہمارا انگریزی خواں طبقہ بھی اسی فرقہ بندی اور تفرقہ پردازی کے سبب اسلام سے دور ہوتا جاتا ہے۔ مگر حیرتناک امر یہ ہے کہ انگریزی پڑھے لکھے لیڈر عربی پڑھے لکھے لیڈروں سے بھی تیز رو ہیں مذہبی پیشواؤں نے زوال کی جو منزلیں صدیوں میں طے کرائی تھیں، انھیں سیاسی پیشوا برسوں اور مہینوں میں طے کرا رہے ہیں۔ مذہبی فرقہ بندی اب روز بروز دبتی جاتی ہے اور سیاسی فرقہ بندی اُبھرتی آتی ہے۔ اُبھرتی کیا آتی ہے۔ اب سیاسی فرقہ بندی ہی کا دَور دورہ ہے

Marfat.com

اور سیاسی فرقہ بندی کی رفتار بڑی خطرناک ہے۔

یا وہ زمانہ تھا کہ دنیا بھر کے مسلمان ایک تھے۔ ہر جگہ کا مسلمان ایک سلسلہ میں منسلک تھا۔ ایک مرکز خلافت پر اُس کی نظر تھی۔ ایک جبل اللہ اُس نے تھام رکھی تھی۔ یا اب ہم ملکوں ہی میں نہیں صوبوں اور شہروں میں تقسیم ہیں۔

روایت ہے کہ حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ تفترق اُمتی علےٰ ثلث و سبعین فرقۃ۔ اور اِن تہتر فرقوں کے متعلق ارشاد ہے کہ کلھم فی النار الا واحدۃ۔ ایک کے سوا سب فرقے جہنم میں جائیں گے۔

مولانا بدر عالم صاحب نے کتاب ترجمان السنۃ میں "حدیث افتراق اُمت" کے عنوان سے بڑا بسوط اور سیر حاصل مضمون تحریر کیا ہے۔ حیات سرور کائنات سائز کے قریباً ڈیڑھ سو صفحے کا مضمون۔ میں اُس کا اچھا سا خلاصہ درج ذیل کرتا ہوں۔ بلکہ خلاصے کا لفظ غلط ہے — مولانا کے مضمون سے مناسب مطلب مواد لیتا ہوں۔ چند سطروں میں خلاصہ کیا آسکتا ہے،

بعض علما کے نزدیک مندرجہ بالا روایت صحیح نہیں ہے — لم یثبت فیہ شیٔ۔ مگر اسنادی لحاظ سے ثابت ہو یا نہ ہو

Marfat.com

واقعہ کے اعتبار سے قطعی ثابت ہے۔

تہتر اور بہتر اور ستر تو خیر محاورہ ہے، جس کے معنی ہیں بے شمار یا بہت سے۔ پیشین گوئی حضورؐ کی ضرور پوری ہوگئی۔ میرے دل کو ان علما کی رائے لگتی ہے جنھوں نے اس روایت کی صحت تسلیم کرلی ہے۔ میں واقعہ کے اعتبار سے اسے بالکل صحیح پاتا ہوں۔ جب افتراق کا دُور دُور پتہ نہ تھا حضورؐ کو افتراق ہوتا نظر آیا اور میں افتراق آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

بہرصورت اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ والی آیت نے اس کا فیصلہ کردیا ہے کہ اہلِ اختلاف رحمت باری تعالےٰ سے محروم ہیں اور جن پر باری تعالیٰ کی رحمت ہے وہ اہل اختلاف کی فہرست میں شامل نہیں ہیں۔

نجات انہیں ملے گی جو اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ کے مصداق ہیں اور اہل اختلاف کی فہرست سے نکل گئے ہیں۔ اہل اختلاف کی فہرست سے نکل آنا اور بچ جانا ہی راہ مستقیم پر گامزن ہونا ہے۔ وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ۔ میرا سیدھا راستہ یہ ہے۔ اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر مت چلو کہ وہ تمھیں اللہ کے راستہ سے جدا کرکے تتر بتر کردیں گے۔

راہ مستقیم واحد ہے اور اختلاف کی راہیں (سُبُل) اَن گنت۔

راہ مستقیم اور راہ حق یہ ہے کہ ملّت کی ہیئت اجتماعیہ اور باہمی

Marfat.com

محبت و مودت - تعاون و تناصر - ہمدردی و سازگاری باقی رکھی جائے اور سُبُلِ اختلاف وہ ہیں جو جماعتی شیرازہ کو اوراقِ پریشاں کی مانند منتشر کر دیں۔

غور طلب یہ امر ہے کہ وہ کون سا اختلاف ہے جو بم کی طرح پھٹ کر ملت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیتا ہے۔

اختلاف ائتلاف کی ضد ہے۔ ائتلاف کے معنی ہیں باہمی الفت و محبت۔ تو ائتلاف یعنی باہمی الفت و محبت میں اگر فرق نہیں پڑتا تو اختلاف اختلاف ہی نہیں رہتا۔ حقیقی اختلاف دلوں کا اختلاف ہے۔ اختلاف جزئیات میں ہو تو اُس سے اُلفت و محبت کے رشتوں پر اثر نہ ہونا چاہیئے۔ موجب افتراق اصول کا اختلاف ہے۔ دین میں اشتراک کے بعد دین کے اصول و کلیات سے اختلاف کیا جائے تو ایسا اختلاف افتراقِ قلوب کا موجب بن جاتا ہے۔ ورنہ حضرت نوح علیہ السّلام سے حضرت عیسٰے علیہ السّلام کے دور تک شریعتوں کا اختلاف رہا لیکن قرآن مجید تمام سماوی دینوں کو اسلام کہتا ہے اور شریعتوں کے فروعی اختلافات کو وحدتِ دین کے خلاف قرار نہیں دیتا۔ پس جیسے شرائع سماویہ اور صحف انبیا علیہم السّلام فروعی اختلافات کے باوجود ایک دین ہیں ویسے ہی دین نبی آخر الزماں صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے

Marfat.com

اندر بھی فروعی اختلافات اُس کی شان اجتماع و وحدت میں خلل نہیں ڈال سکتے۔ اجتہاد کے موقع پر اجتہاد کرنا تو خود اسلام نے سکھایا ہے۔ اختلافِ مذموم یہ ہے کہ اسلام کے مقرر کردہ اصول یا تصریح کردہ جزئی کے خلاف قدم اُٹھایا جائے،

صحابہ کرام حدوث و قدم اور جبر و قدر قسم کی بحثوں میں نہیں اُلجھتے تھے۔ اُن کے سامنے فقط امتثالِ امر کا سوال رہتا تھا۔ آمین آہستہ کہنے یا بلند آواز سے کہنے اور رفع یدین کرنے نہ کرنے کو وہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اس لئے وہ ایک دوسرے سے اتنے وابستہ تھے کہ تاریخ میں اُس کی نظیر نہیں ملتی۔ مخالفت اور خصومت درکنار اُنہیں موافقت اور محبت کے تصوّر کی بھی حاجت نہیں تھی۔ موافقت اور محبت اُن کے رگ و ریشے میں رچ گئی تھی،

حضرت عثمان غنی اور خصوصاً حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے زمانہ خلافت میں جو اختلاف رونما ہوا وہ الکشن کا اختلاف تھا۔ کسی دینی عقیدے یا دینی عمل کا اختلاف نہیں تھا۔ اور اُس اختلاف کے بانی بھی صحابہ نہیں تھے، ایسے لوگ تھے کہ جن سے حضرت ابن عباسؓ گفتگو کرنے گئے تو فرمایا:۔ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور ایک ایسی جماعت کی طرف سے آیا ہوں جس نے رسول اللہؐ کو

Marfat.com

دیکھا ہے اور تم میں کوئی شخص نہیں ہے جس نے رسول اللہؐ کو دیکھا ہو۔

جو تابعی صحابہ کا احترام نہ کریں اُن کا کسی کے پاس کیا علاج ہے۔

بہت بعد کے ایک فاضل بزرگ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے حج کا ایک مسئلہ دریافت کیا گیا۔ محمد بن سیرین نے کہا عمر فاروق رضؓ اور عثمان غنی رضؓ اسے مکروہ سمجھتے تھے اُن کا ایسا سمجھنا اگر علم کی بنا پر تھا تو وہ مجھ سے زیادہ عالم تھے اور محض رائے کی بنا پر تھا تو رائے بھی اُن کی میری رائے سے افضل ہے۔

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اقوال مقاصد قرآنیہ کے کاشف ہیں اسی طرح صحابہ کے کلمات مقاصد سنت کے شارح ہیں۔

صاحب موافقات نے لکھا ہے کہ علم راسخ العلم سے سیکھنا چاہیئے۔ راسخ العلم کی علامت یہ ہے کہ اس نے علم شیوخ کی زیر تربیت اور زیر نگرانی حاصل کیا ہو۔ صحبت اور ملازمت شیوخ کو رسوخ علم میں بے حد دخل ہے۔ صحابہ کا علم اسی نوع کا تھا۔ صحابہ فقط قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد پڑھ کر اللہ کی وحدانیت کو جتنا جان جاتے تھے آج تیس پارے حفظ کر کے اُس کا عشر عشیر نہیں جانا جا سکتا۔ صحابہ میں صحیح بات کے ماننے اور غلط بات کے رد کر دینے کا ذوق پیدا ہو گیا تھا۔ جس طرح اولاد ماں باپ کے

نظام المشائخ کراچی ۹ جون ۱۹۵۷ء

Marfat.com

طور طریقے جذب کر لیتی ہے صحابہ نے اس طرح حضور سرورِ کائنات کے طور طریقے جذب کر لئے تھے۔ انسان جس طرح ماں باپ کی زبان سیکھتا ہے صحابہ نے اسلام اس طرح سیکھا تھا۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں:۔ علم ایک نور ہے جسے اللہ تعالےٰ دلوں میں ڈال دیتا ہے ـــــ یہ نور سب سے زیادہ صحابہ کرام کے حصے میں آیا تھا۔ اُس نور کی روشنی اُنھیں ہر شے کی حقیقت دکھا دیتی تھی۔ پھر اُن میں افتراق کا بھلا کیا کام!

افسوس صحابہ کے ساتھ صحابہ کی رواداری بھی مفقود ہو گئی اور آہستہ آہستہ افتراق نے سر نکالا اور آج افتراق مسلمانوں سے بڑھ کر کسی قوم میں نہیں ہے۔ افتراق مسلمانوں پر عذاب بن کر منڈلا رہا ہے۔ مسلمانوں کے تمام فرقے صحابہ سے اپنا رشتہ جوڑتے ہیں۔ لیکن اسے بھول جاتے ہیں کہ جتنی بات کو وہ پکڑ کر الگ الگ بیٹھ گئے ہیں اتنی بات سے صحابہ الگ الگ نہیں ہوئے تھے۔

آج ہر فرقہ اپنے تئیں جنتی سمجھتا ہے اور باقیوں کو دوزخی بتاتا ہے لیکن صحابہ نے اختلاف رکھنے والے صحابہ کی بابت ایسا کبھی نہیں کہا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر کلاھما فی النار الا واحدۃ کا کیا مطلب ہے کیا حدیث کے اس فقرے کا کچھ اور بھی ترجمہ کیا جا سکتا ہے

طلوع اسلام - کراچی
11
جون ۵۶ء

کہ ایک فرقے کے سوا تمام فرقے دوزخ میں جائیں گے۔

قدیم علما نے اِس کا جواب دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک فرقے سے مراد کوئی ایک معروف فرقہ نہیں ہے، بلکہ ایک ذہنیت ہے۔ یہ ذہنیت اگر کسی ایک فرقے کی ہے تو اُسے ناجی کے ذیل میں لایا جا سکتا ہے اور یہ ذہنیت اگر افراد[1] کی ہے، وہ افراد اِس فرقے کے ہوں یا اُس فرقے کے اور افراد یکجا جماعت بنائے ہوئے ہوں یا جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہوں اُنہیں فرقہ ناجی کہا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جس کی ذہنیت یہ ہو وہ ناجی[2] ہے۔

---

[1] صحیح بخاری میں ہے:- لن تزال ھذہ الامۃ قائمۃ علی الحق لا یضرھم من خالفھم حتیٰ یاتی امر اللہ۔ عمرو بن ہانی نے ھذہ الامۃ کی بجائے طائفۃ من امتی اور یزید بن اصم نے عصابۃ من امتی روایت کیا ہے۔ گویا یہ اوصاف جمہور اُمّت کے نہیں صرف ایک طائفہ اور جماعت کے ہیں۔ ابن حزم فرماتے ہیں کہ طائفہ کے معنی بعض شے کے ہیں، لہٰذا طائفہ کا اطلاق واحد شخص پر بھی ہو سکتا ہے۔ والطائفۃ فی لغۃ العرب یقطع علی الواحد فصاعداً۔ (الاحکام فی اصول الاحکام)

[2] کلھم فی النار دراصل محاورہ ہے جو کسی شے کے غلط اور ناقابلِ قبول ہونے کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ جیسے ہمارے ہاں اُردو میں کہتے ہیں "ایسے چولہے میں جھونکو"۔ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوےٰ عزیزیہ میں امام غزالی کا ایک بیان نقل کیا ہے کہ فرقہ ناجیہ سے مراد وہ فرقہ یا وہ جماعت ہے جسے ادنےٰ سے ادنےٰ عذاب بھی نہیں ہوگا۔ برخلاف اُن کے دوسرے عذاب بھگت کر جنّت میں جائیں گے۔ جنّت سے محروم کوئی مُسلمان نہیں رہے گا،

Marfat.com

ذہنیت کیا ہو؟ اوّل یہ کہ وہ جو طریقہ بھی اختیار کرے اُسے نفسانیت کے جذبے سے اختیار نہ کرے۔ للّٰہیت کے جذبے سے اختیار کرے یعنی اہل ہویٰ میں اپنے آپ کو نہ شامل ہونے دے۔ اہل ہدیٰ میں رہنے کی تمنّا رکھے۔

اتباعِ ہویٰ اور اتباعِ ہدیٰ یقیناً دو متضاد چیزیں ہیں۔ لہٰذا اُن کا ثمرہ بھی یقیناً متضاد ملے گا۔

جو متبعِ ہویٰ ہو وہ متبعِ ہدیٰ ہو ہی نہیں سکتا اور جو متبعِ ہدیٰ ہے وہ ہویٰ کے پیچھے نہیں جا سکتا۔ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ۔ ہم نے دونوں راستے دکھا دئیے ہیں۔ ایک راستہ ہدیٰ کا ہے اور ایک راستہ ہویٰ کا۔ انسان ایک ہی راستے پر چل سکتا ہے۔ دو راستوں پر نہیں چل سکتا۔ یا اللہ کا کہا مانے گا یا اپنے نفس کا۔ المختصر ایک تو نفس کی خواہش کو اللہ کی ہدایت کے تابع کرنے کی ذہنیت ہونی چاہئیے۔ دوم یہ ذہنیت کہ اختلاف کوئی ایسا نہ کیا جائے جس سے افتراق اُبھر آئے۔ اھل الحق لیس فیھم اختلافٌ۔ اہل حق میں اختلاف نہیں ہوتا۔ یعنی ایسا اختلاف جو افتراق و انتشار سے بدل جائے۔ اہل حق اور اہل ہدیٰ کی ذہنیت یہ ہونی چاہئیے کہ وہ کسی فرقے کو غیر نہ سمجھیں۔ اُنھیں دور کرنے کی حرکتیں نہ کریں بلکہ اُنھیں قریب لانے کی کوشش کریں۔

Marfat.com

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حق کی ایسی حمایت کو بُرا بتایا ہے کہ انسان نا حق جماعت کو حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ لکھتے ہیں کہ بعض اوقات اہل حق کا تعصب گمراہی کا باعث ہو جاتا ہے۔ اِس سے ضد ترقی کرتی ہے اور وقتی ضد ترقی کرتے کرتے دائمی عقیدہ بن جاتی ہے۔ باطل فرقوں کی نمایاں علامت بُغض اور نفاق ہے۔ جو فرقہ یا جو شخص افتراق کو ہوا دے اور اُمّت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شیرازہ بکھیرے وہ اہل باطل ہے اور جو فرقہ یا جو شخص ایسا اختلاف کرے کہ اُس سے افتراق نہ ہو اور اُمت کا شیرازہ نہ بکھرے وہ اہل حق ہے۔

بعثت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد ہی رفع افتراق تھا۔ لہذا جو افتراق کو ہوا دیتا ہے وہ درحقیقت بعثت کے مقصد کو ضرب لگاتا ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت میں قاضیوں کے نام ایک حکمنامہ بھیجا تھا، جس کا مضمون تھا کہ جن کتھنوں پر اب تک فیصلے کرتے رہے ہو اُن ہی پر آئندہ بھی فیصلے کرو۔ مجھے اختلاف پسند نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے پیش رو بغیر اختلاف کے اللہ کے ہاں گئے۔ میں بھی بغیر اختلاف کے جاؤں۔

باہمی اُنس و محبت اور الفت و اخوت اللہ کی عظیم نعمت ہے

نظام المشائخ۔ کراچی
۱۳
جون ۱۹۷۵ء

Marfat.com

اور اُس کا حصہ ہے جو اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ کی فہرست میں داخل ہو چکا ہے۔ اِس کے بالمقابل افتراق اللہ کی رحمت سے محرومی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مناظروں کو روک دیا تھا اور فرمایا تھا کہ مناظرے کہیں افتراق کا بیج نہ بو دیں۔ بعد میں ایسا ہی ہوا کہ جہاں اختلاف کی ضرورت نہیں تھی وہاں دماغ سوزی کر کے اختلاف کیا گیا۔ اہل حق اور اہل اختلاف کے مزاجوں کا اندازہ کرنا چاہو تو دونوں کی بحثوں کا مابہ الامتیاز یہی ہے کہ اہل حق کی نیت اختلاف مٹانے کی ہوتی ہے اور اہل اختلاف کی نیت اختلاف بھڑکانے کی۔

سوم ذہنیت یہ ہونی چاہیئے کہ ہر آن اللہ کی خوشنودی ملحوظ رہے۔ سنت رسول اللہ پر عمل کی آمادگی ہو۔ اعتقاد و عمل کے دونوں بازو درست رکھے جائیں۔ ایسی ذہنیت کا شخص انشاء اللہ بغیر ادنٰے سے ادنٰے عذاب کے سیدھا جنت میں پہنچے گا۔

حضور سرور کائنات ؐ سے سوال کیا گیا کہ ناجی کا اشارہ کن کن کی طرف ہے۔ جواب دیا:۔

ما انا علیہ۔ اصحابی ـــــ الجماعۃ ـــــ السواد الاعظم

میں ناجی ہوں۔ میرے اصحاب ناجی ہیں۔ اور وہ ناجی ہیں جو متحد اور مجتمع رہیں۔ جن میں افتراق و عناد نہ ہو ـــــــــــــــــ

اور سوادِ اعظم[۱] یعنی ایسے موقر افراد جن کا وجود جماعت کی شکل میں وزنی، باشوکت اور بارعب نظر آئے۔ یہ گویا مسطر ہے جسے حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس لئے تیار کیا تھا کہ صفحاتِ عالم پر عقائد و اعمال کی جب کوئی سطر کھینچی جائے تو اسی مسطر پر رکھ کر کھینچی جائے۔ جو یہ حدیث سامنے رکھے گا وہ الفاظ کی جکڑ بندیوں میں بھی نہیں پھنسے گا اور عقل سے ضرور کام لے گا۔ مگر عقل کے گھوڑے پر سوار ہو کر علمِ سلف کو پامال بھی نہیں کرے گا۔ اُس کی راہ مستقیم میں نہ افتراق کی کھائیاں آئیں گی اور نہ بغض و عناد کی پہاڑیاں۔ وہ عمل کرے گا اور فرضی مسائل میں دماغ نہیں کھپائے گا۔ عمل کی بجائے فرضی مسائل میں وقت کھونا اچھے مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہے۔ اچھے مسلمان تو بس خلیفہ عدل امیرالمومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے قائل ہیں کہ میں صحابہ کے اختلاف کا معترف ہوں۔ وہ اختلاف نہ کرتے تو تنگی محسوس کی جاتی۔ اُن کے اختلاف نے دین میں عمل کی مختلف راہیں کھول دی ہیں۔ صحابہ ہمارے مقتدیٰ تھے۔

---

[۱] سوادِ اعظم کے متعلق مولانا بدرِ عالم صاحب لکھتے ہیں کہ یہ عامیانہ خیال ہے کہ سوادِ اعظم سے مراد اکثریت ہے۔ دورِ فتن میں اہلِ حق کی اکثریت بھلا کہاں سے آئے گی۔ حدیث ہے لا تجمع امتی علی ضلالۃ۔ اِس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اُمت پر کوئی دور ایسا نہیں گزرے گا کہ ایک شخص بھی حق کا پابند نہ ہو۔ اکثریت تو ہمیشہ حق کے خلاف ہی رہی ہے۔

Marfat.com

اُن میں سے کسی کا اقتدا کر لیا جائے جائز ہے۔

صحابہ کے اختلاف سے ایک عمل کی جو مختلف شکلیں پیدا ہوئیں وہ کُل کی کُل صحیح ہیں۔ صحابہ کا منشاء دین میں عملی وسعت دینے کا تھا[۵۱] اسی بنا پر اُن کے اختلاف کو رحمت کہا گیا ہے، اختلاف امتی رحمۃٌ۔

خیر کہنا یہ ہے کہ اسلام میں جتنے فرقے بن گئے ہیں اُنھیں مٹایا تو جا نہیں سکتا۔ لہٰذا تمام فرقوں کو انگیز نا چاہیئے اور تمام فرقوں کو محض مکاتب خیال (Schools of thought) سمجھنا چاہیئے۔ کوئی فرقہ دوسرے فرقوں سے بیر نہ رکھے، اُن کی اصلاح چاہے تو دوستوں کی طرح اصلاح کرے،

حال میں مولانا اسلم جیراجپوری[۵۲] نے آل انڈیا ریڈیو دہلی سے علامہ شبلی نعمانی کی مشہور کتاب الفاروق پر تقریر نشر کی تھی۔ اُس میں اُنھوں نے کہا کہ الفاروق لکھتے وقت علامہ شبلی علی گڑھ کالج میں پروفیسر تھے۔ سر سید احمد خاں کو خطرہ ہوا کہ کالج کے ہمدردوں میں شیعہ بھی ہیں حضرت عمر فاروق رض کی سوانح نگاری سے کہیں وہ نہ بُرا مان جائیں۔ سر سید نے ازراہ مصلحت بینی نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی کو جو کالج کے

---

۵۱ اس کے معنی یہ نہیں کہ ہر کس و ناکس دین میں عملی وسعت دینے بیٹھ جائے،

۵۲ مولانا اسلم صاحب مرحوم اس مضمون کے لکھتے وقت تک زندہ تھے۔

جون ۵۶ء ۱۷ نظام المشائخ۔ کراچی

Marfat.com

شیعہ مددگاروں میں نمبر ایک کے مددگار تھے علامہ شبلی کے ارادے سے مطلع کر دیا۔ نیز اپنا خطرہ بتا دیا کہ مجھے سنی شیعہ تفریق کا ڈر ہے۔ میں نے مولانا شبلی کا قلم روک رکھا ہے۔ نواب عماد الملک ریاست حیدر آباد دکن کے اُس شعبہ کے صدر بھی تھے جس نے مولانا شبلی کی الفاروق سے قبل کی تصنیفات سیرۃ النعمان اور المامون کو منظور کیا تھا۔ نواب عماد الملک نے جواب دیا کہ "اسلام نے ایک فاروق پیدا کیا ہے۔ حیف ہے کہ اُس کی سوانح عمری نہ لکھی جائے۔ مولوی شبلی کو الفاروق لکھنے سے مت روکئے"۔ ہر فرقہ کے لوگوں میں ایسی رواداری پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت علی مرتضےٰ کا قبل از وقت یا بعد از وقت خلیفہ منتخب کیا جانا الگ شے ہے اور حضرت عمر فاروق کی خلافت کی غیر معمولی کامیابی الگ شے۔ قبل اور بعد خلیفہ منتخب کئے جانے کی بابت دو رائیں رکھی جا سکتی ہیں۔ اس سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا کچھ نہیں بگڑتا، لیکن حضرت عمر فاروق کی خدمات کے متعلق ایک ہی رائے رہنی چاہیئے۔ دن کو رات کہنے لگنا ذہنیت خراب کر دیتا ہے۔

آجکل ہو یہی رہا ہے۔ ہر فرقہ دوسرے فرقوں کی خوبیوں سے آنکھیں بند رکھتا ہے اور دوسرے فرقوں کے سر وہ بُرائیاں تھوپتا ہے جو واقعۃً اُن میں نہیں ہوتیں۔

Marfat.com

تبلیغ کے اسلامی اصول

جس طرح انسانی زندگی کے مدارج ہیں - پہلے انسان بچہ ہوتا ہے - پھر جوان - اور پھر بوڑھا - اسی طرح انسانوں کے مجموعہ یعنی انسانی دنیا یا دنیائے انسانیت نے بھی بتدریج ترقی کی ہے - دنیائے انسانیت پر بچپن گزرا ہے - دنیائے انسانیت پر جوانی آئی ہے - اور شاید اب دنیائے انسانیت کو بڑھاپے سے سابقہ ہے - آج بھی جوانی اور بڑھاپے میں بچوں کی سی عقل رکھنے والے انسان موجود ہیں - لیکن انھیں صرف آج کل کے انسانوں کے مقابلہ میں کم عقل یا بے عقل کہا جا سکتا ہے - دو تین ہزار برس پہلے کے انسانوں سے اُن کی عقلیں بھی تیز ہیں - دو تین ہزار برس پہلے تک یہ حال تھا کہ ایک آدھ انسان کبھی کبھار کہیں کہیں غیر معمولی عقل کا پیدا ہو جاتا تھا - لیکن آج اُتنی عقل کے انسانوں سے دنیا بھری پڑی ہے - غرض دنیائے انسانیت کی عقل آہستہ آہستہ بڑھی ہے - جس طرح انسانی افراد کی عقل آج بھی بڑھتی ہے - دوسرے حیوانات

Marfat.com

کی طرح نہیں کہ شروع سے آخر تک اُن کی عقل یکساں رہتی ہے ـ حیوانات کے بچپن، جوانی اور بڑھاپے میں فرق نہیں ہوتا۔ لہٰذا میں تعجب نہیں کرتا جب میں دنیائے انسانیت کے بچپن میں مبعوث ہونے والے پیغمبروں کے اس قسم کے اقوال پڑھتا ہوں" پاک شے کتوں کو نہ دو اور موتی سؤروں کے آگے مت بکھیرو،، مگر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تشریف لائے تو عقل انسانی پختہ ہو چکی تھی۔ تھوڑی تھوڑی آبادیوں کو لے کر خدا کے نیک اور لائق بندوں نے اس لائق بنا دیا تھا کہ اب جو کچھ کہا جاتا اُس کی اچھائی بُرائی لوگ سمجھ سکتے تھے۔ اب دنیا کے گوشہ گوشہ اور قریہ قریہ کی عقل جوان تھی اور دنیا میں عقل کی باتوں سے رشتہ جوڑنے کی صلاحیت آگئی تھی چنانچہ وہی عیسائیت جس کی عام تبلیغ کے خلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا کہ" پاک شے کتوں کو نہ دو اور موتی سؤروں کے آگے مت بکھیرو،، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت عام اشاعت پانے لگی تھی۔

دنیائے انسانیت کے اس درجہ پر پہنچ جانے کے بعد کسی طرح مناسب نہ تھا کہ جس پاک شے کو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کے سامنے پیش کیا تھا اُس سے غیر عرب کو محروم رکھا جاتا۔ اب ساری دنیا

اللہ کا پیغام سن سکتی تھی اور دنیا کی کوئی قوم کُتا یا سُور کہلانے کی مستحق نہیں رہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب و عجم کا فرق نہیں کیا۔ حق کے قبول کرنے کی عزت کو خاص نسلوں اور خاص قوموں کے ساتھ مخصوص نہیں فرمایا بلکہ دنیا کی تمام قوموں کو ایک نظر سے دیکھا اور ہر قوم تک اللہ کے پیغام کا پہنچانا ہر مسلمان پر فرض قرار دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھ لیا کہ اب کسی قوم کے پاس بھی مذہب کو لے جائیے مذہب کی پاکی کو ٹھیس نہیں لگے گی۔ اپنے خیالات دوسروں میں پھیلانا عین فطرت ہے۔ اب یہ فطرت اُبھر چکی تھی اور اپنے لئے پوری وسعت چاہتی تھی۔ آئیے دیکھیں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کام کس طرح انجام دیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمونہ صرف مسلمانوں کے لئے نہیں نامسلمانوں کے لئے بھی مشعل راہ ہو سکتا ہے اور مسلمانوں کے لئے تو اس سے ہٹ کر تبلیغ کرنا تبلیغ کو بدنام کرنا ہے اگرچہ اب مسلمان اس سے ہٹ کر ہی تبلیغ کرتے ہیں[1]۔

---

[1] ۱۸ مئی ۱۹۵۶ء کے صدق جدید، لکھنؤ میں حسب ذیل خط چھپا ہے، جو لکھنے والے نے جناب حکیم عبدالقوی صاحب دریابادی منیجر صدق کے نام لکھا تھا:۔

"دھارواڑ (علاقہ بمبئی) سے اکتالیس میل دور الناور میں چھ مہینے سے

(باقی صہ ۳۰۱ پر)

Marfat.com

حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو طریقہ تبلیغ اختیار فرمایا اس کا

(بقیہ ص ۳۰۰ کا) مسلمانوں کی دو جماعتیں ہو گئی تھیں۔ صوبہ یو۔پی کے ایک مولوی صاحب نے آکر دونوں جماعتوں کی تلخی اور بڑھا دی، یہاں تک کہ دوسری جماعت کے کسی ہمدرد نے اِن مولوی صاحب کے کسی ساتھی کا خون کر ڈالا۔ مولوی صاحب کی جماعت نے اِس کا انتقام یہ لیا کہ دوسری جماعت کے لیڈر کو مع اہل و عیال جلا دیا۔ اُس لیڈر کا خاندان تیرہ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ گویا چودہ مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں رمضان کے بابرکت مہینے میں کام آ گئے۔"

خط چھاپنے کے بعد حضرت مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی؛ مدیر صدق رقم طراز ہیں کہ

"واقعہ کی مزید تفصیلات اخبار سیاست کانپور میں نکلی ہیں۔ خلاصہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ النادر کے امام مسجد دیوبندی عقائد کے تھے۔ کہیں بریلوی عقائد کے بھی کوئی صاحب پہونچ گئے اور اُن کا رنگ ایسا جما کہ مسجد کی امامت اُنہیں مل گئی۔ امام معزول کے ایک عزیز نے نئے امام کے ایک معتقد کے چھرا گھونپ دیا۔ جس سے وہ مرگیا۔ نئے امام کے آدمیوں نے امام معزول کے گھر کو آگ لگا دی۔ پولس کے کُل تین سپاہی موجود تھے وہ اور چند شریف ہندو بیچ بچاؤ کے لئے دوڑے۔ مگر ان کی کون سنتا تھا۔ پولس کانسٹبلوں نے ریلوے اسٹیشن سے ٹیلیفون کیا اور کپتان پولس کو اطلاع دی۔ کپتان پولس اور فائر بریگیڈ آئے۔ لیکن اُن کے آتے آتے امام معزول کا مع خاندان کے بوڑھوں اور بچوں کے خاتمہ ہو چکا تھا۔

(باقی صفحہ ۳۰۲)

Marfat.com

نتیجہ یہ تھا کہ انتہائی موانع ومشکلات کے باوجود محض تیئیس سال کے اندر کُل عرب کو اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ وفات کے وقت پورے ملک میں ایک شخص نہ تھا جو آپ کا حلقہ بگوش نہ بن گیا ہو۔ بے خبر کہتے ہیں کہ تلوار کے زور سے یہ سب کیا گیا۔ لیکن بقول کارلائل "یہتے اور یکہ وتنہا اسلام کے ہاتھ میں یہ تلوار کس کے زور سے آئی تھی؟ تبلیغ کا پہلا اسلامی

(بقیہ صہ ۳۰۱ کا) صورت واقعہ بعینہ یہی ہو یا تھوڑی بہت مختلف، بہرحال جو بھی ہوا، نتیجہ کا ہے کا ہے۔ محض ایک فریق کے خلاف دوسرے فریق کے شدید تعصب کا۔ ثمرہ تمام تر اختلافی جزئیات پر حد سے زیادہ زور دینے کا۔ اندھی اور جاہلی اور ستمگرانہ ذہنیت کا، جس کے لئے "مولویت" کا فی بدنام ہے اور جس کے نزدیک شاید ہر بدعت۔ ہر ضلالت اور ہر وہابیت کا مجرم واجب القتل ہی ہے۔ خاص شہر بمبئی میں ایک مقدمہ مہینوں سے چل رہا ہے۔ جس میں مسلمانوں کے ہاتھوں مسجد کے اندر ایک مسلمان کی جان گئی تھی اور متعدد مسلمان زخمی ہوئے تھے۔ اب اس واقعہ نے جو بمبئی کے واقعہ سے بھی زیادہ ہولناک ہے مسلمانوں کو غیروں کے سامنے سر اُٹھانے کے قابل نہیں رکھا۔" (صدق جدید)

اور یہ حالت بھارت کے مسلمانوں کی ہے، جنھیں متحد رہنے کی غیر معمولی ضرورت ہے۔

(واحدی)

Marfat.com

اصول اپنے دماغ کو قابو میں رکھ کر نرمی سے بات کرنا ہے۔

دوسرا اصول ہے مخاطب سے اُس کی خیر خواہی اور فائدہ کی بات کرنا۔ تیسرا اصول ہے مخاطب کے استدلال کا ایسا رد کہ اُس پر اُس کی غلطی عیاں ہو جائے۔ اُس کی آنکھیں کُھل جائیں۔ اُس کے آگے سے پردے ہٹ جائیں۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام فرعون جیسے باغی کو سمجھانے چلتے ہیں تو حکم ہوتا ہے" ملائمت سے بات کرنا۔ شاید نصیحت مان لے اور ہم سے ڈر جائے"۔

اِذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ۔ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ۔

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ اُس نے ہم سے سرکشی کی ہے۔ لیکن نرمی سے بات کرنا۔ شاید نصیحت مان لے اور ہم سے ڈرے

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے تو اللہ تعالےٰ نے تبلیغ کا ضابطہ مقرر فرما دیا۔

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔

اپنے رب کی طرف لوگوں کو دماغ سے کام لے کر اور مخلص دل کے

Marfat.com

ساتھ نیک و بد سمجھا کر بلاؤ اور اُن کے اعتراضوں کا جواب دو تو ایسا دو کہ اُنھیں خوشگوار معلوم ہو۔

سختی سے بات کی جائے تو کیسی بھی سچی اور اچھی بات سہی سننے والے پر اُس کا بُرا اثر پڑتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو لوگ دھوکے دیتے تھے۔ وہ حقیقتاً مسلمان نہیں ہوتے تھے مگر کہتے تھے، ہم مسلمان ہیں، اور وقت پر دغا دے جاتے تھے۔ ذرا ملاحظہ کیجے اللہ تعلےٰ اُن سے کیا سلوک کرنے کی ہدایت فرماتا ہے:۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِیْغًا۔

اے محمدؐ اُن سے درگزر کرو اور اُنھیں سمجھاؤ اور ایسی باتیں کہو کہ اُن کے دل میں جگہ کریں۔

حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے پوچھا۔ حضرت نحوست کسے کہتے ہیں" آپ نے فرمایا۔ بد خُلقی کو۔ بد خُلق جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

اخلاق پر گفتگو کرتے ہوئے ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد کیا:۔"جب تک تم اللہ کی مخلوق پر رحم نہیں کھاؤ گے اُس وقت

Marfat.com

نظام المشائخ کراچی

تک تمہارا ایمان ناقص رہے گا — صحابہ نے عرض کیا۔ "ہم سب پر رحم کھاتے ہیں"۔ حضرت ﷺ نے فرمایا۔ "اِسے رحم نہیں کہتے کہ کوئی شخص اپنے دوستوں پر رحم کرے۔ میری مراد اُس رحم سے ہے جس کا تعلق عام مخلوق سے ہے۔ "الخلق عیال اللہ" تمام مخلوق اللہ کی عیال ہے۔ اور اللہ کے نزدیک ایسی ہے جیسے باپ کے نزدیک اُس کی اولاد"۔

یہ تو میں نے اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ کی بابت عرض کیا۔ اب مَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ کا حال سنئے۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے:۔

وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ تم دیکھتے نہیں۔ خود تمہارے وجود میں اللہ کی یکتائی کی علامتیں موجود ہیں۔

وَکَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْھَا وَھُمْ عَنْھَا مُعْرِضُوْنَ ٥

آسمانوں اور زمین میں کس قدر علامات وحدانیت ہیں۔ جن پر لوگ غور نہیں کرتے اور ان پر سے آنکھیں بند کئے گزر جاتے ہیں۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔

عقل سے کام لو تو آسمانوں اور زمین کی بناوٹ اور رات اور دن

جولائی ۱۹۸۵ء

Marfat.com

کا پلٹ پلٹ کر آنا جانا بتاتا ہے کہ کوئی بڑی ذات اس کارخانۂ عالم کو چلا رہی ہے۔

وَلَہٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ کَرْھًا وَّاِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ ○

خوشی سے یا مجبوری سے چلنا سب کو خدا کی مرضی کے مطابق ہی پڑتا ہے۔ وہ آسمانوں کی مخلوق ہو یا زمین کی مخلوق۔ یہاں تک کہ جب جان مانگی جاتی ہے تو جان دینے سے انکار نہیں ہوتا۔ ایک ایک کر کے سب ایک روز اس کے پاس واپس پہنچ جائیں گے۔ اور دیکھ لیں گے کس نے ہمیں پیدا کیا تھا۔

کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ۔

خدا کا انکار کرنے کی تمہیں کیسے جُرأت ہوتی ہے۔ تم بے جان تھے۔ اُس نے تم کو جان دی۔ اور ایک روز پھر جان نکال لے گا اور پھر زندگی بخشے گا۔ جو بے جان کو ایک دفعہ جان دار بنا سکتا ہے اسے موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔

غرض اس طرح بار بار اللہ کے وجود اور اللہ کی وحدانیت کی طرف اسلام توجہ دلاتا ہے۔ اور یہ سب سے بڑی خیر خواہی اور سب سے

جولائی ۵۶ء

نظام المشائخ۔ کراچی

Marfat.com

بڑی فائدہ کی بات منوا کر زندگی کی باگ اللہ کے سپرد کر دیتا ہے۔ زندگی ہی نہیں، موت کی باگ بھی۔ جس طرح اللہ کہے اس طرح زندہ رہو اور جس طرح اللہ کہے اس طرح مرو۔ اللہ کے لئے جیو اور اللہ کے لئے مرو۔ نفس کے بندے نہ بنو۔ بلکہ ضرورت پڑے تو دوسروں کے لئے اپنا نفس قربان کر دو۔ اپنے ہر عمل کو اللہ کے حکم کے ماتحت کر دینے یا یوں کہئے کہ اللہ کے حکم سے اپنے ہر عمل کو جوڑ دینے سے عمل میں وہ بجلی دوڑ جاتی ہے جو اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کو حرف بحرف حق ثابت کر دکھاتی ہے۔ بس اس کنکشن کا ملا دینا ہی بڑی خیر خواہی اور بڑی فائدہ کی بات ہے۔

اس کنکشن کے ملنے کے بعد ہی انسان ایسے احکام مان سکتا ہے اور ان کی خوبی اور اچھائی سمجھ سکتا ہے اور ان کے مطابق عمل کر سکتا ہے کہ اے مسلمانو! انصاف پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو اور خدا لگتی گواہی دو یہ گواہی تمہارے اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کے بھی خلاف کیوں نہ پڑے۔ ان میں کوئی مالدار یا محتاج ہے تو اللہ سب سے بڑھ کر ان کی دیکھ بھال کرنے والا ہے۔ تم ان کی خاطر اپنے نفس کی پیروی نہ کرو اور حق سے منحرف نہ ہو۔ اور اگر دبی زبان سے گواہی دو گے یا گواہی دینے ہی سے پہلو تہی کرو گے تو جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

Marfat.com

کیوں کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ باخبر اور آگاہ ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰی بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰی اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوُوْا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا۔

تبلیغ کا پہلا اسلامی اصول میں نے عرض کیا، دماغ کو قابو میں رکھ کر نرمی سے بات کرنا۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ۔ دوسرا اصول میں نے بتایا مخاطب سے اُس کی خیر خواہی اور فائدہ کی بات کرنا، یعنی موعظ حسنہ۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ تیسرا اصول ہے مخاطب کے استدلال کا ایسا رد کہ مخالف اپنی غلطی مان لے۔ ایسا رد نہیں کہ مخالف اور بھڑک جائے۔ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ مباحثہ میں زیادہ سے زیادہ سختی جو برتی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ۔ کہہ دو "دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ صحیح راستہ غلط راستہ سے الگ ہو چکا" تم جو راستہ چاہو اختیار کرو۔ حضور

نظام المشائخ کراچی

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا۔ أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ۔

تیرا رب چاہتا کہ زبردستی منوا لیا جائے تو زمین میں ایک شخص نہ رہتا جو اُسے نہ مانتا۔ پھر تجھے کہاں زیبا ہے اے پیغمبر کہ تو لوگوں پر زبردستی کرے کہ وہ ایمان لے ہی آئیں۔ فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا۔ إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ۔ اگر لوگ اسلام قبول نہ کریں تو ہم نے تجھے اے پیغمبر ان پر گماشتہ بنا کر نہیں بھیجا ہے۔ تیرا کام فقط پیغام پہنچا دینا ہے۔

حضورؐ نے اللہ کے ایک ایک حکم پر عمل کر کے دکھایا۔ حضورؐ کا چلنا پھرنا۔ حضورؐ کا اُٹھنا بیٹھنا۔ حضورؐ کا سونا جاگنا سب میں تبلیغی شان تھی، بہ حیثیت شوہر۔ بہ حیثیت باپ۔ بہ حیثیت ساتھی۔ بہ حیثیت عابد و زاہد۔ بہ حیثیت امام و حاکم۔ بہ حیثیت سپہ سالار۔ بہ حیثیت کشور کشا، غرض جملہ حیثیات میں اپنا نمونہ پیش کیا ـــــ اور بہ حیثیت مبلغ انسان کو کیسا ہونا چاہیئے، اِسے بھی ہم اِس تبلیغ مجسم اور پیکر عمل میں پاتے ہیں۔

۱۲
جولائی ۱۹۵۷ء

Marfat.com

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

حق بات اختیار کرنے کے لئے کہنا اور اس کے کہنے میں کچھ تکلیف پہنچے تو اُس پر صبر سے کام لینا مسلمان کی شان ہے۔ یہ مسلمانوں کا شعار رہا ہے۔ اور جو شخص حق بات اختیار کرنے کو کہے گا وہ بُری بات کرنے سے روکے گا بھی۔ اِسی کا نام امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے،

جس طرح اعزّا و احباب آپس میں ایک دوسرے کو مشورے دے دے کر مادّی ترقیوں کے راستے پر لگاتے ہیں۔ یا جس طرح طالب علم مل مل کر اُستاد کا بتایا ہوا سبق دُہراتے ہیں اور امتحان کی تیاری کرتے ہیں، اِس طرح قدیم مسلمان آپس میں ایک دوسرے کا احتساب کیا کرتے تھے اور ایک دوسرے کو رُوحانی ترقیوں کے راستے پر لگائے رکھتے تھے اور حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سکھلائے ہوئے سبقوں کو یاد دلاتے رہتے تھے اور امتحانِ آخرت کی تیاری کرتے رہتے تھے۔ مثلاً کوئی صاحب دو چار وقت نماز پڑھنے مسجد میں

Marfat.com

نہیں آئے تو اُن کے ہاں پہنچ گئے اور اُن سے پوچھا "طبیعت کیسی ہے، خیریت تو ہے۔ کئی وقت سے نماز میں نہیں دیکھا"۔ یا کسی نے غیبت کی تو کہا "بھائی ہم خود گناہگار ہیں۔ اوروں کو کیا کہیں۔ انبیا کے سوا غلطی سے کون پاک ہے۔ اللہ تعالےٰ سب مسلمانوں کے عمل ٹھیک کرے اور ہمیں بھی نیکی کی توفیق عطا فرمائے"۔ غرض خوش اسلوبی سے غیبت کرنے والے کو توجہ دلا دی کہ تم غیبت کر رہے ہو۔ علیٰ ہذا قدیم مسلمان ہر بدی کی جگہ نیکی کو قائم کرتے تھے۔ یہ عمل نماز روزے اور مشہور نیکیوں اور بدیوں کے ساتھ مختص نہیں تھا۔ قدیم مسلمانوں نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعہ جملہ قسم کی بداخلاقیوں اور بدمعاملگیوں کا قلع قمع کر دیا تھا۔ صحابہ کرام کی شان میں ہے:۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ تم بہترین ملت ہو۔ تمہیں نوع انسانی کی بھلائی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ایک حدیث ہے۔ حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم فرماتے ہیں:۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ یا تو تمہیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا پڑے گا اور تم بدکار کا ہاتھ

نظام المشائخ - کراچی
۱۵
جولائی ۱۹۶۹ء

Marfat.com

پکڑ لو گے اور اُسے حق کی طرف پھیر دو گے یا پھر اللہ کے قانون فطرت کا یہ نتیجہ ظاہر ہو گا کہ بدکاروں کا اثر تمہارے قلوب قبول کر لیں گے اور تم اُن جیسے ملعون بن جاؤ گے۔

تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ عہد صحابہ تک محدود نہیں رہا۔ بہت بعد کے مطلق العنان مسلمان بادشاہوں کی بابت اس قسم کی بے شمار روایتیں ملتی ہیں کہ وہ اہل اللہ سے خود درخواست کیا کرتے تھے کہ ہمیں نصیحت کیجیے۔

لیکن امر بالمعروف و نہی عن المنکر نماز روزے کی نوعیت اور درجہ کا فرض نہیں ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والا کسی جگہ ایک بھی نہ رہے تو بیشک وہاں کے سارے مسلمان پکڑے جائیں گے۔ ورنہ حکم یہ ہے کہ (ہر جگہ) تم میں ایک جماعت ہونی چاہیئے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور اچھے کاموں کا حکم کرے اور بُرے کاموں سے روکے۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

سارے کے سارے مسلمان اس جماعت کے فرد کہلانے کے اہل بن جائیں تو سبحٰن اللہ۔ عہد صحابہ میں یہی صورت تھی۔ مگر آج کل یہ

صورت ممکن نہیں ہے۔ اور علیم و خبیر اللہ نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو آج کل ہی جیسے حالات کو مد نظر رکھ کر فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ اہل ہوئے بغیر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرض اپنے ذمے لینا ایسا ہے جیسے نادان بچے نے اُسترا اُٹھا لیا۔ یا کوئی بے عقل شراب کے دھبے کو نجس پانی سے دھونے لگا۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے کی اہلیت ہونی چاہیئے اور سخت گیری اور سختی[ل] تو فقط اسلامی حکومت کے مقرر کردہ محتسب ہی کر سکتے ہیں۔ احتساب یا امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے یہ شرط کہ انسان جس بات کی تلقین کر رہا ہو اس پر خود پورا پورا عامل ہو، اتنی ضروری نہیں ہے جتنی یہ شرط ضروری ہے کہ تلقین کی اہلیت ہو اور تلقین میں نفسانیت اور سختی کی چھینٹ نہ آنے پائے۔ غیر سرکاری احتساب جیسا میں اوپر لکھ چکا ہوں بالکل دو دوستوں یا دو عزیزوں کا سا احتساب ہونا چاہیئے۔ آپس میں طے کر لیا جائے کہ ہم ایک دوسرے کو صحیح راہ پر چلائیں گے اور بُری راہ سے بچائیں گے۔ اس کے لئے حُسن خلق اور اخلاص کی زیادہ ضرورت

ل جتنی غیر اسلامی قوانین کی تعمیل کرانے میں سخت گیری اور سختی کی ضرورت پڑتی ہے اتنی اسلامی قوانین کی تعمیل کرانے میں سخت گیری اور سختی کی ضرورت نہیں پڑا کرتی تھی۔ مسلمان اللہ کے قوانین کی تعمیل کیلئے خود آمادہ رہتے ہیں،

Marfat.com

ہے اور اس کی کم کہ جس امر کی تلقین کی جا رہی ہے اس پر تلقین کرنے والا کتنا عامل ہے۔ تلقین کرنے والا یہ دعوے کیوں کرے کہ میں معصوم ہوں، یہ دعوت دے کہ میں نے تمہیں راستہ دکھایا، تم مجھے راستہ دکھاؤ۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ۔ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو نیکی کرنے کو کہتے ہیں اور بدی کرنے سے روکتے ہیں۔

حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے صحابہ نے دریافت کیا کہ ہم خود کسی بات کے پورے پابند نہ ہوں تو اس کے لئے دوسروں سے کہیں یا نہ کہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ضرور کہو۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اپنے آپ بھی تو نیکی ہے[1]۔ ہاں جس بارے میں احتساب کیا جائے اس کا پورا پورا علم لازمی ہے (الل ٹپ احتساب نہ کیا جائے)

---

[1] امر بالمعروف و نہی عن المنکر مومنین کا وصف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔ مومنوں کی حالت یہ ہے کہ اگر ہم نے انھیں زمین پر تسلط عنایت کیا تو یہ نظامِ صلوٰۃ قائم کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے اور نیکی کرنے کا حکم کریں گے اور بدی کرنے سے روکیں گے۔

Marfat.com

اور دوسری چیز لازمی ہے نرمی اور حلم (بطور للّٰہیت اور عدم نفسانیت تو خیر لازمی ہے ہی)

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی کی بابت بیان کیا گیا کہ وہ کہتا ہے جب تک انسان اپنے آپ کو نیکی کا مجسمہ نہ بنالے دوسروں کا احتساب نہ کرے۔ خواجہ حسن بصریؒ بولے۔ شیطان نے اُسے گمراہ کردیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ احتساب کا دروازہ بند ہوجائے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ محتسب کھلم کھلا اور دھڑلے سے گناہ کرتا پھرے۔ ایسے شخص کی نصیحت تو بالکل بے اثر رہے گی۔ ناقص ناقص کو کیا کامل بنائے گا۔ خواجہ حسن بصریؒ کا منشا یہ ہے کہ قطعی معصوم کوئی غیر نبی نہیں ہوسکتا۔ اور بس۔ بعض احتساب اس نوعیت کے ہیں کہ فاسق پر بھی واجب ہیں۔ مثلاً فاسق دیکھے کہ چند آدمی فساد کرانے کے درپے ہیں تو اُسے یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ میں فاسق انھیں بھلا کیسے روکوں۔ نہیں اُسے روکنا چاہیئے۔ ویسے یہ اچھا یقیناً ہے کہ محتسب کے اعمال عام لوگوں سے فائق ہوں، اور محتسب زبان و قلم سے زیادہ اپنے کیرکٹر سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرے۔ حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ معراج کی رات مجھے ایک جماعت دکھائی گئی جن کے ہونٹ آتشیں مقراضوں سے کترے جارہے تھے۔ میں نے پوچھا۔ یہ کون لوگ ہیں۔

Marfat.com

جواب ملا - یہ وہ ہیں جو دوسروں کو نیکی کی تلقین کیا کرتے تھے اور خود بدعمل تھے - ایک مشہور وحی ہے جو اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسٰے علیہ السلام پر نازل کی تھی کہ "اے ابن مریم! پہلے اپنے آپ کو نصیحت کر - جب خود نصیحت پر عامل ہو جائے تب دوسروں کو نصیحت کر ورنہ تجھے میرے سامنے شرم آنی چاہیئے" برف دوسری چیز کو خوب ٹھنڈا کر سکتی ہے اور آگ دوسری چیز کو خوب گرمی پہنچا سکتی ہے،

احتساب کے لئے ٹوہ میں رہنا درست نہیں ہے - کوئی شخص شراب کو چھپا کرے جا رہا ہو تو گمان کی بنا پر اُس کی تلاشی نہیں لی جا سکتی - وہ اپنے عیب کو عیب خیال کرتا ہے تو اُس کا یہ خیال باقی رکھو - ممکن ہے تلاشی لینے کے بعد تمہارا گمان تو غلط نکلے اور اُسے ضد ہو جائے اور وہ سچ مچ شراب پی بیٹھے، گناہ کا تجسس گناہ ہے -

حضرت عمر فاروق رض کا واقعہ سُنا ہو گا، حضرت کو ایک مکان کی نسبت شبہ گزرا کہ اس میں کوئی خلاف شریعت کام کیا جا رہا ہے - حضرت مکان کی چھت پر چڑھ گئے - دیکھا کہ واقعی دو عورت مرد بیٹھے شراب پی رہے تھے - حضرت نے اکابر صحابہ سے مشورہ فرمایا کہ اُس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے جسے حاکم بہ چشم خود گناہ کرتے دیکھ لے - حضرت علی مرتضےٰ رض نے کہا - حد جاری کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ

Marfat.com

کا حکم صاف موجود ہے کہ دو عادل گواہ گواہی دیں۔ ایک کی گواہی کافی نہیں ہے، وہ ایک گواہ خواہ خلیفہ کیوں نہ ہو۔

غرضکہ احتساب کے لئے چُھپ چُھپ کر عیب نہیں دیکھنے چاہئیں یا ہمسایوں سے نہیں پوچھنا چاہیئے کہ فلاں شخص میں فلاں عیب ہے یا نہیں۔ عیب محتسب کے علم میں سیدھے سبھاؤ بغیر تجسّس کے آجائے تو احتساب کیا جائے۔ ایک حدیث ہے: لم اؤمر ان اشق عن قلوب الناس ولا عن بطونهم۔ مجھے لوگوں کے دل چیر کر دیکھنے اور لوگوں کے بطون کے پیچھے پڑنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔

نیز مسلمانوں کے مسلّمہ فرقوں میں جو عمل مختلف کئے جاتے ہیں اُن پر بھی ایک فرقہ والا دوسرے فرقہ والے کا احتساب نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اِس سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔

آپس کے علاوہ غیر مسلموں کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے میں بھی نفسانیت کی آمیزش گناہ ہے۔ مسلموں کو مسلمان چراغ۔ لیمپ۔ بجلی کے قمقمے یا چاند کی طرح روشنی پہنچائے تو غیر مسلموں کے واسطے آفتاب جیسا فیاض بن جائے۔ حضرت علی مرتضیٰ کا واقعہ یاد کیجیے

Marfat.com

کہ حضرتؓ نے کافر پر قابو پا کر کافر کو چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ کافر نے حضرتؓ کے منہ پر تھوک دیا تھا اور حضرتؓ کے دل میں للّٰہیت کے ساتھ نفسانیت شامل ہو گئی تھی۔ للّٰہیت کی حدود سے باہر قدم نکالنے کی اسلام ہرگز ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ نفسانیت کے ماتحت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا عذاب مول لینا ہے اور للّٰہیت سے احتساب کرنے میں اگر جان بھی جاتی رہے تو جاتی رہے۔ آداب احتساب میں صبر کو بڑا دخل ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص رنج ومصیبت میں صبر نہیں کرتا وہ احتساب نہیں کر سکتا۔

کعب الاحبارؒ نے ابومسلم خراسانیؒ سے پوچھا۔ کہو قوم میں کیسی گزرتی ہے۔ کہا۔ اچھی گزرتی ہے، کعب الاحبارؒ نے کہا۔ توریت میں تو لکھا ہے۔ محتسب اپنی قوم میں ذلیل وخوار رہتا ہے۔ ابومسلم خراسانی نے جواب دیا۔ ابومسلم کی زبان سے جھوٹ نکل گیا تھا کہ اچھی گزرتی ہے۔ توریت میں صحیح لکھا ہے۔ لیکن یہ باتیں بعد کی ہیں۔ ابتدا میں لوگ احتساب سے ممنون ہوتے تھے، بعد کے زمانے میں تو ہمارا زمانہ بھی ہے کہ نہ احتساب کرنے والے احتساب کرنا جانتے ہیں اور نہ احتساب برداشت کیا جاتا ہے۔[1]

---

[1] تمام اسلامی شعاروں کی طرح امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا رنگ بھی بہ تدریج (باقی ص ۳۱۹ پر)

Marfat.com

پہلے مسلمان مطلق العنان سلاطین کا احتساب کیا کرتے تھے اور مطلق العنان سلاطین احتساب کو قبول کر لیتے تھے یا اس قدر بانکے جواب دیتے تھے کہ احتساب کرنے والا شرمندہ ہو جاتا تھا۔

کسی نے خلیفہ مامون الرشید عباسی سے سخت لہجے میں احتساب کیا۔ خلیفہ نے کہا:۔ تم سے بہتر شخص (حضرت موسےٰ علیہ السلام) کو مجھ سے بدتر شخص (فرعون) کے پاس بھیجتے وقت اللہ تعالےٰ نے فرمایا تھا کہ فرعون کو نرمی سے سمجھانا۔ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا۔

حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں ایک نوجوان حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ مجھے زنا کی اجازت دے دیجئے..... صحابہ اُسے مارنے دوڑے کہ کیسی بیہودہ درخواست کرتا ہے...... حضورؐ نے سب کو روکا اور نوجوان کو اپنے قریب بٹھالیا اور پوچھا۔ کیوں بھئی کوئی اگر تمھاری ماں سے زنا کرنا چاہے تو تم پسند کروگے؟ نوجوان نے عرض کیا، نہیں۔ حضورؐ نے پوچھا، اچھا بیٹی۔ بہن۔ خالہ۔ پھوپی کسی کے ساتھ بھی زنا ہونا تمہیں گوارا ہوگا؟۔ نوجوان نے کہا۔ نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، تو پھر تم کیوں دوسرے کی ماں۔ بہن۔ بیٹی سے

(بقیہ صہ ۳۱۸ کا) بدلا ہے۔ یہ تو آپ میں سے بہت سوں نے دیکھا ہوگا کہ گلی کوچوں کے بزرگ چھوٹوں کو غلطی پر ٹوک دیا کرتے تھے اور چھوٹے اُن کی نصیحت سر جھکا کر سنتے تھے۔

Marfat.com

زنا کرنا چاہتے ہو۔ نوجوان کی آنکھیں کھل گئیں اور اُس نے پھر عمر بھر زنا کا نام نہیں لیا۔

احتساب کی خوبی یہ ہے کہ جس کا احتساب کیا جائے وہ سمجھے کہ میرا باپ یا میرا بھائی مجھے انتہائی دل سوزی سے سمجھا رہا ہے۔ محتسب کو اللہ کا وہ حکم جو اللہ نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کو دیا تھا اور حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ طرز عمل جو حضورؐ نے نوجوان کے ساتھ برتا ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ احتساب میں بدتمیزی ناجائز ہے۔ باقی محتسب کو خطرات کے لئے تو تیار رہنا ہی پڑتا ہے، اُس کی نیت بخیر ہو تو خطرات میں محتسب کو روحانی لطف ملتا ہے اور حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اُس سے افضل کوئی شہید نہیں جو بادشاہ کا احتساب کرنے کی وجہ سے مارا جائے۔

لوگ یہ آیت پڑھ دیا کرتے ہیں کہ لَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ اس آیت کا مطلب غلط سمجھا جاتا ہے۔ خطرات تو بات بات میں ہیں۔ کس کس خطرے سے بچے گا، خطروں کے ڈر سے چھپا بیٹھا رہنا خطروں کو دعوت دینا ہے۔ اِس آیت کا مطلب ہے بقول

Marfat.com

حضرت ابن عباس رض :- اللہ کے راستے میں جان و مال کو خطرے میں نہ ڈالو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ بقول حضرت براء بن العازب رض :- اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کرنا یہ ہے کہ انسان گناہ کئے جائے اور کہے جائے کہ اللہ مجھ جیسے گنہگار کی توبہ قبول نہیں کرے گا۔ لہذا گناہ چھوڑنے سے کیا حاصل۔ بقول حضرت ابو عبیدہ رض :- اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کرنا یہ ہے کہ انسان گناہ کے بعد نیکی نہ کرے۔ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ کا مطلب وہ ہوتا جو آج کل لیا جاتا ہے تو مسلمان کئی کئی گنے دشمنوں سے کبھی نہ لڑتے۔ اگر یکہ و تنہا مسلمان دشمن کی صف میں گھس جائے تو اس کی شہادت تو یقینی ہے۔ لیکن اسے دشمن پر مسلمانوں کی بہادری کا سکہ جمانے کا ثواب عطا ہوگا۔ اس کی سزا نہیں دی جائے گی کہ جان بوجھ کر ہلاکت میں کیوں پڑا تھا۔ تاہم امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے میں جان جانے کا خطرہ ہو اور نتیجہ نکلنے کی مطلق توقع نہ ہو بے شک ایسا امر بالمعروف و نہی عن المنکر فضول ہے۔ "مطلق توقع نہ ہو" کے الفاظ کا دھیان رکھئے گا۔ میں نے احتمال نہیں کہا ہے۔ احتمال تو رہا ہی کرتا ہے۔ احتمال نہیں یقین ہو کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے سے جان جاتی رہے گی اور نتیجہ کچھ نہیں نکلے گا تب امر بالمعروف و نہی عن المنکر ترک کر جانا چاہئے یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے سے اہل و عیال کی جان جاتی دکھائی دے تب بھی رکنا چاہئے۔ اپنی جان کو

خطرے میں ڈالا جاسکتا ہے۔ اہل و عیال کی جان کو خطرے میں نہیں ڈالا جاسکتا۔

احتساب سے پہلے بتانا چاہیئے کہ فلاں کام بُرا ہے۔ ممکن ہے ایک انسان کام کی بُرائی سے واقف ہی نہ ہو۔ جیسے گنوار نماز پڑھتے میں رکوع و سجود ٹھیک طریقے سے نہ کرے تو اُسے سکھانا چاہیئے۔ اُس پر فوراً اعتراض نہیں جڑ دینا چاہیئے۔

نصیحت کرتے وقت غصہ دکھانا نہایت مذموم ہے۔ نصیحت نرمی سے کی جاتی ہے۔ اسلامی حکومت ہو اور حد جاری کرنے کی نوبت آجائے تو بھی غصے سے کام نہ لینا چاہیئے۔ جو کچھ کیا جائے خالص اللہ کے واسطے کیا جائے۔ اپنے نفس اور اپنی مشیخت کی خاطر نہ کیا جائے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض انجام دینا بڑے نازک مرحلے سے گزرنا ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے میں ذرا سی نفسانیت اور مشیخت آئی اور دوزخ میں پہنچے۔ لوگ عموماً اپنے علم۔ اپنی بزرگی اپنے اقتدار اور اپنی فوقیت کے اظہار کے لئے احتساب کیا کرتے ہیں۔ اُنہیں گمان ہوتا ہے کہ وہ بڑے تابع شریعت ہیں۔ لیکن حقیقتاً وہ اتباع شریعت نہیں کرتے۔ اتباعِ نفس کرتے ہیں اور اُس شخص سے بڑھ کر گناہ کما لیتے ہیں جس کا احتساب کیا ہے۔ احتساب غور و تامل کرکے کر

Marfat.com

چاہیئے - اندھا دھند نہیں کرنا چاہیئے - جس طرح نماز پڑھنا - روزہ رکھنا - زکوٰۃ دینا - حج کرنا اور اپنے کسی قول و عمل میں اللہ کے حکم اور منشا کو نہ بھولنا اور اللہ کے قانون و حدود سے باہر قدم نہ نکالنا عبادت ہے اسی طرح احتساب ایک عبادت ہے - دوسری تمام عبادتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا پابند اللہ کا مطیع و فرماں بردار ہے اور عبادتِ احتساب سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود ہی مطیع و فرماں بردار نہیں ہے دوسروں سے بھی اطاعت و فرماں برداری کراتا ہے - اللہ کا کارندہ ہے، لہذا قانون شریعت کی پابندی کرانے والے سرکاری محتسبوں تک کے دل و دماغ عام قوانین کی پابندی کرانے والے کارندوں اور عُمّال سے مختلف ہونے چاہئیں -

حیات سرور کائناتؐ، حصّہ دوم کی تیاری کے وقت وہی تمام کتابیں پیش نظر رہی ہیں جو حیات سرور کائناتؐ، حصّہ اوّل کی تیاری کے وقت پیش نظر تھیں - صرف ترجمان السنۃ مصنفہ مولانا بدر عالم مہاجر مکی کا اضافہ ہوا ہے اور یہ مضمون (امر بالمعروف و نہی عن المنکر) حضرت امام غزالی رح کی کتاب کیمیائے سعادت کی مدد سے لکھا گیا ہے،

(واحدی)

نظام المشائخ - کراچی

19

جولائی ۵۸ء

ختم نبوّت

اِس قسم کے واقعات آپ نے متعدد بار دیکھے یا سُنے ہوں گے کہ انسان کے بچے کو جانور اُٹھا کر لے گیا۔ وہ بچہ جانوروں میں پلتا رہا اور انسان کی بجائے جانور بن گیا۔

پچھلے ہی دنوں بھارت سے خبر آئی تھی کہ گیارہ بارہ برس کا ایسا بچہ لکھنؤ کے قریب ہاتھ لگا ہے جو چاروں ہاتھ پاؤں پر چلتا ہے۔ کچا گوشت بہ رغبت کھاتا ہے اور پکے گوشت سے گھبراتا ہے۔

جانوروں میں جتنی عقل ہوتی ہے، جانوروں میں نشوونما پانے والے انسان اُس سے بھی خالی رہ جاتے ہیں۔ جانوروں کو پیدا ہوتے ہی عقل مِلا کرتی ہے۔ پھر وہ بڑھتی نہیں۔ انسان کو ماحول سے عقل سیکھنی پڑتی ہے۔ ماحول اچھا میسر آئے تو انسان انسان بن جاتا ہے، فرشتوں سے اونچا، ورنہ حیوان رہ جاتا ہے، بلکہ حیوان سے بدتر۔ بَلْ ھُمْ اَضَلّ۔

Marfat.com

نظامِ المشائخ - کراچی

جس طرح انسانی افراد کی عقل ترقی کرتی ہے اسی طرح انسانی نوع کی عقل نے ترقی کی ہے۔ نوعِ انسانی نے طفلی کا دور گزارا ہے۔ نوعِ انسانی نے جوانی کا دور گزارا ہے۔ اور چودہ سو برس سے نوعِ انسانی پختگی کا دور گزار رہی ہے۔

دورِ طفلی کے نمونے دیہاتوں میں آج تک نظر آسکتے ہیں۔ جوانی دوانی کی مثالیں بڑے شہروں میں موجود ہیں۔ اور پختگی کا تو خیر دور دورہ ہی ہے۔

نوعِ انسان کے دورِ جوانی کے چند حکما مشہور ہیں، ارسطو، افلاطون وغیرہ۔ آج ارسطو اور افلاطون جیسے خدا معلوم کتنے ہیں، جو ارسطو اور افلاطون کے کان کترتے ہیں۔

فقط نبیوں کی شخصیت ایسی تھی، جنھیں خالقِ کائنات ماحول سے بے نیاز کر دیتا تھا۔ نبی ماحول کے رنگ میں نہیں رنگے جاتے تھے۔ بلکہ اللہ تعالےٰ انھیں ماحول کو اپنے رنگ میں رنگنے کی طاقت عطا فرماتا تھا۔ انسانوں میں سے بعض انسانوں کو اللہ تعالےٰ اس کام کے لئے چُن لیتا تھا کہ نوعِ انسان کی تربیت کریں اور منشاءِ الٰہی کے مطابق ماحول کو ڈھالیں اور ماحول کو ترقی دیں۔ آگے بڑھائیں۔ آج نوعِ انسان جو کچھ جانتی ہے اُس جاننے کی بنیاد نبیوں کے ہاتھوں رکھی

۲۱
جولائی ۱۹۸۰ء

گئی تھی۔ ہمارے جسم کی آنکھیں سورج کی روشنی کی محتاج ہیں اور ہماری عقل کی آنکھیں بیکار رہ جاتیں اگر وحی کی روشنی اُن کی رہنمائی نہ کرتی۔[۵۱] ابتداءً ایسے نبی مبعوث ہوئے جیسے نوع انسان کے دور طفلی میں ہونے چاہیئے تھے۔ یا اُنھوں نے نوع انسان کو اس طرح سبق پڑھائے جس طرح دَور طفلی میں پڑھانے چاہیئے تھے۔ پھر وہ نبی آئے اور وہ تعلیمی کورس لائے جو نوع انسان کے دَور جوانی کے لئے موزوں و مناسب تھا۔[۵۲]

---

۵۱ ہمارے زمانے میں عقلیت کا بہت زور ہے۔ یہ عقلیت کہیں نہ ملتی اگر حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ذریعہ اللہ تعالےٰ دنیا کو وہم پرستی سے نہ نکالتا۔ حضورؐ کو اللہ تعالےٰ نے قدیم انبیا کی نسبت حیران کُن معجزے کم اور عقل افزا معجزے زیادہ اسی لئے دیئے تھے کہ دنیا اب عقل کا اُس طرح استعمال کرے جس طرح بلوغ کے بعد کیا جاتا ہے۔

علیٰ ہذا دنیا سے ضابطے قاعدے کے اندر تعلّق رکھنا بھی حضورؐ کے ذریعہ سکھایا گیا۔ ورنہ حضورؐ سے پہلے دنیا کے معاملات میں حصّہ نہ لینا خوبی خیال کیا جاتا تھا۔ حضورؐ کے ہاتھوں روحانیت اور مادّیت سمودی گئی۔ آپ عدل و قانون، معاشرت و معیشت، حکومت و سیاست، صلح و جنگ، تہذیب و تمدن کسی میدان میں بھی کوئی قدم اچھا اُٹھتا دیکھئے وہ اسلام کی تقلید ہو گا۔ تقلید کامل نہیں، تقلید ناقص ،

۵۲ اِس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اصول یا مقصد میں فرق تھا۔ نبیوں کی تعلیم اصول اور مقصد کے اعتبار سے ہمیشہ ایک رہی اور نبیوں نے

(باقی صـ ۳۲۷ پر)

جولائی ۵۷ء
۳۲
نظام المشائخ کراچی

پہ نبی دنیا کے گوشے گوشے میں آئے - ایک ایک وقت میں کئی کئی آئے -
ایک ایک جگہ بہت سے آئے - وحی الٰہی نے نوع انسان کو پرائمری
پاس کرائی - ہائی کلاسوں کے امتحان دلوائے - یہاں تک کہ کالج پہنچا
دیا - ہائی کلاسوں میں پرائمری کی کتابوں کی ضرورت نہیں رہی اور
کالج میں جانے کے بعد ہائی کلاسوں کی کتابیں غیر ضروری ہوگئیں ،
مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا -
ہم اپنے دیئے ہوئے سبقوں میں جس سبق کو قلمزن کر دیتے ہیں یا

(بقیہ صفحہ ۳۲۶ کا) نجات کا راستہ ہمیشہ ایک ہی بتایا - فرق صرف پرائمری، ہائی کلاسز اور کالج کا تھا - ورنہ ارشاد ہے :- شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ - یعنی (اے محمدؐ !) اللہ نے جس راستے پر چلنے کا نوحؑ کو حکم دیا تھا وہی راستہ تمہارے واسطے مقرر کیا ہے - اسی کی وحی (اے محمدؐ !) ہم نے تمہیں بھیجی اور اسی کی بابت ابراہیمؑ اور موسےٰؑ اور عیسےٰؑ سے کہا کہ اس دین کو قایم رکھو اور اس میں تفرقہ مت پڑنے دو" قرآن اُن ہی کی ہدایت کرتا ہے جو قرآن کے ماننے کے ساتھ قرآن سے پہلے کے آسمانی صحیفوں کو بھی مانیں، وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ـــــ قرآن مجید اللہ تعالےٰ کا آخری ہدایت نامہ ہے - یا ہدایت ناموں کا آخری ایڈیشن ہے ، قرآن مجید میں حسب ضرورت کچھ باتیں بڑھائی ہیں اور کچھ حذف کر دی ہیں لیکن اصول اور مقصد میں مطلق ...

بُھلا دیتے ہیں تو اُس کی بجائے اُس سے اعلیٰ یا اُسی جیسا (دوسرا) سبق لے آتے ہیں۔

(اَللّٰہُ) اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ۔ (اللہ) خوب جانتا ہے کہ کیا (کس وقت) نازل کرنا چاہیئے، تعلیم کی جڑ اور بنیاد ایک ہی تھی۔ اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی۔ جو کچھ قرآن میں ہے وہی پہلے صحیفوں میں تھا۔ لیکن تعلیم علیٰ قدرِ عقول دی جاتی تھی۔

طالب علم بالآخر کالج کی تعلیم سے بھی فارغ ہو جاتا ہے اور اُس سے کہہ دیا جاتا ہے کہ اب تم میں حصولِ علم کی صلاحیت آگئی، اب علم کو خود بڑھاتے رہو۔ نوعِ انسان کو بھی بہ تدریج ایک اور صرف ایک نبی کے زیرِ ہدایت لایا گیا اور بالآخر کہہ دیا۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔ (تم عاقل و بالغ ہو چکے) اب ہم نے تمہارا نظامِ حیات مکمل کر دیا[1] اور تمہیں اپنی پوری نعمت دیدی۔ اِسے سنبھالو اور اِس کی روشنی میں زندگی کا سفر طے کرو، ہادی اور ہدایت نامہ بھیجنے کا سلسلہ ختم ہوا۔ قرآن کے ذریعہ اللہ نے آسمان اور زمین اور آسمان و زمین کے درمیان کی ہر چیز کو سمجھنے اور برتنے کی عقل تمہیں بخش دی ہے)

۱؎ مولانا محمد علی مرحوم کا شعر ہے ؎

جب یہی پوری جوانی پہ آ گئی دنیا — تو زندگی کے لئے آخری نظام آیا

Marfat.com

اب تک ایسا ہوتا رہا تھا کہ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۔

ہم نے (اے محمدؐ!) تم سے پہلے کوئی رسول (ایسا) نہیں بھیجا۔ اور نہ کوئی نبی (جس کے ساتھ یہ نہ ہوا ہو کہ جب اس نے (اللہ کے حکموں) کی تلاوت کی تو شیطان نے اُس کے تلاوت کردہ (احکام) میں کچھ نہ کچھ آمیزش کر دی۔ اللہ (پھر دوسرا رسول بھیجتا تھا۔ اور وہ) شیطانی آمیزش کو نکال دیتا تھا اور اپنے احکام کو دوبارہ محکم کرتا تھا۔ لیکن اب اللہ تعالےٰ نے فیصلہ کیا ہے کہ قرآن میں ردو بدل نہ ہوگا، اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ یقیناً ہم نے اس قرآن کو اُتارا ہے اور ہم اس کی حفاظت کریں گے (کیونکہ اب وہ نبی آگیا جو ساری دنیا کے لئے ہے۔ اور جو کچھ اُس نبی کے ذریعہ پہنچایا گیا وہ مستقل طور سے نافذ العمل رہنے کے لئے ہے۔ زمین کی طنابیں عنقریب کھنچ جائیں گی اور دنیا ایک بستی کی سی صورت اختیار کرلے گی۔ لہذا الگ الگ پیغمبر بھیجنے کی حاجت نہیں رہی۔ دنیا اب عقل کی بات سُنے گی۔ اور قرآن میں عقل کی باتوں کا اتنا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے کہ اور اضافے کی گنجائش نہیں ہے)۔ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ

Marfat.com

وَمَا یُعِیْدُ۔ کہو حق آگیا۔ اب باطل سر نہیں اُٹھا سکتا اور لوٹ کر نہیں آسکتا۔ اُدْعُوْا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ۔ میں اور میرے متبع (لوگوں کو حق کی طرف) علیٰ وجہ بصیرت بلاتے ہیں۔ اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٰی لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ قرآن تمام دنیا کو اُن کے بھولے ہوئے حقائق یاد دلانے والا ہے (اب آدم و حوا کے بیٹے پختہ عمر کے ہو گئے۔ اُن کے پاس دماغ ہیں جن سے وہ سوچتے ہیں۔ اور اُن کے پاس آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں۔ وہ بس اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں نہ ماریں۔ آفتاب وحی کی ضیا کو اپنا رہنما بنائیں۔ فلاح یاب ہو جائیں گے۔

حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فقط اپنے زمانے کی دنیا کے رہنما نہیں ہیں۔ اُن کے بھی رہنما ہیں جو قیامت تک پیدا ہوں گے۔ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ۔ محمدؐ کو بعد میں پیدا ہونے والی نسل کا بھی رہنما بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اور محمدؐ کا لایا ہوا نظام حیات قیامت تک کے دوسرے نظامہائے حیات پر غالب رہے گا خواہ دوسرے اُس سے برا مانا کریں۔ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ۔ اللہ وہ ہے جس نے اپنے پیغمبر کو (کامل) ہدایت اور (مکمل) دین حق دیکر بھیجا ہے تاکہ اُسے تمام (اگلے پچھلے) دینوں پر غالب کر دے۔ خواہ اس

Marfat.com

سے مشرکین کتنا ہی بگڑیں۔ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ، محمدؐ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں (یعنی اُن کا کوئی بیٹا زندہ نہیں ہے) لیکن (اِس سے اُن کی شان میں کیا کمی آسکتی ہے) وہ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اور (پیغمبر بھی کیسے) خاتم النبیین۔

ختم کے معنی ایسا بند کرنے کے ہیں جیسے لاکھ لگا کر لفافہ بند کیا کرتے ہیں کہ اندر کی چیز باہر نہ آسکے اور باہر کی چیز اندر نہ جا سکے۔ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ۔ یعنی (کچھ لوگ ہیں کہ) اُن کے دلوں پر ختام کر دیا گیا ہے (کہ محمد رسول اللہؐ کی باتیں اُن کے دلوں کے اندر جا ہی نہیں سکتیں) انگوٹھی کو خاتم اِسی لئے کہا جاتا ہے کہ اُس سے عمل ختم (ختام) میں کام لیا جاتا ہے۔ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کا مطلب ہے۔ جس پر نبوت ختم ہو گئی۔ حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مکمل دین لے آئے اور اُسے اس طرح سر بمہر کر دیا گیا کہ دنیا چاہے بھی تو اُس میں خس و خاشاک شامل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات، یہ اعلان، یہ دعوے کہ حضورؐ آخری پیغمبر ہیں بجائے خود ایک معجزانہ پیشین گوئی ہے۔ تیرہ سو چودہ سو برس گزر چکے دنیا کے کسی گوشے میں کوئی نبی نہیں پیدا ہوا۔ تیرہ سو چودہ سو برس کا وقفہ کبھی دو نبیوں

Marfat.com

کے درمیان نہیں رہا۔ جھوٹے نبی حضورؐ کے بعد اُٹھے بھی تو بتاشے کی طرح بیٹھ گئے۔ کسی کی نبوت نے زندگی نہیں پائی اور آئندہ بھی کوئی نبوت زندگی نہیں پائے گی۔ جھوٹے نبیوں سے وہ زیادہ کامیاب رہے جنھوں نے حضورؐ کا نائب بن کر کام کیا۔ اُن کے نام باقی ہیں۔ جھوٹے نبیوں کو کوئی جانتا بھی نہیں۔

حضورؐ بشیر اور نذیر ہیں، بشارت دینے والے اور ڈرانے والے۔ اور بشارت دینے اور ڈرانے کا کام حضورؐ کا حضورؐ کے زمانہ حیات تک محدود نہیں تھا، حضورؐ قیامت تک کے انسانوں کے لئے بشیر و نذیر ہیں۔ انسان قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے اور چونکہ اب کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، فرمایا گیا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔

حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے خود بھی صاف لفظوں میں کہا ہے:۔ لا نبی بعدی۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ مشہور صحابی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ایک اور حدیث روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا "میری اور مجھ سے قبل کے نبیوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے مکان بنایا اور مکان کو خوب آراستہ و پیراستہ کیا۔ مگر اُس کے کونے میں

Marfat.com

ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی - لوگ مکان دیکھنے بڑے شوق سے آتے ہیں اور مکان دیکھ کر مسرور ہوتے ہیں مگر یہ بھی کہتے ہیں، کہ اینٹ کی جگہ خالی کیوں ہے - میں نے اُسی اینٹ کی جگہ کو پُر کیا ہے اور میں نبوت کی آخری اینٹ ہوں جس سے قصر نبوت مکمل ہوگیا - میں آخر الانبیا ہوں، عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان مثلی ومثل الانبیأ من قبلی کمثل رجل بنیٰ بیتا فاحسنه واجمله الا موضع لبنة من زاوية فجعل الناس يطوفون به ويعجبون له ويقولون هلا وضعت هٰذه اللبنة وانا خاتم النبيين (بخاری) مسلم میں ہے :- فكنت انا سددت موضع اللبنة وختم لی البنيان وختم لی الرسل -

غزوہ تبوک کے وقت جب حضرت علی رض کو غزوہ میں نہیں لے جایا گیا اور اہل بیت کی نگرانی کے لئے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا گیا تو حضرت علی رض کچھ ملول سے ہوگئے - حضور م نے فرمایا :- تم کیا اسے پسند نہیں کرتے کہ تم میں اور مجھ میں وہ نسبت رہے جو ہارون اور موسےٰ علیہم السلام میں تھی - لیکن فرق اتنا ہے کہ (ہارون نبی بھی تھے اور تم نبی نہیں ہو سکتے - کیونکہ) میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا،

حدیثیں متعدد ہیں - مگر وہ سب سنانے کی بجائے میں اب ڈاکٹر

Marfat.com

غلام جیلانی صاحب برق کی کتاب "حرفِ محرمانہ" کا ایک ٹکڑا، ملخصاً، نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔ یہ کتاب میرے عزیز دوست مولوی محمد عظمت اللہ صاحب دہلوی، ایڈووکیٹ کراچی نے ابھی ابھی دکھائی ہے۔ پوری کتاب پڑھنے کا وقت نہیں ملا۔ کتاب کی ضخامت چارسو چالیس صفحے ہے اور اس میں ترپّن صفحوں پر برق صاحب نے مسئلہ ختم نبوّت کو بیان فرمایا ہے۔ میں ختم نبوت کا مضمون بھی بس اتنا پڑھ سکا جس کا خلاصہ درج ذیل کیا جارہا ہے اور جو مجھے بہت بھایا۔

برق صاحب لکھتے ہیں:۔ لفظ خاتم وجہ نزاع بنا ہوا ہے۔ احمدی بھائی خاتم کا ترجمہ بتاتے ہیں "محمد علیہ السّلام انبیا کی مہر ہیں" یعنی اُمّت محمدیہ کے انبیا حضورؐ کے مُہر شدہ فرمان سے آئیں گے۔ اور باقی مسلمان خاتم کے معنی آخری کرتے ہیں۔

دونوں تفسیروں میں انتہائی تضاد ہے۔ ایک کی رُو سے سلسلۂ انبیا جاری رہتا ہے اور دوسرے سے بند ہو جاتا ہے۔ اِس جھگڑے کا فیصلہ تین عدالتیں کر سکتی ہیں۔ ایک لغت۔ دوسرے قرآن۔ تیسرے حدیث۔

المنجد میں ہے:۔ اَلْخَاتَمُ وَالْخَاتِمُ عَاقِبَۃُ کُلِّ شَیْءٍ۔

ہر چیز کے آخر کو خاتَم اور خاتِم کہتے ہیں۔

Marfat.com

منتہی العرب میں ہے :- خاتِم = مُہر، انگوٹھی - پایانِ کار -
خاتَم = آخر ہر شے - پایانِ آن و آخر قوم -

صراح - قاموس - تہذیب (ازہری) - لسان العرب - تاج العروس -
مجمع البحار - صحاح العربیہ اور کُلیات ابی البقا میں خاتِم اور خاتَم
کے معنی قریباً ایک جیسے دیئے ہوئے ہیں - یعنی :-

۱- وہ نگینہ جس پر نام کندہ ہو -
۲- انگوٹھی -
۳- آخر - انجام -
۴- کسی چیز کو ختم کرنے والا -
۵- کاغذ پر مُہر کا نقش -

دیکھنا یہ ہے کہ آیۂ زیرِ بحث میں کون سے معنی چسپاں ہوتے ہیں -
" آخری نبی " کا مفہوم تو بالکل صاف ہے - لیکن " نبیوں کی مُہر یا
انگوٹھی " کا کچھ مطلب سمجھ میں نہیں آتا - ذرا ان فقروں کو پڑھیئے :-

۱- یہ مُہر زید کی ہے -
۲- یہ مُہر عدالت کی ہے -
۳- یہ مُہر مجسٹریٹوں کی ہے -

کیا آخری فقرے کا مطلب یہ ہے کہ اس مُہر سے مجسٹریٹ بنتے ہیں -

Marfat.com

اور کیا دوسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ اِس مُہر سے عدالتیں تیار ہوتی ہیں اگر یہ مفہوم غلط ہے تو پھر خاتم الانبیا (نبیوں کی مُہر) کی یہ تفسیر کیسے درست ہے کہ "ایسی مُہر جس سے نبی بنتے ہیں۔"

علاوہ ازیں جب لفظ خاتم کسی جماعت یا گروہ کی طرف مضاف ہو تو وہ لازماً "آخری" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً خاتم المہاجرین (آخری مہاجر) خاتم الخلفا (آخری خلیفہ)۔ عربوں کے وسیع لٹریچر میں اِس کی لاکھوں مثالیں موجود ہیں۔ لیکن اِس قاعدہ کے خلاف ایک بھی مثال نہیں ہے۔ بہر حال لغت، نحو اور کلام عرب کی روشنی میں خاتم الانبیا کے معنی صرف آخری نبی ہو سکتے ہیں۔

آیئے اب یہ دیکھیں کہ خود قرآن مجید نے "خاتم" کی کیا تفسیر پیش کی ہے۔ اگر ہم صحائفِ اولیٰ پر نظر ڈالیں تو ہمیں جا بجا آنے والے انبیا کے متعلق بشارت ملتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ مکہ میں ایک رسول کے ظہور کی دعا مانگ رہے ہیں:۔ "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا۔ اے اللہ! اہلِ مکہ کی طرف رسول بھیج۔" حضرت موسیٰؑ مسلسل کسی نبی کی بشارت سنا رہے ہیں:۔ "خداوند، تیرا خداوند تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔" (استثنا۔ باب ۱۸۔ آیت ۱۵)

Marfat.com

حضرت یسعیاہ ایک اُمّی نبی کی خبر دے رہے ہیں :- "وہ کتاب ایک اَن پڑھ کو دیں اور کہیں کہ پڑھ اور وہ کہے میں تو ناخواندہ ہوں" (یسعیاہ - باب ۲۹ - آیت ۱۲) - تورات مقدس خداوند کا جلال پھر دلدئی فاران میں دیکھ رہی ہے :- "خداوند سینا سے آیا - شعیر سے اُن پر طلوع ہوا - فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں اُن کے لئے ایک آتشیں شریعت تھی" (استثنا - باب ۳۳ - آیت ۳۱) حضرت زکریاؑ ایک نجات دہندہ کا ذکر فرما رہے ہیں :- "اے یروشلم کی بیٹی! تو خوب للکار کہ تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے - وہ صادق ہے اور نجات دینا اُس کے ذمّے ہے" حضرت مسیحؑ بیسیوں پیرایوں میں ایک پُرجلال رسول کی آمد کا اعلان کر رہے ہیں :- "اس کے بعد میں تم سے بہت باتیں نہیں کروں گا - کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے" (یوحنا - باب ۱۴ - آیت ۳۰) ——— ہر قدیم صحیفے میں آنے والے نبی کا ذکر ہے - لیکن قرآن حکیم میں کسی آنے والے نبی کا اشارہ تک نہیں ہے - بلکہ حضورؐ کو خاتم الانبیا قرار دینے کے علاوہ قریباً ایک سو آیات میں اس حقیقت کو بار بار دہرایا گیا ہے کہ اب قیامت تک کوئی وحی نازل نہیں ہوگی - تمام آیتوں کا درج کرنا دشوار ہے - چند ملاحظہ فرمائیے :-

۱ - سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات میں مومنوں کی تعریف یہ بتائی گئی ہے کہ وہ غیب پر ایمان لاتے اور صلوٰۃ و زکوٰۃ پر کاربند ہوتے اور وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ -

Marfat.com

وہ اُس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو تم پر نازل ہوئی اور جو تم سے پہلے انبیا کو دی گئی۔ اور پھر قیامت پر ایمان لاتے ہیں۔ غور کرو کہ حضور علیہ السلام اور قیامت کے درمیان کسی وحی کا ذکر موجود نہیں۔ مسلمان کی تعریف صرف اتنی ہی بتائی ہے کہ وہ حضورؐ اور سابق انبیاء کی وحی پر ایمان لانے کے بعد قیامت پر یقین رکھتا ہو۔ اگر حضورؐ کے بعد کسی نبی کی آمد مقدر ہوتی تو جس اللہ نے صلوٰۃ و زکوٰۃ پر اندازاً ڈیڑھ سو اور مطالعہ کائنات پر ساڑھے سات سو آیات نازل کیں۔ جس نے زمین پر چلنے۔ گفتگو کرنے۔ نکاح۔ طلاق وضو۔ قربانی۔ تجارت اور قرض جیسے چھوٹے چھوٹے مسائل کو کھول کھول کر بیان کیا، کیا یہ ممکن تھا کہ وہ اُمت مسلمہ کو ایک نبی کی آمد سے غافل رکھتا اور حضور علیہ السلام کے بعد صرف قیامت پر ایمان لانے کا حکم دیتا؟ جس اللہ نے پہلے انبیا کو بار بار تاکید کی تھی کہ بعد میں آنے والے انبیا پر بھی ایمان لانا اور جن کے صحائف اس قسم کی پیشین گوئیوں سے لبریز ہیں، وہ اللہ مسلمانوں پر یہ ظلم نہیں کر سکتا تھا کہ پہلے تو حضورؐ کو خاتم النبیین قرار دیتا پھر ایک سو آیات میں اُنھیں حضورؐ پر اور حضورؐ سے پہلے کے انبیا کی وحی پر ایمان لانے کے بعد قیامت پر یقین رکھنے کی ہدایت کرتا اور ایسے لوگوں کو اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ ہدایت یافتہ و ناجی قرار دیتا اور پھر چپکے سے ایک رسول بھی بھیج دیتا۔

۲۔ حضور علیہ السلام کو اپنی اُمت سے عشق تھا:۔ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔

Marfat.com

محمدؐ کو تمہاری تکلیف شاق گزرتی ہے۔ وہ تمہیں سربلند دیکھنے کے لئے مضطرب ہیں۔ وہ تم پر بے حد مہربان اور شفیق ہیں۔ تو جس رسولؐ کو اپنی اُمّت سے اِس قدر محبّت ہو گیا وہ برداشت کر سکتا تھا کہ ساری اُمّت آنے والے نبی سے غافل رہ کر جہنّم کا ایندھن بن جائے۔ یقیناً کسی نبی کی بعثت مقدر ہی نہیں تھی۔ ورنہ حضورؐ کی وحی میں لازماً اس کا ذکر ہوتا۔

۳۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔
اے مسلمانو! خدا، رسولِ عربی اور اپنے فرماں روا کی جو تم میں سے ہو اطاعت کرو۔ اگر رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد کسی نبی کو بھی آنا ہوتا تو اللہ اُس کی اطاعت کی بھی ہدایت کرتا۔ اولی الامر کی اطاعت کا حکم دینا اور کسی نبی کا ذکر تک نہ کرنا صاف اعلان کرتا ہے اِس حقیقت کا کہ حضورؐ آخری نبی تھے۔

۴۔ اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ۔ اے لوگو! خدا و رسولِ عربی پر ایمان لانے کے بعد اُس کتاب کو جو رسولِ عربی پر اُتری ہے اور اُن کتابوں کو جو پہلے اُتر چکی ہیں مانو۔ یہاں پہلی کتابوں پر یمان لانے کا حکم تو موجود ہے لیکن بعد میں آنے والی کسی وحی کا ذکر نہیں ہے۔

غور کا مقام ہے کہ جس اللہ نے حضورؐ اور گزشتہ انبیا کی وحی پر ایمان لانے کا سو مرتبہ حکم دیا وہ صرف ایک مرتبہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا:۔ وَمَا یُنْزَلُ مِنْ بَعْدِکَ کہ مومن آنے والے انبیا پر بھی ایمان لائے گا۔

Marfat.com

کیوں نہیں کہا؟ کیا اللہ کو ہماری گمراہی مقصود تھی؟ کیا کسی نبی پر ایمان لانا اس قدر مشکل فرض تھا کہ اللہ نے اُسے صیغۂ رازہی میں رکھنا مناسب سمجھا۔ جو مسلمان پہلے ڈیڑھ لاکھ انبیا پر ایمان لا سکتا ہے اُسے صرف ایک اور نبی کو تسلیم کرنے میں تکلیف نہ ہوتی۔ صاف بات ہے کہ کسی نبی کی آمد مقدر ہی نہیں تھی۔ ورنہ ساڑھے چھ ہزار آیات نازل کرنے والا خدا کم از کم ایک آیت تو اس موضوع پر بھی نازل کرتا ـــــ لغت اور قرآن کے بعد ختم نبوت کے متعلق برق صاحب نے حدیث کی عدالت سے بھی فیصلہ کرایا ہے اور آخر میں لکھا ہے:۔ یہ تھیں چند احادیث، مشتے نمونہ از خروارے۔ جن میں لفظ "خاتم" کی تشریح مختلف اسلوبوں پیرائوں اور عبارتوں میں کی گئی ہے تاکہ خاتم کا مفہوم سمجھنے میں دقت باقی نہ رہی۔

صرف ایک حدیث ایسی ملتی ہے جس سے اجرائے نبوت کا امکان نکلتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب حضور علیہ السّلام کے فرزند ابراہیم فوت ہوگئے تو حضورؐ نے فرمایا:۔ لَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا۔ ابراہیم زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔ یہ روایت قرآن حکیم کی آیات اور احادیث کے خلاف ہے۔ اس کی وہی تفسیر قابل قبول ہے جو امام بخاری۔ ابو نعیم اور احمد نے پیش کی ہے:۔ وَلَوْ قُضِیَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صلعم نَبِیٌّ عَاشَ اِبْنُہٗ وَلٰکِنْ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ اگر حضورؐ کے بعد کسی نبی کا آنا مقدر ہوتا تو ابراہیم زندہ رہتے اور حضورؐ کے بعد نبی بنتے۔ لیکن حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا ـــــ اور تقریباً یہی مضمون حدیث ذیل کا ہے:۔ لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیًّا لَکَانَ عُمَرُ۔ میرے بعد نبی ہو سکتا تو عمر نبی ہوتے۔

Marfat.com

رحمتہ للعالمینؐ

جہاں تک ملک عرب کا تعلق ہے تمام باخبر اور منصف مزاج غیر مسلم بھی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو رحمتہٌ للعرب تسلیم کرتے ہیں تیئیس سال کی قلیل مدّت میں حضورؐ نے عرب میں جو مقدس اور مبارک انقلاب پیدا کیا تھا اُسے جاننے کے بعد ایک شریف انسان اُس انقلاب کے لانے والے کو رحمت کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہے۔ کروڑوں دیوانوں کو فرزانہ اور جاہلوں کو عالم بنانا۔ کروڑوں ناشائستوں کو شائستگی اور بداخلاقوں کو اخلاق سکھانا رحمت نہیں تو آخر کیا ہے۔ لیکن رحمتہٌ للعالمین حضورؐ کو صرف مسلمان مانتے ہیں۔

جنھوں نے انقلاب عرب کی تاریخ پڑھی ہے اور جو حضورؐ کو عرب کے حق میں رحمت سمجھتے ہیں وہ کاش اتنا اور سوچتے کہ اپنے گھر کو گندگیوں اور بُرائیوں سے پاک کردینا بھی تو پڑوسی کے لئے رحمت ہوا کرتا ہے۔ پھر جس نے اپنے ملک کو گندگیوں اور بُرائیوں سے پاک کیا وہ اپنے چاروں طرف کے ملکوں کے لئے رحمت کیوں نہیں تھا۔ جس چیز کو حضورؐ نے اپنے ملک کے واسطے پیش کیا اور جسے رحمت قرار دیا جاتا ہو اسی کو تو چاروں طرف پہنچایا گیا تھا۔

حضورؐ نے قومیت کو اپنے ملک میں محدود نہیں فرمایا۔ یہ نہیں کہا کہ عربوں کو سب سے غربت برتنی چاہیئے۔ سب کو ذلیل سمجھنا چاہیئے۔ سب کا دشمن بن جانا چاہیئے۔ حضورؐ نے قومیت کی بنیاد وطن، رنگ، نسل اور زبان وغیرہ کی بجائے عقیدہ اور آئیڈیالوجی پر رکھی۔ کبھی آدم کے بیٹے آدم کی روح کو خوش کرنے کا ارادہ کریں گے۔ کبھی روز روز کی جنگوں سے تنگ آ کر دنیا ایک دوسرے سے صلح پر آمادہ ہوگی۔ کبھی مُلکوں کی حد بندیاں گھروں۔ محلّوں اور شہروں کی سی حد بندیاں رہ جائیں گی۔ جس طرح ایک گھر کا رہنے والا اپنے گھر والوں سے خصوصیت رکھ کر برابر کے گھر والوں کا بھی بھائی ہو سکتا ہے۔ جس طرح ایک محلّے کے لوگ اپنے پڑوسیوں کو اہمیّت دے کر بھی دوسرے محلّے والوں کے دوست بن سکتے ہیں اور جس طرح ایک دہلوی دہلویت کی تمام اداؤں کے ساتھ لکھنوی اور لاہوری کو اپنا عزیز کہہ سکتا ہے اُسی طرح ملکوں کے آپس کے سُلوک کا وقت آئے گا تو اس تحریک کی قدر ہوگی جو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کی تھی کہ تمام بنی آدم ایک قوم ہیں، وہ کسی گھر۔ کسی محلّے۔ کسی شہر اور کسی ملک میں رہتے ہوں۔ اسلام فلاحِ انسانی کا چشمۂ رواں ہے جو اپنی قریب کی آبادی کو بھی سیراب کرتا ہے اور پھر آگے بڑھتا ہے اور بڑھتا چلا جاتا ہے۔

عرب کے کُل قبیلے ایک دوسرے کے بیری تھے۔ حضورؐ نے اُنھیں شیر و شکر کر دیا۔ قبیلوں کا اتحاد ہی تو تھا جس نے قبیلوں کے مجموعے میں وہ اوصاف رُونما کئے جس کی بناء پر حضورؐ کو رحمۃٌ للعرب کہا جاتا ہے۔ پھر اگر

یہی اتحاد ملکوں ملکوں میں ہو جائے تو عالمِ انسانیت کے لئے کتنا مفید ہو۔ لہٰذا ملکوں ملکوں میں اتحاد کرانے والے کے رحمۃ للعالمین ہونے میں کیوں کلام ہے۔

حضورؐ نے فرمایا کہ نرا میں ہی اللہ کا رسول اور پیغمبر ہو کر نہیں آیا ہوں۔ فلاں فلاں جن کے نام اے مخاطبین اوّل یعنی اہلِ عرب تم نے سُنے ہیں اور جن کے نام دُور ہونے یا بہت پُرانے ہو جانے کے سبب تم تک نہیں پہنچے وہ سب نبی تھے۔ منہم من قصصنا علیک ومنہم من لم نقصص علیک۔ دنیا کا کوئی قریہ کوئی گوشہ نبی سے محروم نہیں چھوڑا گیا۔ مسلمانوں کو زیبا نہیں ہے کہ کبھی بھی کسی جماعت کے بزرگ کو بُرا کہیں۔ مبادا جس بزرگ کو بُرا کہا جائے وہ نبی ہو۔ یہ تعلیم رحمۃ للعالمین کے علاوہ بھی کسی کی ہو سکتی ہے۔ کیا یہ حضورؐ کی رحمۃ للعالمینی کا بیّن ثبوت نہیں ہے کہ حضورؐ نے اپنے اُمّتیوں میں دوسروں کے پیشواؤں کی الفت کے جذبات پیدا کر دیئے ہیں۔ کسی ملک سے۔ کسی قوم سے۔ کسی قوم کے پیشواؤں سے۔ کسی قوم کے معبودوں سے حتیٰ کہ کسی قوم کے بتوں سے کیسا برتاؤ کرنا چاہیئے اِسے حضورؐ کی تعلیمات میں تلاش کیجے اور پھر دیکھئے کہ حضور رحمۃ للعالمین ہیں یا نہیں۔

بعض غیر مسلموں کا خیال ہے کہ اسلام جس قومیت کا مدّعی ہے وہ حُبِّ وطن کے منافی ہے۔ خدا جانے دوسروں سے محبت کرنے کے معنی یہ کہاں سے لے لئے گئے ہیں کہ اپنوں سے محبت نہ کی جائے۔ اسلام دین الفطرت ہے وہ فطرت کے خلاف حکم نہیں دے سکتا۔ فطرت کا تقاضا ہے کہ اپنے ملک سے کیا پہلے تو خاص اپنے گھر سے محبت کی جائے۔ گھر کے بعد اپنے محلّے۔ اپنے شہر۔ اپنے صوبے اور اپنے ملک کا نمبر آتا ہے۔ اور باقی دنیا اپنے وطن کے بعد ہے۔ اسلام نے تو وطن کو جزوِ ایمان

Marfat.com

قرار دیا ہے۔ ہاں رحمۃ للعالمین یہ نہیں چاہتے کہ وطن کی محبت اور وطن کی صنعت۔ تجارت اور دولت بڑھانے کے جوش میں عامہ انسانیت کو بھلا دیا جائے۔

اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ رحمۃ للعالمین کی بعثت کے وقت انسان کی بڑی ہی ذلیل حالت تھی۔ انسان کا مجد و شرف قطعی مٹ چکا تھا۔ انسان دنیا بھر میں یا خدا تھا یا غلام۔ انسان کہیں نہیں تھا۔ رحمۃ للعالمین نے انا بشر مثلکم کہہ کر انسان کی خدائی کا خاتمہ کر دیا اور غلام حبشی حضرت بلال رضؓ کو حضرت عمر رضؓ جیسے جلیل المرتبہ خلیفہ سے "آقا" کہوا کر غلامی کی جڑیں کھوکلی کر ڈالیں۔ یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ حضورؐ نے بردہ فروشی کو جس طرح توڑ مروڑ کر رکھ دیا۔ اُس میں شانِ رحمۃ للعالمینی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ بات بات پر غلام آزاد کرانا۔ موقع موقع پر غلاموں کے ساتھ اچھے سلوک کی تاکید۔ غلاموں کو امراء رؤسا اور خود اپنے کُنبے کی بیٹیاں دلوانا۔ غلاموں کو لشکروں کا سردار بنانا۔ غلاموں کو نمازوں میں برابر کھڑا کرنا۔ ان باتوں میں کیا چیز پوشیدہ تھی۔ آیا بردہ فروشی کی حمایت یا بردہ فروشی کا عاقلانہ و مُدبرانہ استیصال۔

جو شخص ذات پات کے تفاخر کو منع کرتا ہو۔ جس نے کہہ دیا ہو کہ صرف ایمان اور عمل وہ چیزیں ہیں جن سے انسان عزت کا مستحق قرار پاتا ہے وہ غلامی کو جائز کیسے سمجھے گا۔

رحمۃ للعالمین کو اس معروف غلامی ہی سے بیزاری نہیں تھی۔ حضورؐ نے ایک دوسری غلامی کا بھی قلع قمع کر دیا جو ہر آزاد عورت کو۔ غلام عورت

کو نہیں۔ آزاد عورت کو مرد کی کرنی پڑتی تھی۔ صرف شوہر کی غلامی نہیں۔ باپ کی غلامی۔ بیٹے کی غلامی۔ خاندان کے تمام مردوں کی غلامی عورت کو عمر کے مختلف حصّوں میں بھگتنی پڑتی تھی۔ رحمۃ للعالمین نے اس غلامی سے عورت کو نجات دلائی۔ اُسی عورت کو جس کی نسبت قریب قریب اُسی زمانے میں حکما اور عقلا کی ایک کانفرنس غور کرتے کرتے از راہِ عنایت اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ عورت میں بھی مرد کی سی روح ہے۔ اُسی عورت کو جو بھیڑوں اور بکریوں کی مثل ورثہ میں تقسیم ہوا کرتی تھی رحمۃ للعالمین نے مرد کے تخت پر لا بٹھایا اور ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ فرما کر برابری کی انتہا کر دی۔

ایک غلامی کے انسداد کا میں اور ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ یہ افراد کی غلامی تھی۔ اس غلامی سے کوئی آقا مرد بھی بچا ہوا نہیں تھا۔ یہ خیال اور رائے کی غلامی تھی۔ کوئی انسان اپنے دماغ کا مالک نہیں تھا۔ عربوں کے سردار۔ یہودیوں کے احبار۔ عیسائیوں کے پادری اور ہندوؤں کے برہمن سفید و سیاہ کے مالک تھے اور انسان کو کٹھ پتلیوں کی طرح نچاتے تھے۔ افراد یا اشخاص کا خاندان یا قبیلے سے الگ کوئی وجود نہ تھا۔ رحمۃ للعالمین دنیا میں سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے فرد یا شخص کی اہلیت کو تسلیم کیا۔ اُس کی فردیت اور شخصیت کو اُبھارا اور چمکایا اور اتنا بڑھایا کہ اس پر مدنیت کی بنیادیں رکھ دیں اور قصرِ شائستگی کی ہر ہر اینٹ کو اپنی جگہ مضبوط اور مستحکم کر دیا۔ ہر فرد اور ہر شخص کو الگ الگ اس قابل بنا دیا کہ وہ دوسرے

Marfat.com

افراد و اشخاص کے ساتھ مل کر کام کرے۔ تاکہ صحیح اور سچا جلالِ جمہوریت پیدا ہو۔ رحمۃ للعالمین نے ہوا اور پانی کی طرح انسان کے لئے آزادی کو عام کر دیا۔

رحمۃ للعالمین ؐ نے بادشاہوں کی خدائی اور راہبوں کے فریب دونوں کا خاتمہ کر دیا اور موہوم قوتوں کے آگے جُھکنے والوں کو پیغام دیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی اطاعت مت کرو۔ اللہ اور بندے کے درمیان نہ راجہ حایل ہے نہ پروہت اور نہ چاند سورج حایل ہیں نہ پہاڑ اور سمندر۔

رحمۃ للعالمین نے پہلی مرتبہ سمجھایا کہ قیادت و سعادت کے لئے نسلی تفوق ہرگز ضروری نہیں ہے۔ جملہ انسان باعتبار پیدائش یکساں ہیں۔ معزز و مکرم وہ ہے جس میں ذاتی جوہر ہوں۔ اور تقوے سب سے بڑا جوہر ہے۔

رحمۃ للعالمین ہی کے ذریعہ اللہ تعالےٰ کا یہ حکم ہمیں ملا ہے کہ معاملات باہمی مشورے سے طے کرنے چاہئیں۔ کسی ایک شخص کا حکم نہیں چلنا چاہیئے۔

رحمۃ للعالمین نے پہلی مرتبہ دنیا کو جتایا کہ جملہ افراد کی ضروریات کی فراہمی اور جملہ افراد کی صلاحیتوں کی نشوونما معاشرہ کے ذمّہ ہے۔ ترقی یافتہ اور مرفہ الحال پوری قوم کو ہونا چاہیئے۔ چند افراد کو نہیں۔ چند افراد کا ذرائع پیداوار پر قبضہ جما لینا۔ دوسروں کی محنت کے ماحصل سے دولت مند بن جانا اور دولت پر سانپ بن کر بیٹھنا سب عظیم ترین جرائم ہیں۔ ایسی دولت آتش جہنّم میں تپائی جائے گی اور دولت جمع کرنے والوں کی پیشانیاں اور پیٹھیں اور پہلو اُس سے داغے جائیں گے۔

اسلام ماضی ہی کا مذہب نہیں ہے مستقبل کا بھی مذہب ہے۔

Marfat.com

جس ڈگر پر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کو چودہ سو برس قبل ڈالا تھا اُس ڈگر پر دنیا آج خود بخود آتی جاتی ہے۔ جو باتیں چودہ سو برس قبل نئی اور عجیب تھیں اُنھیں آج سمجھنا آسان ہے اور جوں جوں زمانہ گزرے گا اُنھیں اور زیادہ سمجھا جانے لگے گا۔ ذرا ہم مسلمان نمونہ کے مسلمان بن جائیں، پھر دیکھئے دنیا کس طرح اسلام کی پیروی کرتی ہے، ہماری غفلت نے اسلام کو بڑا نقصان پہنچا رکھا ہے۔ بہ کثرت مسلمانوں کو تو خبر ہی نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں آکر کیسا مقدس انقلاب کیا تھا اور جنھیں تھوڑی بہت خبر ہے وہ بھی اُس انقلاب کی قدر نہیں کرتے۔ دلوں کو ٹٹول کر دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات کا کتنا احساس ہے،

درود پڑھئے اور سلام بھیجئے اُن پر جو تیئیس ۲۳ سال میں اتنا کام کر گئے کہ اتنا کام صدیوں میں ہونا ممکن نہیں تھا۔ اور ایسا کام کر گئے کہ ساری دنیا کا زاوِ نگاہ بدل ڈالا۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف عرب کے پس ماندہ لوگوں کو حکومت کا اہل نہیں بنایا۔ محض ایک قوم کے عقاید ورمعاشرے کی اصلاح نہیں کی بلکہ بین الاقوامی مستقبل کی بنیاد رکھدی۔ پوری دنیا جدھر جارہی تھی اُدھر سے دنیا کا رُخ موڑ دیا۔

آج کے مسلمانوں کو مت دیکھئے۔ آج کی پوری دنیا کو قرآن کی کسوٹی

پر کھئے اور قرآن مجید سے قبل کی دُنیا کا جائزہ لیجے۔ دُنیا اسی بہاؤ میں بہتی نظر آئے گی جیسے حضور نے بہایا تھا۔ حضور دنیا کے لئے علم وعمل کے نئے سرچشمے کھول گئے ہیں اور دنیا کو غور وخوض کی بالکل نئی شاہراہیں بتا گئے ہیں۔

انسان اور انسانیت کی ترقی کی وہ کون سی چیز ہے جس کی ابتدا حضور نے نہیں کی۔ غلامی کا سدّباب سب سے پہلے حضور کے ہاتھوں ہوا۔ عورت نے اپنا مقام سب سے پہلے حضور کے ہاتھوں پایا۔ سرمایہ دارانہ نظام سب سے پہلے حضور کے ہاتھوں مٹا۔ نسلی اور جغرافیائی امتیازات کا سب سے پہلے حضور نے ہی خاتمہ کیا۔ اکتساب علم کی طرف سب سے پہلے حضور نے متوجہ فرمایا۔ دنیا کو ایک مرکز پر آجانے کی سب سے پہلے حضور نے دعوت دی۔ وغیرہ وغیرہ۔

جذبات کو تھوڑی دیر کے لئے چھٹی دیدیجے اور طالب علم کی طرح حضور کی تعلیم کا اور حضور کی زندگی کا مطالعہ کیجے۔

حضور ہمیں وہ مسلک عطا کر گئے ہیں جس کا خلاصہ باہمی مساوات باہمی تعاون اور عالمگیر اُخوت ہے اور جس نے دنیا اور آخرت میں سنگم پیدا کر دیا ہے۔ حضور نے وراثتی بادشاہت اور پاپائی قسم کی دینی پیشوائی کی جڑیں اُس وقت کھودیں جس وقت ان کی خرابی سے کوئی واقف نہ تھا۔ حضور نے اور حضور کی تربیت کی ہوئی جماعت نے اپنی بجائے اللہ کی حکومت قائم کی تھی۔

بقول ایک یورپین مصنف کے لفظ اسلام میں تمام فرائض انسانیت

Marfat.com

سمیٹ دیئے گئے تھے۔ یہی مصنّف لکھتا ہے:۔

اسلام کے نزدیک اللہ کے آگے جھکنے اور دوسروں کے آگے جُھکنے میں بڑا فرق ہے۔ دوسرے کے آگے جھکنا دل سے نہیں ہوتا۔ اللہ کے آگے جُھک کر انسان دُنیا اور آخرت کی ذمّہ داریاں لے لیتا ہے۔

ایک دوسرا یورپین مصنّف لکھتا ہے:۔

اسلام اس قدر جلد کیسے پھیل گیا یہ اتنی تعجب کی بات نہیں ہے جتنی یہ بات ہے کہ اسلام کی تعلیم مستقل حقایق سے پُر ہے۔

ایک اور یورپین مصنّف لکھتا ہے:۔

نیم وحشی عیسائیوں نے سوچا کہ مسلمان مذہباً تو قتل کردینے کے قابل ہیں لیکن ہماری تہذیب اُن کی تہذیب کا مقابلہ نہیں کرسکتی وہ مسلمانوں کے سامنے شاگردوں کی طرح بیٹھ گئے اور مسلمانوں سے ایسے فیضیاب ہوئے کہ عیسائیوں کا موجودہ عروج اُسی کا نتیجہ ہے۔

ایک اور یورپین مصنّف لکھتا ہے:۔

یورپ نے مسلمانوں سے فلکیات، نباتات، کیمیا، طب، ریاضی قانون اور فلسفہ وغیرہ علوم سیکھے اور مسلمانوں کے طفیل یُورپ میں زندگی کی لہر دوڑنی

Marfat.com

شروع ہوئی۔

ایک اور یورپین مصنف لکھتا ہے:۔

مسلمان یورپ میں نہ پہنچ جاتے تو جس تہذیب نے آج یورپ کو آسمان پر چڑھا رکھا ہے اُس تہذیب کا کہیں پتہ نہ ہوتا۔ پندرھویں صدی عیسوی تک یورپ ان علوم میں ذرا سا بھی اضافہ نہیں کر سکا تھا۔ جن سے مسلمانوں نے اُسے آشنا کیا۔

ایک اور یورپین مصنف لکھتا ہے:۔

اسلام کے پیغام میں ابدی کشش ہے۔ ہر زمانہ کے لوگ اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ یہی ایک مذہب ہے جس میں ہر زمانے کا ساتھ دینے کی صلاحیت ہے۔

ایک اور یورپین مصنف لکھتا ہے:۔

ہم تمدّن کے کسی نظام کو اسلامی تمدّن کے مقابلہ میں پیش نہیں کر سکتے۔ کوئی تمدّن اسلامی تمدّن کا مقابلہ نہیں کر سکتا اسلام کی تعلیم کسی معاملہ میں کسی سے پیچھے نہیں ہے۔

م ۱-۔ واحدی نے شہود آفسٹ لیتھو پریس، کراچی میں چھپوا کر دفتر نظام المشائخ ایم جیکب لائنز، کراچی سے شائع کیا

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com